تذکرۂ صوفیائے سرحد
اعجاز الحق قدوسی
مرکزی اردو بورڈ

تذکرۂ صوفیائے سرحد

اعجاز الحق قدوسی

مرکزی اردو بورڈ - لاہور

بار اول

مئی ۱۹۶۶ء

ناشر : احمدالدین اظہر
ڈائرکٹر مرکزی اردو بورڈ ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی
مطبع عالیہ ، ۵/۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ساڑھے دس روپے

فہرست

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
اولاد	۸۱
خلفاء	۸۱

(۴)

عنوان	صفحہ
پیر بایزید انصاری	
(پیر روشان یا پیر تاریک)	۸۲
حالات	۸۳
نام و نسب ، خاندان	۸۴
پیدائش	۸۴
بچپن	
پیر روشن یا روشان کی وجۂ تسمیہ	۸۶
بیعت	۸۶
اپنے والد سے مشورہ	۸۷
خواجہ اسماعیل کے طریقوں پر عمل	۹۰
والد کے متعلق قرآن سے مشورہ	۹۱
ایک خواب	۹۱
خواب کے بعد	۹۲
وحد الوجود کا عقیدہ	۹۳
مقام قرب پر رسائی	۹۳
والد کی تمنا	۹۳
مجاهدے اور ریاضتیں	۹۴
قندھار کا سفر	۹۵
بیرم خاں کے کارندوں کا ظلم	۹۵
پانچ سال تک ریاضت	۹۶
خلوت خانے میں پانچ سال	۹۷

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۵)

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحه

عنوان | **صفحہ**

(۹)

عنوان **صفحہ**

عنوان | صفحہ

(۱۲)

عنوان | صفحہ

(۱۳)

(۱۴)

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

(۳۱)

(۳۲)

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۳۴)

فہرست توضیحی حواشی

حاشیہ مع نمبر	صفحہ
شیخ جلال تھانسیری : (۲)	۲۱۰ - ۲۱۳
شیخ جلال پانی پتی : (۱)	۲۱۴ - ۲۱۶
شیخ عبدالقدوس گنگوھی : (۲)	۲۱۶ - ۲۲۰
سلسلۂ چشتیہ : (۱)	۲۲۵ - ۲۲۶
شیخ نظام الدین بلخی (تھانسیری) : (۱)	۲۲۶ - ۲۲۹
سہرورد : (۱)	۲۶۹
مولانا جامی : (۲)	۲۷۲ - ۲۷۳
اویسیہ : (۱)	۲۷۶
اخوند اسماعیل : (۲)	۲۷۸
شیخ دریا خان چمکنی	۲۸۳
حضرت شیخ احمد سرھندی (مجدد الف ثانی)	۲۹۳ - ۲۹۴
سید محمد حسین : (۲)	۳۰۹ - ۳۱۰
حضرت شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری	۳۱۰ - ۳۱۱
نواب سعداللہ خان : (۲)	۳۱۶
عہد حکومت شاھجہان : (۳)	۳۱۶ - ۳۱۷
نظیر اکبر آبادی : (۱)	۳۴۹ - ۳۵۱
کیسو داس : (۱)	۳۵۱ - ۳۵۲
حضرت بایزید بسطامی : (۱)	۳۶۰
ضیاء الدین نخشبی : (۲)	۳۶۱ - ۳۶۲
سید آدم بنوری : (۱)	۳۶۹ - ۳۷۱
اورنگ زیب : (۱)	۳۷۳ - ۳۷۴
ابوالمغیث حسن حلاج بن محمد البیضاوی : (۱)	۳۷۵ - ۳۷۶
اخوند شیخ الہ داد : (۱)	۳۷۷
شیخ عبدالقادر جیلانی : (۱)	۳۸۶ - ۳۸۷
امیر کبیر سید علی ھمدانی : (۲)	۳۸۹ - ۳۹۰

حاشیه مع نمبر	صفحه

تعارف

جناب شاهد احمد دهلوی مدیر ماهنامه ساقی ، کراچی

مشرق کے قدیم علما اور محققین کے بارے میں هم طرح طرح کی روایات سنتے آئے هیں جن میں سے ایک یه بهی هے که وه اپنی ادهیڑبن میں ایسے کهوئے رهتے هیں که انهیں اپنے تن بدن کا بهی هوش نہیں رهتا ـ اسی قبیل کے سلف کا نمونه اگر آجکل دیکهنا هو تو مولانا قدوسی کو دیکهیے ، یه جب تک جاگتے رهتے هیں (سوتے کم هیں ، دنوں سوتے بهی نہیں) ان پر یہی دهن سوار رهتی هے که کہیں سے صوفیائے کرام کا کوئی قدیم تذکره ملے ، کسی مخطوطے کی کوئی نشان دهی کرے ـ دن رات انهیں اسی کی کهوج رهتی هے ـ انهیں بس یه معلوم هو جائے که فلاں صاحب کے پاس کچھ چیزیں هیں اسے حاصل کرنے کے لیے سر گاڑی اور پاؤں پیّا کر دیں گے ـ

پتا چلا که پشاور میں پشتو زبان میں صوفیائے سرحد کے بارے میں کچھ سرمایه هے ، بےقرار هوگئے ـ بس نہیں چلتا که اڑ کر پہنچیں ـ اڑنے کی توفیق نہیں هے تو پیدل هی روانه هو جائیں ـ دن کا چین اور رات کا آرام حرام هوگیا ـ نیند کے ساتھ بهوک بهی اڑگئی ـ بہرحال کسی نه کسی طرح مولانا پشاور پہنچے ـ عربی ، فارسی اور اردو کی سب کتابیں مولانا چاٹ جاتے هیں، مگر پشتو کا کیا کریں ؟ اپنے ایک کرم فرما مولانا عبدالقادر ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی، پشاور اور دوسرے مہربان پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر رساله اباسین (پشتو) کے توسط سے اس هفت خواں کو طے کرتے هیں ، اور جهولیاں بهر کے خوش خوش واپس آتے هیں ـ پهر اس خام مواد میں ایسے غرق هوتے هیں که ۱۸ مہینے تک سر پیر کا بهی انهیں هوش نہیں رهتا ـ

دن کو آٹھ گھنٹے ترقی اردو بورڈ میں لغت کا کام کرتے ھیں ۔ یہ بھی بڑی دماغ سوزی اور دیدہ ریزی کا کام ھے ۔ شام ھوتے گھر آئے ، اور اپنے کام پر ُجٹ گئے ۔ نتیجہ یہ کہ جب ۱۸ مھنیے کی محنتِ شاقہ کے بعد سات آٹھ سو صفحے کی کتاب تیار ھوتی ھے ، تو مولانا کا نظام عصبی بھی جواب دے دیتا ھے ۔ ڈاکٹر انھیں مکمل آرام ، اچھے علاج اور اچھی غذا کی تاکید کرتا ھے ، مگر مولانا کے مالی وسائل اس ''عیش'' کی اجازت نہیں دیتے ۔ دفتر سے جو مشاھرہ ملتا ھے ، وہ بس اتنا ھے کہ اپنے اور اپنے لواحقین کے جسم وجان کے رشتے کو قائم رکھ سکیں ۔ کتابوں کے پاپڑ اس لیے بیلتے ھیں کہ مولانا ذوقِ خامہ فرسا کے ستم رسیدہ ھیں ، غالباً اس اذیت کوشی کے بغیر ان کی تسکین نہیں ھوتی ۔ ایک کتاب ختم کرلیتے ھیں تو دوسری کے لیے سرگرداں ھوجاتے ھیں ، اور یوں وہ ضخیم جلدیں تیار ھو رھی ھیں جو صوفیائے سندھ ، صوفیائے پنجاب ، صوفیائے بنگال ، شیخ عبدالقدوس گنگوھی اور صوفیائے سرحد کے روپ میں ھمارے سامنے آرھی ھیں ۔

ھم انھیں دیکھتے ھیں اور خوش ھوتے ھیں کہ ایک اچھا اور ضروری کام سلیقے سے ھو رھا ھے ۔ مولانا کی تعریف ھوتی ھے ، اور مولانا کی کتابوں کی تعریف ھوتی ھے ، مگر ھم میں سے کتنے ایسے ھیں ، جو یہ بھی دیکھتے ھیں کہ مولانا نے ان کی تسوید میں کتنا خون پانی ایک کیا ھے ، کتنی بے خواب راتیں گزاری ھیں ، کتنا آنکھوں کا نور ان پر نچھاور کیا ھے ، دل و دماغ کی کتنی توانائی ان کی بھینٹ چڑھائی ھے ۔

اگر مولانا کسی مغربی ملک میں پیدا ھوئے ھوتے ، اور اس نوع کا تحقیقی کام کرتے تو کروڑ پتی نہ سہی ، لکھ پتی ھوتے ۔ یونی ورسٹیاں انھیں اعزازی ڈگریاں دیتیں ، علمی انجمنیں اپنی رکنیت فخر کے ساتھ پیش کرتیں ، اور ان کی آخرِ عمر کا یہ حصہ راحت و آسودگی میں بسر ھوتا ۔ یا یہ حال ھے کہ صحت جواب دے رھی ھے ، آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک چڑھی ھوئی ھے ، آپ ان کی ظاھری وضع دیکھیں تو سمجھیں کہ شاید کوئی اللہ والا ھے ، جی نہیں ، اللہ والوں کی تلاش نے انھیں اس

هدڑے کو پہنچا دیا هے ، انهوں نے اپنے آپ کو کهو کر انهیں پایا هے ، لہٰذا اپنی فروتنی پر قانع هوگئے هیں ، کیا مجال که جو کوئی حرفِ شکایت منه پر آجائے۔ لبوں پر تبسم هر وقت رهتا هے۔

اهلِ کمال کی یه آشفته حالی قوم اور ملک کے لیے ایسا کلنک کا ٹیکا هے ، جو جلد از جلد دور هونا چاهیے۔

شاهد احمد دهلوی

کراچی
۲۴ نومبر ۱۹۶۴

کچھ کتاب کے متعلق

۱۹۶۳ع کی بات ہے کہ میں "صوفیائے بنگال" لکھ چکا تھا، اور اس خیال میں مگن تھا کہ اب کچھ دن آرام لوں گا، اور چھ ماہ کے بعد پھر کسی موضوع کو اختیار کرکے قلم اٹھاؤں گا۔ ذہنی طور پر یہ طے کرکے میں نے تمام کتابیں لپیٹ کر رکھ دیں۔ ایک یا دوہفتے اسی طرح گزرے، میرا دماغ کتابوں سے خالی تھا، اور میں لکھنے پڑھنے سے بےنیاز ہو کر اپنے دوستوں کی دنیا میں وقت گزار رہا تھا کہ جون ۱۹۶۳ع کی ایک صبح کو جب میں اپنے دفتر ترقی اردو بورڈ میں بیٹھا ہوا کام کر رہا تھا، ایک خط میرے نام آیا۔ اس کا رسم الخط میرے لیے نامانوس تھا۔ میں نے لفافے ہی سے محسوس کر لیا کہ یہ کسی اجنبی کا خط ہے۔ میں نے اسے کھولا اور پڑھا۔ یہ خط عبدالرؤف خانصاحب نوشہروی، ریڈر شعبۂ کیمسٹری پشاور یونی ورسٹی کا تھا، جنھیں میں اس وقت بالکل نہیں جانتا تھا۔ انھوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ نے پاکستان کے مختلف علاقوں کے صوفیائے کرام کی تاریخ لکھی ہے، ہمارا یہ دور افتادہ علاقہ بھی اس کا مستحق ہے کہ آپ یہاں کے صوفیائے کرام پر قلم اٹھائیں، اگر آپ اس لیے پشاور کا سفر کریں، اور اس موضوع پر پشتو اکیڈیمی اور اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں جو مخطوطات اور نوادر موجود ہیں، انھیں دیکھ لیں تو اس موضوع پر بہت عمدہ کام ہوسکے گا۔ دورانِ قیامِ پشاور میں آپ میرے مہمان ہوں گے، اور مجھ سے اس سلسلے میں جو ممکن مدد ہوگی، میں اس کے لیے حاضر ہوں۔

اس خط میں خلوص کی مہک تھی، اور یہ جس انداز میں لکھا گیا تھا، اس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ کتاب کس قدر

محنت لے گی ، اور مواد کی فراھمی میں کس قدر دشواریوں کا سامنا ھوگا ، پھر پشاور کا سفر بھی میرے لیے آسان نہ تھا ۔ ان سب حالات پر غور کرکے میں نے اس کام کے لیے معذرت ھی مناسب سمجھی ، اور لکھا کہ فی الوقت میرے لیے یہ ممکن نہیں ، آیندہ جب حالات اجازت دیں گے تو میں انشاء اللہ آپ کی فرمائش کی تکمیل کروں گا ۔ میں نے یہ رسمی جواب ان کو دے دیا ، اور مطمئن ھوگیا کہ جان چھوٹ گئی ، لیکن وہ کب ماننے والے تھے ۔ ان کے متواتر خط آتے رھے ، ھر خط میں ان کا اصرار بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ میرے انکار نے ان کے خلوص کے سامنے سپر ڈال دی ، اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ اچھا میں اس کتاب کو شروع کرتا ھوں ۔ میرا یہ خط ان کو ملنا ھی تھا کہ ان کی طرف سے یہ تقاضے شروع ھوئے کہ آپ کب اس کتاب کو لکھنا شروع کررھے ھیں ۔ اب میرے پاس معذرت کے لیے بھی چارۂ کار کیا تھا ، سوائے اس کے کہ ان کے ارشاد کی تعمیل کروں ۔

آخر ۲۵ ۔ جون ۱۹۶۳ع کی شب میں بسم اللہ کہ کر میں نے ''صوفیائے سرحد'' کا ایک خاکہ مرتب کیا اور اس خاکے کے مطابق کام شروع کردیا ، لیکن میری راہ کی دشواریوں میں سب سے بڑی دشواری مآخذ کی کتابوں کی کمی تھی ۔ میں حیران تھا کہ میں کس طرح اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں گا کہ پردۂ غیب سے اس کتاب کی تکمیل کے سامان شروع ھوئے ۔ میں نے اپنے تمام علمی دوستوں کو خطوط لکھے ، اور ان سے گزارش کی کہ وہ اس سلسلے میں جوکچھ میری مدد کر سکتے ھیں کریں۔

سب سے پہلے میری اس آواز پر محترمی عبدالرؤف خانصاحب نوشہروی ریڈر شعبۂ کیمسٹری پشاور یونیورسٹی نے توجہ دی ، اور پشتو ، فارسی اور اردو کی دس پندرہ کتابیں روانہ کیں ، پھر میرے مکرم مشہور اھلِ قلم شیخ محمد اکرام صاحب ناظم اعلیٰ اوقاف نے میری اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ۔ وہ ''صوفیائے بنگال'' میں بھی اپنی علمی معاونت سے مجھے اپنا رھینِ منت بناچکے تھے ، اس مرتبہ بھی انھوں نے مجھے اپنے کرم سے محروم نہیں رکھا ، اور تقریباً تیئیس (۲۳) کتابیں اس سلسلے

کی روانہ فرمائیں ۔ جناب سید حسام الدین راشدی جو میرے عزیز ترین دوست ہیں ، اور علمی تعاون کو ہر اہلِ علم کے لیے خواہ وہ اجنبی ہو یا شناسا اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں ، ان کی نوازشوں سے بھلا میں کیسے محروم رہ سکتا تھا ۔ راشدی صاحب نے بھی دو تین اہم کتابیں اس موضوع پر عطا کیں ۔ کراچی کے نوجوان دانشور محمد ایوب قادری لیکچرار شعبۂ اردو ، اردو کالج نے بھی اپنی عنایتوں سے نوازا ، اور اس موضوع سے متعلق دو تین کتابیں مجھے دیں ۔ جناب قاری عباس علی خانصاحب قادری خطیب پشاور نے بھی اپنی زیرِ تالیف کتاب سیرۃ رحمانیہ کا بڑا حصہ مجھے نقل کرکے بھیجا ۔ میرے عزیز دوست حضرت سید یوسف بخاری نے بھی پیر روشان کا شجرۂ نسب رسالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور سے نقل کرکے مجھے دیا ۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں ۔ اس شجرے کو میں نے اورینٹل کالج میگزین لاہور کے حوالے سے بجنسہ کتاب میں شامل کردیا ہے ۔

میں اپنے عزیز دوست زیڈ۔ایچ۔انصاری پروپرائٹر انصاری اینڈ کمپنی ، سول ایجنٹس شیفر کمپنی (برائے پاکستان) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے حسبِ عادت قدیم شیفر کا ایک خوبصورت ، مضبوط اور پائیدار قلم عنایت فرمایا ۔ میں نے اب تک جتنے تذکرے بھی صوفیائے کرام کے اس سے قبل لکھے ہیں ، ہمیشہ ان کے دیے ہوئے شیفر کے نئے قلم سے لکھے ہیں ۔ اور ہمیشہ شیفرز کے اس قلم کی روانی کو اپنے ذہن کی روانی سے تیز پایا ہے ۔

میں آج اپنے ان تمام دوستوں کا بصمیم قلب شکرگزار ہوں کہ ان حضرت نے اپنے مخلصانہ تعاون سے ان رکاوٹوں کو دور کر دیا ،جو میری راہ میں سنگِ گراں بنی ہوئی تھیں ۔

اب اشہبِ قلم نے تیزی سے منزلِ مقصود کی راہ اختیار کی ۔ میں دنوں کو ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ، اور راتوں کو اپنے مسودے کے مکمل کرنے میں مشغول رہتا ۔ آٹھ ماہ تک شب و روز اس کتاب پر مسلسل کام کرتا رہا ، یہاں تک کہ فارسی ، عربی اور اردو کی حد تک جب میں مآخذ سے استفادہ کرچکا ، تو میری راہ میں بڑی دشواری پشتو کی کتابوں سے استفادے کی تھی ۔ میں پشتو زبان نہیں جانتا ، اس لیے پشتو کے تمام مآخذ

میرے لیے ایک عقدۂ لاینحل بنے ہوئے تھے - میں بے حد حیران و سرگردان تھا ، اور سوچتا تھا کہ ان کتابوں کے معانی و مطالب تک کس طرح رسائی حاصل کی جائے - میں اسی حیرانی و پریشانی میں تھا کہ اتفاقاً ایک دن میری ملاقات مولوی عبدالواحد ایڈیٹر نیئن زندگی (سندھی) سے ہوئی - میں نے اپنی مشکلات ان سے بیان کیں ، وہ میری بات سن کر کہنے لگے ، مولانا قدوسی ! میری نظر میں صرف ایک آدمی ایسا ھے ، جس سے تمھاری یہ مشکل حل ھو سکتی ھے ، اور وہ ھیں پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ اباسین (پشتو) - چلو میں تمھیں ان کے پاس لے چلتا ھوں - وہ مجھے اباسین کے دفتر لے کر گئے ، اور انھوں نے میری ملاقات اس نوجوان سے کرائی ، جو مجسمۂ اخلاق اور پیکرِ اخلاص ھے ، جس نے مغربی تعلیم ، یونی ورسٹیوں میں حاصل کی ، مگر ذھنی تربیت علما و صوفیہ کی بارگاہ میں پائی - اس نوجوان نے نہایت خلوص سے میری بات سنی ، اور ھنس کر کہا "حضرت ! آپ تو وہ کام کر رھے ھیں ، جو ھمیں کرنا چاھیے تھا ، میری تمام خدمات آپ کے لیے حاضر ھیں ، آپ وہ سب کتابیں مجھے دیجیے ، اور جن جن حصوں کے ترجمے آپ کو مطلوب ھیں ، ان پر نشان لگا دیجیے ، میں وہ سب ترجمے کر کے آپ کو دوں گا ، آپ ذرہ برابر بھی اس کے لیے فکر نہ کیجیے" - مجھے ایسا محسوس ھوا کہ پیر شارق کے لباس میں قدرت نے میرے لیے ایک فرشتۂ رحمت بھیجا ھے - دوسرے دن پشتو کی تمام کتابیں نشان ڈال کر میں نے شارق صاحب کے حوالے کیں ، وہ راتوں کو میرے نشان زدہ حصوں کا ترجمہ کرتے ، اور تقریباً ھر روز مجھے پہنچاتے ، کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رھا ، انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ اس کتاب کے ضمن میں کہیں بھی کوئی چیز ان کی نظر سے گزرتی ، وہ میرے لیے نقل کر کے لاتے ، انھوں نے مزید کرم یہ بھی فرمایا کہ مسودہ مکمل ھونے کے بعد اس پر نظرِ ثانی میں بھی میرا ھاتھ بٹایا ، اور مقامات اور اشخاص کے نام جو خالص پشتو میں تھے ، ان کے درست کرانے میں شارق صاحب نے میری بڑی مدد کی -

حقیقت یہ ھے کہ شارق صاحب نے اس کتاب کی تکمیل میں جو اھم

کردار ادا کیا ھے ، اس کے شکریے سے میری زبان اور قلم دونوں قاصر ھیں ۔ اپنی بے غرضی ، خلوص ، قومی جذبے اور علمی لگن کا انھوں نے جو نقش میرے دل پر قائم کیا ھے ، وہ کبھی مٹ نہیں سکتا ۔ انھیں دیکھ کر دل سے دعائیں نکلتی ھیں ، اور یہ تمنا دل میں کروٹیں لینے لگتی ھے کہ کاش ھماری قوم کے تعلیم یافتہ نوجوان اسی مخلصانہ جذبے سے سرشار ھوں ، جو خدائے تعالیٰ نے اس نوجوان کی فطرت میں ودیعت کیا ھے ۔

میری بڑی مشکل شارق صاحب نے حل کر دی تھی ۔ کتاب کا کارواں اپنی منزلیں رواں دواں طے کر رھا تھا ، یہاں تک کہ رھوارِ قلم اس سفر کی سب سے کڑی منزل پر آ کر رک گیا ۔ یہ تاریخ کے مشہور بدنام ھیرو پیر روشان یا پیر تاریک کی زندگی تھی ، جن کے منہ پر اکثر مؤرخین نے دو جہاں کی سیاھی مل کر اس قدر تاریک کر دیا ھے کہ تاریخ کے دھندلکوں میں اس کے صحیح خد و خال کو پہچاننا ایک تذکرہ نگار کے لیے بے حد مشکل ھو گیا ھے ۔ مجھے اپنے نگار خانے میں آراستہ کرنے کے لیے پیر روشان کی صحیح تصویر کی ضرورت تھی ، اور یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا ، جب تک کہ پیر روشان کی کتابیں نہ پڑھی جاتیں ۔ پیر روشان کی کتابوں میں اب تک صرف ''صراط التوحید'' شائع ھوئی ھے ، باقی ان کی اکثر کتابیں مخطوطات کی شکل میں پشتو اکیڈیمی پشاور اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاھور میں موجود ھیں ۔ میرے لیے پشاور کا سفر ناگزیر تھا ، مگر وسائل سفر ناپید ۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ اس کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے ۔ اتفاقاً ایک دن رائٹرز گلڈ ریجن کراچی کی ایک میٹنگ میں جاتے ھوئے ، میں نے برسبیلِ تذکرہ اس کا ذکر اپنے عزیز دوستوں حضرت شاھد احمد دھلوی مدیر رسالہ ساقی اور جمیل جالبی سے کیا ۔ انھوں نے میری بات کی اھمیت کو سمجھتے ھوئے کہا ، بھیا ! تم اس سفر کے لیے رائٹرز گلڈ ریجن کراچی میں درخواست دیدو ، گلڈ اس سفر کے لیے جو واقعی ایک اھم اور ضروری سفر ھے ، تمھارے لیے ضرور کوئی صورت نکالے گا ۔ میں رائٹرزگلڈ ریجن کراچی کا اور ان دونوں دوستوں کا بےحد ممنون و شکر گزار ھوں کہ گلڈ نے اس سفر کا فوراً ھی میرے لیے انتظام کردیا ۔

اب میں نے فوراً ھی رختِ سفر پشاور کے لیے باندھا ، یہ مئی کا گرم اور سخت حابس سہینه تھا ، گرمی کی شدت کو دیکھ کر سفر کی همت نه پڑتی تھی ، مگر پیر روشان کی کتابوں کا اشتیاق مجھے آخر پشاور کی دور افتادہ وادی میں کھینچ کر لے گیا پشاور کے سٹیشن پر میں نے دیکھا که که عبدالرؤف خانصاحب نوشہروی میرے لیے سراپا انتظار بنے ہوئے کھڑے ھیں - سلام و ملاقات کے بعد میں نے ان سے کہا که آپ نے سنا ہوگا که مسافر کا گھر سرائے ہوتا ھے - آپ مجھے کسی متوسط هوٹل کا پته دیں که میں وهاں قیام کر کے اپنا کام شروع کروں ، مگر وہ اصرار کر کے مجھے اپنے گھر لے گئے - دورانِ قیام پشاور میں انھوں نے جو مسافر نوازی فرمائی اس کے شکریے سے حقیقت یه ھے که میں اپنے آپ کو قاصر پاتا ھوں وہ ایک نہایت ھی سعادتمند نوجوان ھیں ، اور ذوقِ علم سے سرشار - ان کا تمام وقت پڑھنے لکھنے میں صرف هوتا ھے - انھوں نے اپنی خدمت سے میرے قلب میں اپنے لیے جس جذبۂ عظمت کو ابھارا ھے ، حقیقت یه ھے که وہ خود ان کی عظمت کی دلیل ھے - اس کتاب کے محرّکِ اول بھی وھی ھیں ، اور اس کا سہرا بھی ان کے سر ھے که ان کے پیہم تقاضوں اور شدید مطالبوں سے یه کتاب اس قدر جلد پایۂ تکمیل کو پہنچی ، ورنه خدا جانے یه کب تک معرضِ التوا میں پڑی رھتی -

عبدالرؤف خان صاحب ، مجھے سب سے پہلے مولانا عبدالقادر ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی ، پشاور کے پاس لے کر گئے - مولانا سے مجھے پہلے سے نیاز حاصل تھا ، مولانا بڑے تپاک سے پیش آئے اور پشتو اکیڈمی کی لائبریری کو میرے مطالعے کے لیے وقف کردیا اور اپنے رفقائے کار کو هدایت فرمائی که وہ ھر طرح کی سہولت میرے لیے مہیا کریں - پشتو اکیڈمی اور اسلامیه کالج پشاور کی لائبریری میں مجھے بہت کچھ وہ ملا ، جس کی مجھے تلاش تھی - پشتو اکیڈمی میں خود مولانا نے اور محترمی ڈاکٹر انوارالحق اور اکیڈمی کے دوسرے رفقائے کار نے جو کچھ تعاون فرمایا ، میں ان تمام بزرگوں کا شکریه ادا کرنا اپنا خوش گوار فریضه سمجھتا ھوں -

مولانا عبدالقادر کی شخصیت ایک باغ و بہار شخصیت ھے ، خدا نے ان کو علم و فضل سے بھی نوازا ھے اور شرافت و انسانیت کے جوھر سے بھی سرفراز فرمایا ھے ، میں پشتو اکیڈمی میں جب کام کرتے کرتے تھک جاتا تو تھوڑی دیر کے لیے مولانا کے پاس آ بیٹھتا ۔ مولانا کی گفتگو میں بڑا رس اور بڑی کشش ھے ۔ وہ باتوں ھی باتوں میں میری ھمت افزائی کرتے ، کتاب کے حصوں کو جستہ جستہ سنتے اور اپنے گراں قدر مشوروں سے مجھے نوازتے ۔ میں نے دن رات ایک کرکے ان تمام مخطوطوں کے نوٹ لیے جو میری کتاب کے لیے ضروری تھے ۔ 'حال‌نامہ' جو پشتو اکیڈمی میں فلم کی صورت میں ھے ، جسے میں مائیکروفلم مشین پر پڑھتے پڑھتے عاجز آ چکا تھا ، اس کا آخری حصہ پڑھنے سے باقی رہ گیا تھا ، چونکہ اس کا اصل نسخہ جس سے یہ فلم لیا گیا ھے پنجاب یونیورسٹی لاھور کی لائبریری میں موجود ھے ، میں نے لاھور آ کر پنجاب یونی ورسٹی لائبریری سے اس بقیہ حصے کے نوٹ لیے اور کراچی واپس آیا ۔

کراچی واپس آنے کے بعد میں نے اس تمام خام مواد کو مرتب کرنا شروع ھی کیا تھا کہ ''انسائیکلوپیڈیا مطبوعات فرینکلن'' لاھور کے سندھ پر ۵۳ مقالوں کا کام بھی میرے سپرد ھوا ۔ اب میرا سارا دن دفتر میں ، راتیں اس کتاب اور ان مقالوں کی تکمیل میں گزرتی تھیں ۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ گذشتہ پانچ ماہ میں میں کبھی رات کو ایک بجے سے پہلے سویا ھوں ۔

اس محنتِ شاقہ نے میرے دل و دماغ کو تھکا دیا ۔ میرے اعصاب کو کمزور کر دیا ، یہاں تک کہ میں شدید بلڈپریشر میں مبتلا ھوا ۔ میرے معالج ڈاکٹر مجھ سے کہتے تھے کہ آپ کا سب سے بڑا علاج یہ ھے کہ آپ لکھنا پڑھنا بند کرکے آرام لیں ، میں ان سے کہتا تھا کہ لکھنا پڑھنا تو میرا سب بڑا ناٹک ھے ، پھر میں انھیں بابر کا یہ مصرعہ سناتا جسے میں اپنی زندگی میں شمع راہ بنائے ھوئے ھوں ،

ع ۔ ما زندہ از آنیم کہ آرام نگیریم

میں نے اس زمانے میں بھی جب کہ مجھے لکھنے پڑھنے کی سخت ممانعت تھی اور میری بیوی ایک پولیس کے سپاھی کی طرح میری نگرانی کرتی تھی رات

کے پچھلے پہروں میں ، جب کہ سارے گھر والے بے خبر سوتے تھے ، اس کتاب کو لکھا ھے ۔

یہاں تک کہ ۶ نومبر ۱۹۶۳ ع کو ایک سال آٹھ ماہ کے بعد گردش قلم نے اپنے منزل مقصود کو پالیا ۔ اب یہ قارئین کے سامنے ھے ۔ میری یہ محنت کہاں تک اھل نظر کے نزدیک حسن قبول حاصل کرتی ھے، اس کا فیصلہ تو وھی کریں گے ، میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ھوں :

اے روح عصر حاضر و اے سر زمین پاک
لایا ھے اک نغمہ سخندان ترے لیے
اس نغمۂ عظیم کی اللہ ری وسعتیں
چھوڑا نہیں ھے کوئی گلستان ترے لیے

اعجاز الحق قدوسی
۲۳ نومبر ۱۹۶۳ ع
ایک بجے شب

قدوسی منزل ، ۵/۳۵۷ لیاقت آباد ،
کراچی نمبر ۵

مقدمہ

اب تک افغان قوم کے حسب و نسب کے متعلق جس قدر نظریات قائم کیے جا چکے ھیں ، ان میں سے اکثر نظریاتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ھیں ۔

غیرپٹھان مستشرقین کی قیاس آرائیاں خاصی حد تک ناقص اورغیر مستند واقعات پر مبنی ھیں ۔

خود پٹھان محققین کا ابھی تک یہی نظریہ رہا ھے کہ یہ قوم یہود کے ان بارہ گم شدہ قبائل کی اولاد ھے جن کو بخت ِ نصر نے بیت‌المقدس کی بربادی اور قبضے کے بعد وھاں سے ِجلاوطن کیا تھا ۔

ان قبائل میں سے چند تو غور اور فیروزہ کے کوھستانوں میں اور بعض عرب کے ریگ زاروں میں جا کر آباد ھوگئے ۔ ان کے مورث ِ اعلیٰ کا نام افغانہ تھا ، اسی موروثی نسبت سے یہ قوم افغان کے نام سے مشہور ھوئی ۔

ان محققین میں بعض ایسے بھی ھیں جو افغانوں کے سلسلۂ نسب کو حضرت اسماعیل علیہ‌السلام سے ملاتے ھیں ۔

کہا جاتا ھے کہ آغاز ِ اسلام تک یہ قبائل اپنے آبائی دین ، دین ِ موسوی پر قائم رھے ، اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رض مشرف باسلام ھوئے تو انھوں نے اپنے عزیزوں کو جو غور میں آباد تھے ، کہلا بھیجا کہ وہ دعوت ِ اسلام قبول کرلیں ۔ غور کے آباد شدہ قبائل نے حضرت خالد بن ولید کے اس پیغام پر تحقیق ِ حال کے لیے ایک وفد قیس نامی رھنما کی سرکردگی میں مدینۂ منورہ روانہ کیا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وفد کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ آپ نے وفد کے سربراہ کو عبدالرشید کا خطاب دیا، اور چند روز کے قیام کے بعد اس وفد کے ساتھ چند مبلغین کر کے رخصت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرشید کے لقب کے علاوہ اس وفد کے سربراہ کو ایک اور لقب 'بطان' سے بھی سرفراز فرمایا۔

وطن واپس آنے پر اس وفد نے تبلیغِ اسلام کے فرائض پوری سرگرمی سے انجام دیے۔ جس کے نتیجے کے طور پر کچھ عرصے کی جد و جہد کے بعد افغان قوم کے تمام قبائل اسلام میں داخل ہوگئے۔

افغانوں کے مشہور صوفی اور صاحبِ علم و فضل بزرگ حضرت اخوند درویزا نے بھی اپنی کتاب ''تذکرۃالابرار والا شرار'' میں افغانوں کے نسب کے سلسلے میں اسی روایت کو ترجیح دی، بلکہ انھوں نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا کہ

> ''بعثتِ نبوی کے بعد عرب و عجم سے فرداً فرداً لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے، لیکن افغانوں کے سترہ ملک ایک جماعت کی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔
>
> ''جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے تو حضرت خیرالبشر علیہ‌السلام کو ان کا صدق بہت پسند آیا اور خوش ہوکر اپنا علم مبارک ان کے سپرد کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کفار سے جنگیں ہوتیں تو افغانوں کی عورتیں ان جنگوں میں حاضر ہوتیں، تیروں کو جمع کرتیں اور پانی لاتیں، اور غازیوں تک میدان جنگ میں پہنچاتیں، لیکن حضرت رسالت پناہ صلعم ان کو منع نہیں کرتے تھے ...الخ (۱)۔

افغانوں کے نسب کے سلسلے میں یہ روایت اہلِ افغان میں جس قدر متواتر ہے، اسی قدر یہ درایت کی کسوٹی پر مجروح ہے۔ کیونکہ ہمیں

---

۱ - ''تذکرۃالابرار والا شرار'' - صفحہ ۸۳، ۸۴ -

اس کا پتہ نہ حدیث کی کتابوں میں چلتا ہے اور نہ یہ روایت سیرت کی کتابوں میں کہیں نظر آتی ہے - جو وفود مختلف ممالک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان تمام کا تذکرہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے - بہر حال ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت افغانوں میں کہاں سے آئی اور اس کا ماخذ کیا ہے ، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر مؤرخین افغانوں کے نسب کے سلسلے میں اس روایت کو اپنی سند بناتے ہیں اور یہی روایت ان کے نسب کے سلسلے میں سب سے زیادہ قابلِ ترجیح سمجھی گئی ہے -

پٹھانوں کے حسب و نسب کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ حضرت طالوت جو قوم یہود کے بادشاہ تھے ، ان کے دو بیٹے تھے ، ان میں سے ایک کا نام "افغان" تھا ، اور یہی پٹھان قوم کے مورثِ اعلیٰ تھے -

تاریخ میں پہلی بار اس قوم کے لیے لفظ افغان کا استعمال سلطان ابوسعید مرزا (۱۳۱۶ ع) کے زمانے میں ہوا -

پٹھان قوم کے مشہور مؤرخ نعمت اللہ خان نے پٹھانوں کے سلسلۂ نسب کے متعلق اپنی تحقیق و نظریہ کو پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ابنِ یامین حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک پوتے کا نام قیس تھا ، اسی قیس کے ایک بیٹے کا نام ساروں تھا ، آئندہ چل کر اپنے بلندیٔ قد و قامت کی وجہ سے طالوت کے لقب سے مشہور ہوا - جب طالوت کو بادشاہت ملی تو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گیارہ بھائیوں نے انتہائی خلوص و وفاداری سے امورِ مملکت میں ان کا ہاتھ بٹایا - اس کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت طالوت کے داماد بھی تھے - طالوت کی وفات پر قوم نے حضرت داؤد کو ان کا جانشین مقرر کیا - طالوت کی وفات کے چند ماہ بعد ان کی دو بیوہ بیویوں کو خدائے تعالیٰ نے ایک ایک فرزند سے نوازا ، ان میں سے ایک کا نام 'برکیا' اور دوسرے کا نام 'ارمیا' رکھا گیا - جب یہ دونوں صاحبزادے سنِ بلوغ کو پہنچے تو برکیا کو وزیر اعظم اور ارمیا کو سپہ سالار کا عہدہ تفویض کیا گیا - ادھر

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات پر ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام سریر آرائے تخت سلطنت ہوئے۔ برکیا اور ارمیا کی وفات کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے خاندانی اعزاز و مراتب کو برقرار رکھا اور ارمیا کے صاحبزادے افغانہ کے سپرد سپہ سالاری کے علاوہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی کیا گیا۔

بیت المقدس افغانہ کی زندگی میں تعمیر ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے افغانہ اور آصف کی اولاد میں برکت عطا فرمائی، افغانہ کے چالیس اور آصف کے اٹھارہ لڑکے تھے۔ پھر ان کی طاقت و قوت اتنی بڑھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے وقت ان سے زیادہ طاقتور قبیلہ بنی اسرائیل میں کوئی نہ تھا۔

وقت گزرتا گیا، دن، ماہ و سال میں تبدیل ہوتے رہے، آخر عروج کے دروازے کو فصل خزاں نے آ کھٹکھٹایا اور گردش دوراں وہ منحوس ساعت بھی ساتھ لائی جب کہ بخت نصر نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس نے ستر ہزار سے زائد یہود کو قتل کرایا اور باقی ماندہ کو جلا وطن کیا۔ اس تباہی و بربادی کے باعث ان میں سے کچھ قبائل ڈر کے مارے کوھستان غور چلے آئے اور کچھ عرب میں جا کر اس خیال سے آباد ہوئے کہ اب حضرت سلیمان کا بنایا ہوا قبلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ بیت اللہ کی محافظت کا جذبہ انہیں نواح مکۂ مکرمہ میں لے آیا اور وہ مکۂ مکرمہ کے اطراف میں آباد ہوگئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے ۱۵۰۰ع سال بعد فاران کی وادیوں میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور بعثت نبوی کے نو سال بعد حضرت خالد بن ولید رض نے غور میں آباد شدہ اپنے نسبی بھائیوں کو ایک قاصد کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی۔ اس قاصد کے پہنچنے پر غور کے متوطن بنی اسرائیلیوں کا ایک وفد قیس کی سرکردگی میں دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ قیس کا شجرہ طالوت علیہ السلام

سے ۳۷ پشت پر جا کر مل جاتا ہے -

ملک عبدالرشید (قیس) کے نکاح میں حضرت خالد بن ولید نے اپنی ایک صاحبزادی بھی دی تھی - ان بی بی کے بطن سے قیس کے تین صاحبزادے تولد ہوئے - (۱) سڑابن ، (۲) بٹن ، (۳) غورغشت - خدائے تعالیٰ نے عبدالرشید (قیس) کے ان تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی ، ہر ایک کی نسل سے قبیلے چلے -

سڑابن کے دو لڑکے تھے ، شرخبون اور خرشبون - شرخبون کے پانچ بیٹے شیرانی ، ترین ، میانہ ، اوڑمڑ اور بڑیچ تھے -

خرشبون کے تین بیٹے ، کند ، زمند اور کانسی تھے - بٹن اور غورغشت کی اولاد سے بھی پٹھانوں کے کئی قبیلے چلے اور یہ سب قبائل اب تک مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد ، قبائلی علاقوں اور افغانستان کے علاوہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور برّصغیر پاک و ہند کے مختلف خطوں میں آباد ہیں -

مختصر یہ ہے کہ پٹھان نسلاً بنی اسرائیل ہیں ، ان کی شکل و شباہت ، وضع و قطع ، زبان کے بعض الفاظ رسوم بنی اسرائیل سے مشابہ ہیں ، بلکہ ان کے پہاڑوں ، وادیوں اور آبادیوں کے نام بھی بنی اسرائیل کے زعماء کے نام سے مشہور ہیں - اس لیے قیاس غالب یہی ہے کہ پٹھان قوم کا نسلی تعلق بنی اسرائیل کے ان بارہ گم شدہ قبائل سے ہے -

پٹھانوں کے حسب و نسب کے متعلق خارجی تاثر کی بنا پر ایک نظریہ یہ بھی جنم لے رہا ہے کہ یہ آریہ نسل سے ہیں - اس دعوے کی مدعیان نے اپنے دعوے کے ثبوت میں بعض مستند روایات اور بعض قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے - لیکن باوجود ان سب تحقیقات کے جمہور کا عقیدہ یہی ہے کہ پٹھان بنی اسرائیل سے ہیں - اگرچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور قومیں بھی ان میں مل گئی ہیں ، لیکن ان کی منفرد نسلی حیثیت صدیاں گزرنے پر بھی اسی طرح قائم ہے -

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ پٹھانوں کا مسکن غور اور اس کے اطراف و نواح کے علاقے تھے ، اور اسلام پہلی صدی کے نصف اوائل ھی

میں یہاں پہنچ چکا تھا ، اور یہ قبائل مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے۔ ان قبائل کے اسلام قبول کرنے کا ایک بڑا شرف یہ بھی ہے کہ ان قبائل کو دعوتِ اسلام دینے والے صحابہ اورتابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین تھے ۔ تاریخ شاھد ہے کہ صحابہ اورتابعین نے جہاں بھی شجرِ اسلام کی آبیاری کی ہے اس میں کچھ ایسا خلوص ، الھیت اور جذبۂ ایمانی تھا کہ صدیاں گزرنے پر بھی اس شجر کی سرسبزی و شادابی میں فرق نہیں آیا ۔ جن اقوام نے ان بزرگوں کے ھاتھوں اسلام قبول کیا ، وہ پھرکبھی اس سے منحرف نہیں ھوئیں ۔ انھیں خوش بخت اور سعادت مند اقوام میں قوم پٹھان بھی ہے ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام افغانستان ، فارس ، ، کرمان کے علاوہ بنوامیہ کے عہدِ خلافت تک سندھ تک پھیل چکا تھا ۔ سندھ کا رقبہ اس وقت موجودہ مغربی پاکستان بشمول قبائلی علاقہ و کشمیر پر مشتمل تھا ، اور پہلی صدی ھجری کے ختم ھونے سے قبل ھی پٹھان قوم کے نواحی علاقے اسلامی حکومت کے زیرِ اثر آ چکے تھے ، اور وھاں کے باشندوں کی اکثریّت نے دینِ حق قبول کرلیا تھا ۔

عموماً ملوک و سلاطین نے ملک و مال کے حصول کے لیے تلوار اور قوت کو اپنا ذریعہ بنایا ہے لیکن تحریکِ اسلام کا مقصد بجائے ملک و مال کے تسخیرِ قلوب تھا ، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے یہ ایک آفاقی جد و جہد تھی ۔ وہ ایک ایسا ضابطۂ حیات لےکر آیا تھا ، جس میں مظلوموں کی حمایت تھی ، اور حکمراں طبقے کی نفسیات اسے چھو کر بھی نہ گزری تھیں ۔ غازیانِ اسلام ملک و مال کے لیے نہیں بلکہ ایک نظریاتی انقلاب برپا کرنے کی خاطر میدان میں نکلتے تھے ۔ وہ جہاں بھی جاتے ان کا مقصد باطل ثقافت کو حق آشنا کرنا ھوتا ۔ وہ لوگوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانے کی کوشش کرتے ، خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دیتے ، جاھلانہ رسوم اور رواجی بندھنوں سے انسان کو آزاد کرکے اشرف المخلوقات کے بلند ترین منصب پر لانے کی سعی کرتے ۔ اسی مقصداعلیٰ نے ھر غازی کو ایک مبلّغ بنا دیا تھا ، وہ میدانِ کارزار میں بھی اس رفیع مقصد کو نہ بھولتا تھا ، اور اس مقصد کی شمع کو لے کر دنیا کے

ظلمت کدوں کو منور کرتا ہوا آگے بڑھتا تھا ، لیکن ایک ایسا نازک وقت بھی آیا کہ مرکزی خانہ جنگیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی کی یہ رفتار سست پڑ گئی ، اور قریب تھا کہ وہ شمع ، جس کو عرب کے غازیوں نے برّ صغیر پاک و ہند کی وادیٔ سندھ میں روشن کیا تھا ، داخلی اختلافات کی وجہ سے گل ہو جائے کہ اچانک اسے خیبر کے راستے سے ایک نئی طاقت ملی ، اور پرچم اسلام اس سر زمین پر سرنگوں ہوتے ہوتے بچ گیا ۔

اس مرتبہ اس نشاۃِ ثانیہ کا مقدمۃُ الجیش پٹھان قوم کے جاں باز سپاہی تھے ، اور اس کا سہرا ان غیور و جسور افغانوں کے سر ہے جن کے رگ و ریشے میں اسلام کچھ اس طرح سرایت کرچکا تھا کہ ان کا ہر فرد جذبۂ شوقِ شہادت میں مست و سرشار تھا ۔

دستورِ دیرینہ کے مطابق اس مرتبہ بھی غازیانِ لشکر کے ہمراہ علمائے حق اور صوفیائے کرام کا اشتراکِ عمل تھا ۔ سلطان محمود نے اگر سر زمینِ ہند میں بت شکن کا لافانی لقب حاصل کیا تھا تو عین اسی زمانے میں حضرت شیخ علی ہجویری بہ معروف داتا گنج بخش (متوفی ۱۰۷۲ء) نے لاہور تشریف لا کر عرفان و ایقان کی وہ شمع روشن کی جس کی ضیاباریوں نے پاک و ہند کے گوشے گوشے کو منور و تاباں بنا دیا ۔ ان کی تعلیمات روشنی کا وہ مینار ہیں کہ صدیاں گزرنے پر آج بھی اہلِ طریقت کے کارواں انھیں کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں ۔ ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین معیاری کتابوں میں کیا جاتا ہے ۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی میں تصوف پر سب سے پہلے مغربی پاکستان کے دار الخلافہ لاہور میں حضرت ہجویری نے لکھی ۔ اسی کتاب کے متعلق بعض اہلِ طریقت کا خیال ہے کہ جس شخص کا پیر نہ ہو اس کے لیے ''کشف المحجوب'' کافی ہے ۔

سلطان محمود کے بعد مسلمانوں کی آمد کا جب سلسلہ قائم ہوا تو پھر خیبر ہی کے راستے سے ان نفوسِ قدسیہ کی آمد شروع ہوئی جن کے فیضانِ ہدایت کا سرچشمہ کوہستانِ غور سے نکلتا ہوا مدراس و برما کی سر زمین کو بھی سرسبز و شاداب کر گیا ۔

میں نے ان اوراق میں مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کے ان مشاہیر صوفیائے کرام کی تاریخ کو قلم بند کیا ہے ، جنھوں نے اس علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے تھے ، اور جو اپنی زندگیوں کو اخلاقی قدروں کی سربلندی ، اتباعِ رسول کریم اور خدمتِ خلق کے لیے وقف کیے ہوئے تھے - جن کی ساری زندگی خلق کی دردمندی میں گزری ، اور جنھوں نے انسانیت کو سربلند کرنے کی عظیم ترین کوششیں کیں - میرے لیے یہ کام بڑا صبر آزما اور کٹھن تھا ، ایک طرف علمی اور مستند مواد کی کمی ، بلکہ نایابی ، پھر اس کے حصول کے وسائل مسدود ، پشتو زبان سے ناواقفیت - یہ سب چیزیں میری راہ میں آڑ بنی ہوئی تھیں - بہر حال میں نے ان تمام مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی ، اور اب میں اس کوشش کو اس کتاب کی صورت میں ''صوفیائے سرحد'' کے نام سے پیش کر رہا ہوں ، جو مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کی اسلامی ثقافتی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے- میں نے کوشش کی ہے کہ مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کے مشاہیر صوفیائے کرام میں سے کسی کا تذکرہ اس کتاب میں چھوٹنے نہ پائے - اس سلسلے میں خود سرحد کا سفر کرنے کے علاوہ ، وہاں کے مختلف اہلِ قلم سے بذریعہ خط کتابت اس کتاب کے لیے مواد حاصل کرنے کی استدعا کی گئی ، جن میں سے اکثر نے اشتراکِ عمل کرکے مجھے اپنا رہینِ منت بنا لیا -

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں طریقت کے مشہور چاروں سلسلوں کی مختصر تاریخ بیان کردوں کہ جو اس وقت پاک و ہند میں رائج ہیں -

بارھویں صدی عیسوی میں فلسفۂ تصوف نے ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کی ، اور اسی زمانے میں طریقت کے سلسلوں کی بنیاد پڑی ، لیکن تیرھویں صدی عیسوی میں طریقت کے یہ سلسلے باقاعدہ وجود میں آئے ، اور اسی صدی میں ان کی ترقی و تشکیل ہوئی -

پہلا سلسلہ ترکستان میں سلسلۂ خواجگان ہوا ، جس کے بانی خواجہ محمد اتالیسوی متوفی ۵۶۲ھ (۱۱۶۶ء) تھے - اس سلسلے کو ان کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی متوفی ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) نے فروغ دیا ، لیکن

اس سلسلے کو جس نے بام ترقی پر پہنچایا ، وہ تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور بزرگ خواجہ بہاءالدین نقشبند متوفی ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) تھے - یہ سلسلہ آئندہ چل کر سلسلۂ نقشبندیہ کے نام سے موسوم ہوا -

اس سلسلے کے بعد تاریخی نقطۂ نظر سے جو سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے ، وہ سلسلۂ قادریہ ہے جس کے سربراہ مشہور شیخ طریقت حضرت شیخ عبدالقادر (متوفی ۱۱۶۶ء) تھے - سلسلۂ نقشبندیہ کے بعد اس کا فروغ ہوا ، اور تیرھویں صدی عیسوی میں آپ کے خلفا نے اس سلسلے کی ترویج و ترقی میں اسلامی ممالک کے مختلف خطوں میں کام کیا -

سلسلۂ قادریہ کے بعد تاریخی اعتبار سے جو سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ سلسلۂ چشتیہ ہے - اگرچہ اس سلسلے کے بانی مبانی حضرت ابواسحاق شامی (متوفی ۹۴۰ء) تھے لیکن اس سلسلے کی توسیع و اشاعت خواجۂ بزرگ خواجہ معین‌الدین اجمیری (متوفی ۱۲۳۵ء) کے ہاتھوں عمل میں آئی -

سب سے آخر میں ہمیں سلسلۂ سہروردیہ ملتا ہے ، جس کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب‌الدین سہروردی (متوفی ۱۲۳۴ء) ہیں - سلسلۂ سہروردیہ کے کارواں کو جس بزرگ نے آگے بڑھایا ، وہ حضرت شیخ شہاب‌الدین سہروردی کے خلفائے خاص تھے ، جنھوں نے اس سلسلے کو تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں انتہائی عروج پر پہنچا دیا -

پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین‌الدین اجمیری کی بدولت سب سے پہلے سلسلۂ چشتیہ آیا ، پھر یہاں سلسلۂ سہروردیہ نے فروغ پایا - اس کے بعد پندرھویں صدی عیسوی میں یہاں سلسلۂ قادریہ و شطّاریہ کی داغ بیل پڑی ، آخر میں اکبری عہد حکومت میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے پاک و ہند میں سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کی -

یہ ہے مختصر سے طریقے پر پاک و ہند میں مشہور روحانی سلاسل کی آمد کی تاریخ - لیکن یہ سوال خودبخود ذہن میں ابھرتا ہے کہ اس خطّے میں کہ جس سے اس کتاب کا تعلق ہے ، طریقت کا سب سے پہلے کون سا سلسلہ آیا تھا ؟ ، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش

و جستجو کے همیں کوئی ایسی مستند روایت نہیں مل سکی کہ جس سے ہم یقینی طور پر بتا سکتے کہ مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں سب سے پہلے کون سا سلسلہ آیا ، اور یہاں کا پہلا صوفی کون تھا جس نے اپنی ضیاباریوں سے اس علاقے کو منور و تاباں بنایا ۔ لیکن قیاس چاهتا هے کہ سلاسلِ اربعہ میں سے سب پہلے سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں نے اس سر زمین کو اپنے قدمِ میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا ہوگا ، کیونکہ پٹھان قوم کے قدیم قبیلے بڑیچ کی تاریخ سے پتہ چلتا هے کہ اس قبیلے کے دو بزرگ شیخ ثابت و شیخ الیاس حضرت مودود چشت کے خلفاء میں سے تھے ۔ اس کے علاوہ شیخ کبار بھی ، جن کا تذکرہ سب سے پہلے اس کتاب کی زیب و زینت هے ، چشتی تھے ، اور انھوں نے بھی خرقۂ خلافت حضرت مودود چشت سے حاصل کیا تھا ۔ ہمارا خیال هے کہ سلسلۂ چشتیہ کے بعد شاہ ہمدانی کی وساطت سے پہلے نقشبندیہ اور پھر قادریہ سلسلہ یہاں پھیلا ہوگا ۔ سلسلۂ سہروردیہ کے نقوش اس علاقے میں بہت کم ملتے ہیں ، یہی وجہ هے کہ سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ اس علاقے میں کم ہیں ۔

عجیب بات یہ هے کہ صوفیائے سرحد کی مستند تاریخی کڑی جس دور سے شروع ہوتی هے اس وقت سے اصفیائے سرحد کے بعض عظیم رہنما فروعی مسائل اور نظریاتی مصاف میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا نظر آتے ہیں ۔ تاریخِ صوفیائے سرحد کے ان حصوں کو خالص تاریخ کی روشنی میں بغیر کسی جانبداری کے میں نے پیش کر دیا هے ۔

حضرت اخوند درویزا اور پیر روشان کے معرکہ آرا مباحث کا معلوماتی پہلو ابھی تک تشنہ تھا ، میں نے جہاں تک میری دسترس تھی ، مستند مآخذ سے صحیح حالات کو پیش کرنے کی سعی کی هے ۔

میں نے اس کتاب کو حروف تہجّی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر بزرگ کے سنہ وفات کے اعتبار سے ترتیب دیا هے ، اور یہی طریقہ مجھے بہتر معلوم ہوتا هے ۔

آخر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تمام کاوشوں اور محنتوں کے باوجود جو میں نے اس کتاب کے لکھنے میں برداشت کی ہیں

اور جن کا تذکرہ میں'' کچھ کتاب کے متعلق'' کے تحت ابتدائی اوراق میں کر آیا ہوں، میں اپنی اس کتاب کو حرفِ آخر نہیں بلکہ نقشِ اول سمجھتا ہوں۔ مجھ سے جو ممکن تھا میں نے کردیا ، میری دلی تمنا ہے کہ کاش قوم کا کوئی نوجوان اس ثقافتی اور روحانی تاریخ کو آگے بڑھائے اور وہ بنیاد جو میں نے رکھی ہے ، اس کو کہاں تک پہنچائے کہ یہ ابتدا ہے ، انتہا نہیں ہے -

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
هزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

اعجازالحق قدوسی

۲۵ نومبر ۱۹۶۴ء

قدوسی منزل ،
۴/۴۵۷ ، لیاقت آباد ،
کراچی - ۱۹

بسم‌اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ‌الکریم

(۱)

پیر کبار

نام و نسب :

پیر کبار کا اصل نام دتو تھا ، لیکن وہ اپنی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے پیر کبار کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے ۔ وہ قوم افغان سے تھے ۔ قوم شوریانی و خویشگی(۱) کے وہ لوگ جو فقرائے اہل چشت سے تعلق رکھتے ہیں ، انھیں کی اولاد سے ہیں ۔ پیر کبار کے والد کا نام شورہ بن خویشگی ہے ۔ شورہ کے تین صاحبزادے

---

۱ ۔ خویشگی ، قیس عبدالرشید کے بیٹے خرشبون (خیر الدین) کے بیٹے زمند کی اولاد سے بیان کیے جاتے ہیں ۔ ان کی زیادہ تر آبادی تحصیل نوشہرہ میں ہے ، اور کچھ خاندان یوسف‌زئیوں کے ساتھ بھی مقیم ہیں اور اسی قبیلے کے نام پر تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں دریائے کابل کے اس پار ایک بڑا قصبہ بنام خویشگی آباد ہے ، جس کے متعلق کئی ضرب الامثال بھی مشہور ہیں ۔ (یوسف زے پٹھان ۔ ص ۵۳۲)

تھے ، ایک پیر کبار ، دوسرے حسین خویشگی ، تیسرے خلف خویشگی ۔ ان تینوں صاحبزادوں میں پیر کبار اپنی عمر اور مرتبے کے لحاظ سے افضل ترین تھے ۔

تلاشِ مرشد

جب ان میں جذبۂ شوقِ الہٰی بیدار ہوا تو وہ ایک طویل عرصے تک شیخ کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے ۔ جس شیخ کی خدمت میں پہنچتے اور ان کی زیارت سے مشرف ہوتے ، ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اسی تلاش و جستجو میں وہ حضرت قطب‌الدین خواجہ مودود چشتی(۱) کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ حضرت مودود چشتی نے ان کو اپنے پاس رکھا ، اور باورچی خانے کے لیے پانی لانے کی خدمت ان کے سپرد کی ۔ چالیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اس خدمت کو بجا لاتے رہے ، یہاں تک کہ جب حضرت خواجہ مودود چشتی کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں

---

۱ ۔ خواجہ مودود چشتی کا لقب قطب‌الدین ہے ۔ انھوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور علومِ ظاہری کے حصول میں مشغول ہوگئے ۔ ۲۶ سال کی عمر تھی کہ والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ چونکہ آپ اوصافِ حمیدہ سے متصف اور بلندیٔ سیرت و کردار میں مشہور تھے ، اس علاقے کے لوگ آپ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے ۔ آپ نے ابتدائی روحانی تربیت شیخ الاسلام احمد النامقی سے حاصل کی تھی ۔ جب شیخ الاسلام احمد جام ہرات پہنچے ، اور آپ نے ان سے اپنی تربیت اور خلوص کے متعلق درخواست کی ۔ تو حضرت احمد جام نے ان کو اپنی آغوش میں بٹھا کر تین بار فرمایا بشرطِ علم ۔ پھر تین روز تک آپ شیخ الاسلام احمد جام کی خدمت میں رہے ۔ اس کے بعد آپ تحصیلِ علوم و تکمیلِ معارف کے لیے بلخ و بخارا تشریف لے گئے ، اور تقریباً چار سال تک حصولِ علم و تکمیلِ معارف میں کوشش کرتے رہے ۔ خواجہ مودود چشتی نے ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں وفات پائی ۔ (ماخوذ از نفحات الانس ۔ ص ۲۹۹ ۔ ۳۴۰)

نے پیر کبار کو بلا کر خلعت اور خرقۂ خاص سے سرفراز فرمایا ، اور اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیا ، لیکن وہ اپنے پیر کی وفات کے بعد شدتِ محبّت کی بنا پر وہیں مقیم رہے اور اپنے پیر کے مزارِ گوہر بار کی جاروب کشی کرتے رہے - دوسری مرتبہ پھر پیر نے عالمِ رویا میں ارشاد فرمایا اور تاکید کی کہ وہ اپنے وطن واپس جائیں -

وطن کی واپسی :

اپنے پیر کے مکرر ارشاد پر اپنے وطن کوهستان پشاور میں واپس لوٹے - کوهستان کے لوگ ان سے کرامت کے طالب ہوئے ، چنانچہ ان سے بعض کرامات کے صدور کودیکھ کر عام طور پر کوهستانی لوگ ان کے مرید و معتقد هوگئے، خصوصاً قبیلۂ خویشگی تو بالکلیہ ان کا مرید هو گیا -

رشد و هدایت :

پیر کبار نے اس علاقے میں شمع رشد و هدایت کو روشن کیا ، اور بہت سے طالبانِ حق نے ان سے هدایت کی راہ پائی -

وفات

پیر کبار ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں واصل الی اللہ ہوئے - مفتی غلام سرور لاهوری نے ذیل کے قطعے میں ان کی تاریخِ وفات قلم بند کی :

از جہاں چوں شیخ دتو شیخِ دیں
رفت در دربارِ جنت یافت بار
متقی آمد وصالِ پاک او
۵۵۰ھ
هم ولی دو جہاں پیر کبار
۵۵۰ھ

خلفاء :

پیر کبار کے خلفاء میں جس بزرگ نے شہرت و عظمت حاصل کی وہ شیخ بتک هیں - صاحبِ ''خزینۃالاصفیاء'' ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے هیں کہ

از اکمل مریدانِ وے شیخ بتک بود کہ صاحبِ کشف و کرامت و ولایت و هدایت و ارشاد شد -

پیر بتک کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ وہ خویشگی کے صاحبزادے ، اور پیر کبار کے بھائی کے لڑکے تھے ، اور بعض کہتے ھیں کہ بتک خواجہ مودود چشتی کے نواسے تھے ، اور ان کے والد کا نام خواجہ عمر تھا ، پیر کبار نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ تا قیام۔ قیامت ان کی اولاد اور مرید معرفت سے خالی نہ ہوں۔

۱ - پیر کبار اور ان کے خلیفہ بتک کے حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۴۵۳ - ۴۵۴ سے ماخوذ ھیں۔

(۲)

شیخ آدم ملی

حالات :

شیخ آدم بن ملی قبیلۂ دلازاک(۱) میں سے تھے۔ ان کے تورع اور زھد کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا ھے کہ وہ اس قدر زاھد اور متورع تھے کہ ایک روز ایک شخص ایک چڑیا شکار کرکے آپ کی خدمت مین لایا ۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ چڑیا کہاں سے شکار کی ھے ۔ اس شخص نے اس جگہ کا پتہ بتایا ۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کر دیا ، اور فرمایا کہ ، وھاں کے لوگ، رھزنی اور حرام خوری میں مشہور ھیں ، شاید اس چڑیا نے آن کے دانوں میں سے کوئی دانہ کھایا ھو ۔

ایک کارنامہ :

شیخ آدم ملی کا سب سے بڑا کارنامہ وہ انتظامِ اراضی بند و بست ھے جو انھوں نے ایک کتاب کی صورت میں دفتر کے نام سے مرتب کیا تھا ، اور اس کے مطابق قبائل یوسف زئی ، مندنڑ ، اور ان کے معاون قبائل نے سابقہ گندھارا یعنی موجودہ وادیٔ پشاور بشمول ریاستہائے صوبۂ سرحد

---

۱ ۔ اگرچہ حضرت اخوند درویزا نے شیخ آدم بن ملی کو قبیلہ دلازاک سے لکھا ھے ، لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں شیخ آدم قبیلہ یوسف زئی کے مشاھیر میں سے تھے، اور یوسف زئیوں کے مشہور ملک ، ملک احمد خاں کے ھمعصر اور ان کے رفقا میں سے تھے ۔

کی زمینوں کی تقسیم کی تھی - اس کی رو سے قبائل میں اراضی کی تقسیم بذریعۂ قرعہ اندازی ہوتی تھی - تقسیم کے بعد ہر خیل کو دستور کی مقرر کردہ مدت کے مطابق اس علاقے کی اراضی پر رہنا پڑتا تھا - یہ مدت بارہ سال کی تھی - اس مدت کے گزرنے پر دوبارہ قرعہ اندازی ہوتی تھی ، پھر جو اراضی جس قبیلے کے نام نکلتی تھی ، وہ قبیلہ اس اراضی پر مستقل ہو جاتا تھا - شیخ آدم ملی کے مرتب کردہ نظام میں زمین قومی ملکیت تھی ، اور اس کا قابض مقرر کردہ مدت کے مطابق اس کی پیداوار کا مالک ہوتا تھا -

انگریزی حکومت کے قیام تک مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں شیخ آدم ملی کے مرتب کردہ دستور کے مطابق عمل ہوتا رہا اور آج بھی سابق صوبۂ سرحد کے کوھستانی علاقے کے بعض قبائل مثلاً حسن زئی ، اکازئی ، نصرت خیل اور چغہ زئی وغیرہ میں شیخ ملی کے مرتب کردہ دستور کے مطابق عمل ہوتا ھے اور ان قبائل کے بہت سے معاملات اسی دستور کے مطابق طے ہوتے ھیں - پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک نے اپنے ایک شعر میں شیخ ملی کے اس دستور کو سراہتے ہوئے کہا ھے :

> ''سوات میں دو چیزیں جلی یا خفی موجود ھیں
> ایک درویزا کا مخزن ، اور دوسرا شیخ ملی کا دفتر '' -

مدفن

شیخ آدم بن ملی کا مزار پر انوار ھشت نگر میں واقع ھے (۱) -

---

۱ - شیخ آدم بن ملی کے یہ حالات تذکرۃالابرا روالاشرارصفحہ ۱۶۰ سے ماخوذ ھیں -

(۳)

حضرت سید علی غوّاص مشہور بہ پیر بابا

نام و نسب :

مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ‌سرحد کے صوفیائے کرام میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ان میں حضرت سید علی غوّاص اور ان کے مرید حضرت اخوند درویزا کا اسمِ گرامی سب سے زیادہ جلی نظر آتا ہے ۔

آپ کے حالاتِ زندگی میں ہمیں آپ کے مرید وخلیفہ حضرت‌اخوند درویزا کی کتاب ''تذکرۃالابراروالاشرار'' سے بڑی مدد ملتی ہے ۔ اس کتاب میں اخونددرویزا نے آپ کے حالاتِ زندگی ''تذکرۂ اول'' کے عنوان سے ایک جگہ تحریر کر دیے ہیں ، جو انھوں نے خود اپنے پیر کی زبانی سنے تھے ۔

اخونددرویزا کی اپنے پیر کے ذریعہ سے روایت ہے کہ ان کے پیر حضرت سیّدعلی غوّاص نے ان سے بیان کیا کہ میرےوالد کا اسمِ گرامی قنبرعلی تھا ۔ چونکہ وہ شاہانِ وقت سے مناسبت رکھتے تھے ، اس لیے وہ اپنی مناسبتِ طبعی کے اعتبار سے دنیاوی منصب و جاہ کے بلند مراتب پر پہنچے ۔ اسی لیے ان کو امیر نظر بہادر بھی کہا جاتا تھا ۔ وہ نسباً سادات ترمذ سے تھے اور وطن کے اعتبار سے قندس کے رہنے والے تھے ۔ میرے والد نے اپنے والد کے آبا و اجداد کا طریقۂ زہد و ریاضت چھوڑ کر دنیا کے مناصب و مراتب کی طرف توجہ کی اور اس میں بڑا نام پیدا کیا ، لیکن میرے دادا حضرت امام المسلمین سیدالدنیاوالدین سید احمد یوسف اپنے آبا و اجداد کے پسندیدہ طریقے پر سلسلۂ کبرویہ کے سجادے پر بیٹھ کر اپنے وطن قندس و بدخشاں میں مصروفِ رشد و ہدایت رہے ۔ دنیا کے حالات کی طرف

ان کی کوئی توجہ نہ تھی - میرے دادا مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے - ایک عجیب تر بات یہ ہے کہ میں اپنے ظاہرہ حالات کی وجہ سے اپنے خاندان میں ناقابلِ التفات سمجھا جاتا تھا - ایک روز ہمارے گھر میں میرے بھائی بہنوں کی پسندیدگی کا تذکرہ چلا - مجھے سب لوگ دیوانہ کہتے تھے ، اس لیے مجھے کسی نے پسند نہ کیا - میرے دادا نے فرمایا کہ میں اس دیوانے کو پسند کرتا ہوں ، تمھیں اس سے کچھ سروکار نہیں(۱) -

سلسلۂ نسب :

حضرت اخوند درویزا نے اپنی کتاب ''تذکرۃالا برار والا شرار''میں حضرت سید علی کا سلسلۂ نسب، حسبِ ذیل طریقے پر درج کیا ہے :

''سید علی بن قنبرعلی ، بن سید احمد نور بن سید یوسف نور، بن سید محمد نور بخش ترمذی بن سید احمد بیغم بن سید براق بن سید احمد مشتاق ، بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان بن سید جعفر بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن شاہ ناصر خسرو بن سید امیر علی بن سید عبدالرحیم بن سید محمود مکی ، بن سید محمد مہدی بن حسن عسکری بن سید علی نقی بن سید محمد تقی بن سید امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی اصغر رحمہم اللہ اجمعین بن امام حسین شہیدِ کربلا بن بی بی فاطمہ زہرا (منکوحۂ مطہرہ علی مرتضیٰ(رض) بنت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم(۲)''-

تعلیم وتربیت :

چنانچہ میں اپنے دادا کی خدمت میں رہنے لگا اور میں نے ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی سے حاصل کی ، یہاں تک کہ شرح ملّا جامی بھی انھیں سے پڑھی - میرے قلب میں ابتداً زہد و ریاضت کا چراغ بھی میرے

۱ - ''تذکرۃ الابرار والا شرار'' - صفحہ ۱۳۴

۲ - ایضاً - صفحہ ۱۳۴ - ۱۳۵ء

دادا کی توجہ ھی سے روشن ھو -

سلسلۂ کبرویہ میں اجازت :

یہاں تک کہ جب میرے دادا کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے بیٹے جو کچھ بھی تم کو قرآن میں سے یاد ھو پڑھو ، میں نے سورۂ تبارک الذی پڑھی ، فرمایا کہ پھر پڑھو ، میں نے پھر سے یہی سورۃ پڑھی ، فرمایا کہ پھر پڑھو ، پھر میں نے یہی سورۃ پڑھی ، پھر فرمایا کہ میرے بیٹے ! ھر وہ برکت و نعمت جو مجھے حاصل تھی ، ان میں سے بعض میں نے اپنے آبا و اجداد سے حاصل کی تھی اور بعض نعمتیں مجھے سلسلۂ کبرویہ سے حاصل ھوئی تھیں ، وہ سب میں نے تم کو بخشیں -

دادا کی وفات :

اپنے دادا کی وفات کے بعد میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا - میری یہ حالت تھی کہ نہ مجھے اھلِ دنیا کے ساتھ قرار تھا اور نہ ان سے کوئی مفر تھی ، نہ مجھے لذّاتِ دنیوی سے فرحت حاصل ھوتی تھی اور نہ میں وظائف کے لطائف پر یکسوئی حاصل کر کے کامیاب ھوسکتا تھا -

ھمایوں کے دربار میں :

یہاں تک کہ سلطان ارجمند ھمایوں بادشاہ(۱) نے ھندوستان کی طرف توجہ کی - میرے والد بزرگوار مجھ کو تبرکات کے ساتھ ھمایوں کے دربار

---

۱ - بابر کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ع) میں اس کا بیٹا ھمایوں تخت نشین ھوا ، لیکن محرم ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ع) میں شیر شاہ سوری کے مقابلے میں اس کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ اس نے لاھور آ کر دم لیا ، مگر یہاں بھی باھمی نفاق کی بدولت شیر شاہ سے مقابلے کی تیاری نہ کر سکا ، میرزا حیدر نے ھمایوں کو کشمیر چلنے کی رائے دی ، مگر وہ جنوبی سندھ روانہ ھوگیا تاکہ مرزا شاہ حسن ارغون حاکمِ سندھ سے مدد حاصل کرے ، لیکن وہ اپنے شہر میں مغلوں کے داخلے تک کا روادار نہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں لے گئے - کبھی کبھی وہ مجھ کو درباری لباس پہناتے اور ھمایوں کے دربار میں لے جاتے ، لیکن منشائے خداوندی یہ تھا کہ مجھ کو دنیا اور اھلِ دنیا سے متنفّر رکھے - میں وہ شاھی آداب بجا نہیں لاتا تھا جو لشکریوں کے مناسبِ حال ھوتے ھیں اور دربارِ شاھی سے لوٹ کر اس درباری لباس کو اتار پھینکتا اور اس دور کے علما و صلحا کی خدمت میں حاضر ھو کر تحصیلِ علم میں مشغول ھو جاتا تھا -

پانی پت میں تشریف آوری :

الغرض ایک مدت کے بعد میں حصولِ علم اور طلبِ روحانیت کے لیے پانی پت آیا اور پابرهنه حضرت سلطان‌العارفین ، امام المومنین شیخ الاسلام والمسلمین ، شیخ شرف‌الدنیاوالدین ، شیخ شرف الدین پانی پتی(۲) کے مزارِ

(بقیه حاشیه صفحه ۵۷ سے آگے)

ھوا - مارواڑ کے راجا نے جان نثاری کے وعدے اور منّت کے بلاوے بھیجے تھے ، لیکن جب وہ وھاں پہنچا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں - پھر وہ دوبارہ سندھ آیا اور ملک کو چھوڑ کر سیستان کے راستے شاہِ ایران کی پناہ لی - وھاں صفویوں کی شاھانه سہانی اور مذھبی بدگمانی کے تماشے دیکھے - آخر دو سال کی کوشش و کاوش سے دس ھزار ایرانی قزلباش ساتھ لے کر کئی مہینے کے محاصرے کے بعد پہلے قندھار اور پھر کابل و بدخشاں کو فتح کیا - جب سوری خاندان کا شیرازہ بکھرا تو چودہ برس بعد پھر وہ ۹۶۲ ھ (۱۵۵۴ع) میں ھندوستان آیا ، متذ ّکرۂ متن واقعه اسی زمانے کا ھے - ھمایوں نے ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ع) کو دھلی میں زینے سے گرکر وفات پائی - اس کی تاریخِ وفات ''ھمایوں بادشاہ از بام افتاد'' سے نکلتی ھے (ماخوذ از تاریخِ مسلمانانِ پاکستان و بھارت جلد اول (صفحه ۳۹۸ — ۴۲۰)-

۲ - شیخ شرف الدین کا نام شرف‌الدین اور لقب بوعلی‌قلندر تھا - آپ

(باقی حاشیه اگلے صفحے پر)

مبارک پر حاضر ہوا - شیخ کے یمن و برکت کی وجہ سے میرے قلب میں
ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں آپ کے مقبرے سے نکل کر کسی نامعلوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸ سے آگے)
کے والد کا نام سالار فخرالدین اور والدہ کا نام بی‌بی حافظہ جمال
تھا جو سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ تھیں -
(سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۰)

شیخ بوعلی قلندر کا آبائی سلسلۂ نسب یہ ہے :
شیخ شرف‌الدین بو علی قلندر بن سالار فخرالدین ، بن سالار حسن
بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمان بن
عبدالرحیم بن وانک بن امام‌اعظم ابوحنیفہ -(سیرالاقطاب صفحہ ۱۹۰)
حضرت شیخ شرف‌الدین بو علی قلندر کی ولادت ۶۰۵ھ(۱۲۰۸ع)
میں پانی پت میں ہوئی - آپ نے بہت ھی اوائل عمر میں
علومِ ظاہری کی تکمیل کی - تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد
بیس برس تک دھلی میں قطب مینار کے قریب درس و تدریس
میں مشغول رہے - اس دور کے جلیل‌القدر علما اور اکابر ان
کے علم و فضل کے معترف تھے ، لیکن جب تصوف کی راہ
میں قدم رکھا تو آپ پر جذب و سکر کی کیفیت غالب آئی -
اسی عالمِ جذب و سر مستی میں تمام کتابوں کو دریا میں
ڈال کر جنگل کی راہ لی ، پھر پانی پت کے موضع "بڈھا کھیڑہ"
میں مقیم ہوگئے - صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کو
حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا مرید لکھا ہے ، صاحبِ
اخبارالاخیار نے لکھا ہے کہ
"بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی عقیدت داشت و بعضے
گویند شیخ نظام الدین اولیا و ہیچ یکے ازیں دو نقل
بصحت نرسد۔"

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

الاسم مقام پر پہنچا اور وہاں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگیا ۔ ایک زمانے کے بعد میرے گھر والوں کو خبر ملی ۔ وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے حضرت شیخ کے مقبرے تک آئے اور مجھے انھوں نے وہاں نہ پا کر یہ سمجھا کہ میں چونکہ دنیا کے جاہ و منصب سے متنفّر اور حق طلبی کی طرف مائل تھا ، اس لیے بھاگ گیا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹ سے آگے)

سلطان جلال الدین خلجی اور علاءالدین خلجی آپ سے بیحد عقیدت رکھتے تھے ۔ ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ(۱۳۲۴ع) کو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر واصل اللہ ہوئے ۔ پانی پت میں آپ کا مزار پُر انوار مرجعِ خاص و عام ہے ۔

حضرت بو علی قلندر کی تصانیف میں (۱) ”مکتوبات بنام اختیارالدین“ (۲) ”حکم نامہ شرف الدین“ ۔(۳) ”مثنوی کنز الاسرار“ ۔ (۴) ”رسالہ عشقیہ“ مشہور ہیں ۔

آپ کے مکتوبات کے بارے میں صاحبِ اخبار الاخبار نے تحریر فرمایا ہے کہ :

او را مکتوبات است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائقِ توحید و ترکِ دنیاوطلبِ آخرت و طلبِ مولیٰ ، جملہ آں بنام اختیارالدین می گوید ۔

(اخبارالاخبار صفحہ ۱۲۱)

انھیں مکتوبات کے بارے میں صاحبِ خزینۃالاصفیا لکھتے ہیں کہ :

مکتوباتِ وے کہ بنام اختیارالدین مریدِ خود تحریر کردہ است ، کتابے است جامع علمِ توحید ۔

(خزینۃالاصفیا جلد اول صفحہ ۳۲۷)

والد سے ملاقات :

آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد انھوں نے مجھ کو ایک زاویے میں پایا - میں نے اپنے والد کا استقبال کیا اور ان کے پاؤں میں گر کر ان سے اجازت چاھی کہ میں طلبِ حق کے لیے باھر چلا جاؤں - میرے والد نے مجھے روکنے کے لیے بہت سی نصیحتیں کیں ، لیکن مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا - مجبوراً وہ راضی ھوگئے اور مجھے کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ یہ تمھارے سفر کا توشہ ھے - میں نے والد سے عرض کیا کہ ابّا جان ! اسے رھنے ھی دیجیے اور مجھے اس قید سے آزاد کیجیے - جب میں طلبِ حق میں جا رھا ھوں تو اپنی روزی بھی حق تعالیٰ ھی سے طلب کروں گا ، اگر مجھے اس روپے پر اعتماد ھوتا تو میں اس سے کیوں بھاگتا -

شیخ سیلونہ کی خدمت میں حاضری :

آخر میں اپنے والد سے اجازت لے کر روانہ ھوا اور پرگنۂ مانک پور پہنچا اور مخدوم زماں ، کہف الاماں ، ماحی البدعة و طریقۂ ھوا ، محی السنت و شریعت شیخ سیلونہ علیہ الرحمة والغفران کی خدمت میں حاضر ھوا(۱) - میرا شوقِ علم دیکھ کر وہ انتہائی شفقت سے پیش آئے اور میں ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنے لگا ، یہاں تک کہ فقہ کی مشہور کتاب ''ھدایہ'' تک میں نے اپنی تعلیم پہنچائی -

شیخ سیلونہ سے بیعت کی درخواست

شیخ سیلونہ کے علمی تبحر ، غیر معمولی تقویٰ اور زھد و ریاضت کو دیکھ کر ایک روز میں نے نہایت عاجزانہ طور پر ان سے درخواست

---

۱ - شیخ سیلونہ اپنے وقت کے جلیل القدر علما اور اولیا میں تھے - وہ دنیا سے منہ موڑ کر بالکلیہ ظاھری و باطنی طور پر حق کی طرف متوجہ تھے ، سوائے درس کے ان کا تمام وقت عبادتِ الٰھی میں صرف ھوتا تھا یہاں تک کہ داھنے ھاتھ کی انگلیاں بیداری اور سونے کی حالت میں تسبیح کے لیے ھمیشہ حرکت مں رھتی تھیں - شغلِ باطنی کی وجہ سے ان پر استغراق کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی کہ مجھ کو بھی شغلِ باطن سے بہرہ مند کیجیے ، لیکن انھوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ابھی اس بارِ گراں کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میرا اصرار بڑھتا رہا ، یہاں تک کہ میرے اصرار کو ایک روز دیکھ کر فرمایا کہ یہ کام سرسری نہیں ہے بلکہ مشکاۃِ نبوت سے مقتبس ہوکر یداً بید مشائخ کرام تک پہنچا ہے ۔ اسی بنا پر صرف اسی شیخ کو اس کا حق پہنچتا ہے جو حضرت خیرالبشر سے یداً بید اجازت یافتہ ہو ، وہ سجادے پر بیٹھ کر عوام‌الناس کو دعوت دے اور بیعت کا دروازہ کھولے ۔ چونکہ میں اپنے شیخ سے اس کی اجازت نہیں رکھتا ، اس لیے میں بیعت کرنے سے معذور ہوں ، مگر میں ایسے شیخ کی طرف تمھاری رہبری کرتا ہوں کہ جو حاذق طبیبِ روحانی ہیں اور جنھیں ہمارے شیخ بہاءالدین صامت سے اجازت حاصل ہے ۔ تم ان کے آستانے پر حاضر ہو ، وہاں تمھارا مقصد پورا ہو سکے گا ۔

شیخ سالار رومی کی خدمت میں حاضری :

چنانچہ میں آپ کے ارشاد پر اجمیر میں حضرت سالار رومی کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ شیخ نے مجھ پر خصوصی توجہ فرمائی اور میرے حسب و نسب سے واقف ہوکر فرمایا ، اے سید ! طریقۂ باطنی کا حصول بغیر مرشدِ کامل متشرع کی صحبت کے ممکن نہیں ۔ پھر انھوں نے میرے لیے خلوت اور خدمت کو پسند فرمایا ۔ میں ان کی خدمت کو حصولِ سعادت کا سب سے بڑا ذریعہ جانتا تھا اور ایک لمحے کے لیے اس سے غافل نہ ہوتا تھا ۔ اس طرح ایک زمانہ گزر گیا ۔ جب شیخ سالار رومی نے مجھے اپنی خدمت میں سچا پایا تو بے حد شفقت فرمائی اور مجھے علمِ تصوف اور سلوک کی تعلیم دینے لگے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱ سے آگے)

کیفیت طاری رہتی تھی ۔ ایک دفعہ کوٹھے سے ذکرِ جلی کرتے ہوئے غلبۂ حال میں گر پڑے، لیکن انھیں کچھ خبر نہ ہوئی ۔ (ماخوذ از ''تذکرۃ الابرار والا شرار'' ، تالیف اخوند درویزا **مطبوعہ ہندو پریس صفحہ ۱۴)**

سلسلۂ طریقت

حضرت سید علی غوّاص کا سلسلۂ طریقت متاخر تذکرہ نگاروں نے سلسلۂ چشتیہ لکھتے ہوئے ان کو حضرت نظام الدین تھانیسری کا مرید و خلیفہ بتایا ہے ، ''خزینۃالاصفیا'' جلد اول میں ہے کہ :

''سید علی غوّاص ترمذی شیخ نظام الدین تھانسیری کے مرید و خلیفہ ہیں اور اپنے زمانے کے کامل ترین اولیا اور عظیم المرتبت مشائخ میں ہیں ۔ جب شیخ نظام الدین ہندوستان سے بلخ تشریف لے جا رہے تھے ، اس وقت سید علی غوّاص نے حضرت نظام الدین سے بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے اور منازلِ سلوک کی تکمیل کے بعد یوسف زئیوں کے علاقے میں قیام کرنے کے لیے آپ کے شیخ نے آپ کو حکم دیا ۔ چنانچہ وہاں آ کر بہت سے یوسف زئی افغانوں کو اپنا مرید کیا اور تصوف و معرفت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا ۔ ان میں سے ایک مولانا درویزا پسر عبدالکریم بھی آپ کے مرید ہوئے اور مرتبۂ کمال پر فائز ہوئے۔ حضرت اخوند درویزا نے آپ کو اپنی کتاب ''مخزن الاسلام'' میں قطبیت اور غوثیت کے مرتبے پر فائز بتایا ہے ۔ حضرت سیدعلی غوّاص بغیر مزامیر کے سماع سنتے تھے ۔ چونکہ دریائے معانی کے غوّاص تھے ، اس لیے آپ کو اپنے پیر کی بارگاہ سے غوّاص کا خطاب ملا تھا ۔

حضرت سید علی غوّاص نے عہدِ شاہجہانی میں ۱۰۴۰ ھ (۱۶۳۰ع) میں وفات پائی(۱) ۔''

شیخ محمد اکرام نے بھی خزینۃالاصفیا کی روایت سے استناد کرتے ہوئے حضرت سید علی غوّاص کو شیخ نظام الدین تھانیسری کا مرید و خلیفہ بتایا ہے ۔ وہ اپنی مشہور کتاب ''رودِ کوثر'' میں لکھتے ہیں کہ :

---

۱ ۔ ''خزینۃالاصفیا'' جلد اول ۔ صفحہ ۶۰۴ ۔ ۶۷ ۔

"جن لوگوں نے بلخ میں حاضر ہو کر شیخ نظام الدین تھانیسری سے فیض حاصل کیا ان میں سید علی غواص ترمذی قدس سرہ تھے جو اپنے عہد کے اولیائے کبار میں تھے(۱)۔"

لیکن حضرت اخوند درویزا نے جو اپنے شیخ کے سلاسلِ طریقت اپنی کتاب "تذکرۃالابرار والاشرار" میں دیے ھیں ، ھمیں ان میں کہیں حضرت نظام الدین تھانیسری کا نام نہیں ملتا ، بلکه وہ سلسلۂ چشتیه عزیزیه میں اپنے پیر کو سالار رومی کا مرید و خلیفه بتاتے ھیں ۔ چونکه وہ ان کے عہد کے شاھدِ عینی ھیں اور خود حضرت سید علی غوّاص کے مرید و خلیفه ھیں ، اس لیے ان کی روایت پر کسی دوسرے کی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔ وہ اپنے شیخ کے طریقت کے سلسلوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ھیں که :

"میں ایک طویل مدت تک آپ کی (حضرت سید علی غواص) خدمت میں رھا اور میں نے اپنی عمر کا بڑا حصه آپ کے قدموں میں بسر کیا ، چونکه حضرت متقدمین مشائخ کی طرف سے پانچ خانوادوں میں مجاز تھے ، ان میں سے ایک خانوادے میں آپ کو اپنے دادا کی طرف سے اجازت تھی اور چار میں شیخ سالار رومی کی طرف سے ، مجھے آپ نے ان چار خانوادوں میں اجازت مرحمت فرمائی(۲)۔"

پھر آپ نے ان خانوادوں کی حسبِ ذیل تفصیل بالصراحت دی ھے :

(۱) سلسلهٔ کبرویه : (جس کی اجازت سید علی غوّاص کو اپنے دادا کی طرف ملی تھی)

"سید علی غوّاص ترمذی ، سید احمد نور (جو سید علی ترمذی کے دادا تھے) سید یوسف نور (جو سید احمد نور کے والد تھے) محمد نور بخش (جو سید احمد نور کے والد تھے) شیخ ابو اسحاق

---

۱ - "رودِ کوثر" صفحه ۳۶۲ -

۲ - "تذکرۃالابراروالاشرار" صفحه ۱۲۷ -

قتلانی ، شیخ علاءالدولہ ، سید علی ہمدانی ، سید محمود مذدقانی، شیخ بہاءالدین سمنانی ، شیخ علی لالہ ، شیخ نور عبدالرحمان ، شیخ نجم الدین کبریٰ ، شیخ عمّار بن یاسر ، شیخ نجیب الدین سہروردی ، شیخ احمد غزالی ، شیخ ابابکر نساج ، شیخ ابوالقاسم جرجانی ، شیخ ابوعثمان مغربی ، شیخ ابو علی کاتب ، شیخ علی رودباری ، شیخ جنید بغدادی ، شیخ سری سقطی ، شیخ معروف کرخی ، شیخ امام علی رضا ، امام موسیٰ کاظم ، امام جعفر صادق ، امام محمد باقر ، امام زین‌العابدین و امام حسین شہید کربلا ، امیر المومنین علی مرتضیٰ امیرالمومنین عثمان‌رض ذوالنورین ، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین ، سیدالمرسلین ، خاتم‌النبین حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔

وہ چار سلسلے جن کی اجازت حضرت سید علی غوّاص ترمذی کو حضرت سالار رومی کی طرف سے ملی تھی ، وہ یہ ھیں ۔ اس سلسلے سے معلوم ھوتا ھے کہ آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ھے ۔

(۲) سلسلۂ چشتیہ عزیزیہ :

''سید علی غوّاص ترمذی ، شیخ سالار رومی، شیخ بہاءالدین صامت ، شیخ حامد الدین ، شیخ حسام الدین ، شیخ نور قطب عالم، شیخ علاءالدین، عمر اسعد اللہ نوری ، شیخ سراج‌الدین ، شیخ نظام الدین دھلوی ، شیخ فرید گنج شکر ، قطب‌الاقطاب قطب‌الدین‌بختیار اوشی ، شیخ معین الدین حسن سنجر چشتی (۱)

---

۱ - ''سیرالعارفین'' میں خواجہ معین الدین چشتی کا مولد سنجان اور سیرالاقطاب میں اصفہان لکھا ھے۔ ''تاریخ‌فرشتہ'' جلد ۲ ، صفحہ ۳۷۵ میں ھے کہ ''تولد اودر بلدۂسجستان بود'' ۔ ''اکبرنامہ''میں لکھا ھے کہ :

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ عثمان ھارونی ، شیخ حاجی شریف زندنی ، شیخ خواجہ قطب الدین مودود چشتی ، خواجہ ابویوسف چشتی ، خواجہ محمدچشتی ، خواجہ احمد چشتی، خواجہ ابواسحاق شامی چشتی ، خواجہ ممشاد علو دینوری ، خواجہ ابو ھُبیرہ بصری ، خواجہ ابو حذیفہ مرغشی ، خواجہ سلطان ابراھیم ادھم ، خواجہ فُضیل بن عیاض ، خواجہ عبدالواحد بن زید ، خواجہ امام حسن بصری ، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ ، سرورِ کائنات شفیع روزِ جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔"

(۳) سلسلۂ سہروردیہ :

"سید علی غواص ترمذی ، سالارِ رومی ، شیخ نظام الدین مہاجری ، شیخ قطب الدین مہاجری ، شیخ فخرالدین محبوبی ، سید جلال جہانیاں ، شیخ رکن الدین ، شیخ صدر الدین عارف، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی ، شیخ شہاب الدین سہروردی ، شیخ وجیہ الدین عمر سہروردی ، شیخ محمد بن عبداللہ معروف بہ عبودیت سہروردی ، شیخ احمد اسود دینوری ، شیخ جنید بغدادی ، شیخ سری سقطی ، شیخ معروف کرخی ، شیخ داؤد طائی ، شیخ حبیب عجمی ، شیخ امام حسن بصری ،

(بقیہ حاشیہ ، صفحہ ۵۷ سے آگے)

"خواجہ از سیستان است او را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است ۔ "تزکِ جہانگیری" میں ھے کہ مولد آں جناب سیستان است ، ازیں جہت ایشاں را سنجری نویسند کہ معرّب سنگری است ۔ راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ھے ۔ عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ھیں ، جس کی نسبت سجزی ھے ، اس لیے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ھے (فٹ نوٹ بزمِ صوفیہ نمبر۱ صفحہ ۳۵)

امیرالمومنین علی مرتضیٰ رض ، حبیب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم -"

(۴) سلسلہ شطاریہ
اس سلسلے کے متعلق حضرت اخونددرویزا نے لکھا کہ :

"اس سلسلے میں بھی میرے پیر حضرت سید علی غوّاص ترمذی کو حضرت سالار رومی کی طرف سے اجازت حاصل ہوئی تھی - آپ نے اس سلسلے کے اکثر اوراد و اذکار اس فقیر کو تلقین فرمائے تھے ، لیکن اس سلسلے کے شیوخ کے ناموں کا تذکرہ کبھی آپ نے مجھ سے نہیں فرمایا اور میں نے بھی خلافِ ادب سمجھ کر اس سلسلے کے بزرگوں کے نام کبھی آپ سے نہیں پوچھے -

(۵) سلسلہ ناجیہ حلّاجیہ :
یہ حضرت اخونددرویزا کا بیان ہے کہ :

"اس سلسلے کی اجازت بھی میرے شیخ کو حضرت سالار رومی کی طرف سے حاصل ہوئی تھی ، لیکن اس سلسلے میں میرے شیخ نے مجھ کو اجازت سے مشرف نہیں فرمایا (۱)-"

طریقۂ تعلیم
میں اپنے شیخ سے اس طرح تعلیم حاصل کرتا تھا کہ علمِ تصوف کا جو سبق بھی حضرت شیخ سے حاصل کرتا ، ایک ہفتے تک خلوت اختیار کرکے اس پر غور و فکر کرتا اور بے شمار ریاضت کے بعد جو کچھ میں محسوس کرتا اسے اپنے شیخ کے سامنے پیش کرتا ، شیخ مجھے مبارک باد دیتے اور میری تقریروں کو پسند کرتے ، پھر دوسرا سبق دیتے ، اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا ، یہاں تک کہ شیخ نے مجھے اجازت دی -

---

۱ - پانچوں سلسلوں کی یہ تفصیل تذکرۃالابراروالاشرار صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۰ سے ماخوذ ہے -

رشد و ہدایت کے لیے شیخ کا حکم :

اجازت دینے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ سالک کو سلوک میں بہتر ممانعات اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہیں ، جن کے ذریعے سے اس کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے ۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالک کو تمام ملک و ملکوت میں شہرت بخشتا ہے اور عوام و خواص کی توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے ۔ اگر اس منزل میں سالک عوام پر قانع ہوگیا اور لوگوں سے ملنے ملانے میں اصل مقصد کو بھول گیا ، تو وہ اصل مقصد سے دور ہو کر اسی چکر میں مبتلا رہے گا اور اگر وہ اس منزل میں لوگوں سے نہ ملا ، بلکہ ان سے بھاگا تو پھر دوسری ممانعت پیش آتی ہے اور وہ کشف و کرامات ہیں ۔ اگر وہ کشف و کرامات کے چکر میں پڑ گیا تو وہ دوستی کے قابل نہیں اور اگر وہ اس منزل سے بھی صحیح و سلامت گزر گیا اور اس نے کشف و کرامت کی طرف توجہ نہ کی اور دوسری ممانعات سے بھی گزر گیا اور لقائے دوست کے سوا اس نے اپنا کوئی مقصد نہ قرار دیا ، وہ اس وقت ولایت اور دوستی کے لائق ہوگا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھے گا اور عالم میں برگزیدہ کرے گا ۔

پہلے مرید :

چنانچہ شیخ کے حسبِ ارشاد میں نے دیکھا کہ عوام و خواص کی توجہ میری طرف ہوئی، جیسا کہ حاجی سیف اللہ گگیانی ، اور ملک گدائی خاں گگیانی، جنھیں ہمایوں اپنے ہمراہ پشاور سے ہندوستان لے گیا تھا ، میرے مرید ہوئے اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ طریقت کی جستجو میں میرے گرد چکر لگانے لگے ۔ اس وقت میں نے پیر دستگیر حضرت شیخ مخدومی سالار رومی سے التماس کی کہ مجھے لوگوں کے اجتماع سے چھٹکارا دلایے۔

کوہستان میں جانے کا حکم :

حضرت سالارِ رومی نے مجھے ہدایت کی کہ میں پہاڑی علاقے کی طرف جاؤں ، چناں چہ میں نے شیخ کے ارشاد کی بنا پر کشمیر جانے کا اردہ کیا ، اور راستے میں علاقۂ گجرات کے موضع داؤدپنڈ میں مقیم ہوا ۔ وہاں

ایک شخص کیلاس نامی نے جو اسی موضع کا رہنے والا تھا، ملا۔ اس نے مجھے دیکھ کر تمام موضع میں شور بلند کیا کہ میں نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا، اس کی ساری علامتیں اس شخص میں پائی جاتی ہیں، اور یقیناً یہ وہی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اسے پیر کہیں اور اس کے مرید ہوں۔، یہ ہم کو شریعت کے طریقے پر چلائے گا۔ میں نے متعجب ہو کر اس سے کہا کہ اگر واقعی تو نے کوئی خواب دیکھا تھا تو اس سے پہلے اگر یہ خواب تو نے کسی سے بیان کیا ہو تو اس پر گواہ لا۔ وہ بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لایا اور ان سب نے بیان کیا کہ بے شک اس نے ہم سے اپنا خواب بیان کیا تھا اور وہ تمام علامتیں جو آپ میں پائی جاتی ہیں، اس نے وہ بھی ہم سے بیان کی تھیں، یہاں تک کہ جو آپ کی پیشانی پر تل ہے، اس نے ہم کو وہ بھی بتلایاتھا۔ اس نے ہم سے کہا تھا کہ ایک ایسا شخص کہیں باہر سے ہمارے ہاں آئے گا اسے ہمیں اپنا پیر اور پیشوا ماننا چاہیے۔ میں نے اس وقت وہاں کے لوگوں کو بیعت کیا، اور ایک مدت تک اس موضع میں مقیم رہا۔

والد سے دوبارہ ملاقات:

اس زمانے میں کہ ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ(۱) سے شکست کھائی اور اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ کابل کا رخ کیا، اسی موضع میں مجھے اپنے والد

---

۱ - شیر شاہ سوری کا نام فرید خاں تھا۔ وہ بہلول لودھی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ جب ہمایوں گجرات میں بہادر شاہ سے لڑ رہا تھا، اس نے پہلے بہار پر قبضہ کیا، پھر بنگال پر حملہ آور ہوا۔ ہمایوں اس کے مقابلے کے لیے بنگال پہنچا تو شیر شاہ بہار کے قلعے رہتاس گڑھ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ ۹۴۶ھ(۱۵۳۹ء) میں جب وہ بنگال سے واپس ہوا تو شیر شاہ نے قلعہ رہتاس سے نکل کر بکسر کے متصل چونسے کے مقام پر ہمایوں کا مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں ہمایوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی جان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشفق کے ساتھ ملاقات کا دوبارہ اتفاق ھوا - انھوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا ، اور مشفقانہ انداز میں کہا کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا ، لیکن تم نے اپنے آبا واجداد کے طریقے کو اختیار کیا ، اور خدا کا شکر ھے کہ تم اس بلند مرتبے پر فائز ھوئے - پھر دو تھیلیاں ، جن میں سے ایک میں سونا اور دوسری میں چاندی تھی ، میرے سامنے رکھیں ، اور مجھ سے فرمایا کہ اے میرے عزیز بیٹے ! یہ تمھاری نذرھیں ، امید ھے کہ تم انھیں درویشوں پر صرف کروگے - اس کے بعد ھم ایک دوسرے سے جدا ھوگئے -

اجمیر کو واپسی :

حضرت سید علی کے صاحبزادے کی روایت ھے کہ اس زمانے میں جب کہ والد محترم حضرت شرف الدین پانی پتی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ھوئے ، اور ایک عجیب کیفیت آپ میں پیدا ھوئی ، تو آپ نے اپنے گھوڑے اور ھتھیاروں کو ایک بنیے کے سپرد کیا تھا کہ وہ یہ سامان آپ کے والد تک پہنچا دے ، لیکن اس کے بعد آپ کی ملاقات اپنے والد سے نہ ھوئی تھی - میرے والد کا بیان ھے کہ اسی زمانے میں میرے دل میں خواھش پیدا ھوئی کہ کسی طرح میں حضرت شیخ سالار رومی کی خدمت میں پہنچوں ، اور اپنے آپ کو اس پیری مریدی کے جھگڑے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹ سے آگے)

بچانے کے لیے بے تحاشا دریائے گنگا میں کود پڑا - نظام سقّے نے اسے اپنی مشک پر بٹھا کر دریا کے پار کیا - ھمایوں نے دوبارہ قوت جمع کرکے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی - ۱۵۴۰ع (۹۴۷ھ) میں قنوج کے متصل بلگرام پر شیر شاہ سے اس کی دوسری مڈبھیڑ ھوئی - یہاں بھی اس نے ایسی شکست فاش کھائی کہ اسے پندرہ سال تک جلا وطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی ، اور ۱۵۴۰ع (۹۴۷ھ) میں شیر شاہ سوری آگرہ پہنچ کر ھندوستان کا بادشاہ بن گیا - (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوھی اور ان کی تعلیمات -ص ۲۹۴)

آزاد کروں - چناں چہ میں اس ارادے سے روانہ ہو گیا - میں کئی روز تک سفر کرتا رہا ، یہاں تک کہ مجھے راستے میں شیرشاہ کے چند سوار ملے جو ہمایوں کا تعاقب کر رہے تھے - چونکہ میں فارسی بولتا تھا اور افغانوں میں عصبیت اس قدر غالب ہے کہ جو شخص فارسی میں گفتگو کرتا ہے ، اسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں وہ میرے قتل کی سوچنے لگے ، اور میں بھی تقدیر الٰہی پر راضی ہو گیا - میں خاموش رہا ، یہاں تک کہ انہوں نے پوچھا کہ تمھارے پاس کچھ مال بھی ہے ؟ میں نے کہا کہ سونے اور چاندی کی دو تھیلیاں ہیں - پھر میں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو دے دے - اس نے وہ تھیلیاں ان کو دے دیں - پھر ہم نے اپنی راہ لی ، لیکن تقدیر میرے ارادے پر ہنس رہی تھی ، کیونکہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ سالار رومی وفات پا چکے تھے -

خرقۂ خلافت اور شیخ سالار رومی کے صاحبزادے کی ہدایت :

جب میں شیخ سالار رومی کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حسین مراقبے میں سر بگریباں ہیں - میرے آنے کی اطلاع پاکر سر مراقبے سے اٹھایا ، اور فاتحہ و استغفار پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اے سید علی ! میں نے اسی وقت ، اسی جگہ ، اسی مراقبے اور مشاہدے میں اپنے والد محترم اور اپنے پیر کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ بیٹا ! میرے دو خرقے باقی ہیں ، ایک کو پھاڑ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے میرے مریدین اور معتقدین میں تقسیم کردو ، اور دوسرے خرقے کو ایک آنے والے کو جسے تم اس حال میں پاؤ ، اس کو دو کہ حق اس کی جانب ہے - لہذا میں اس حال کے مطابق تمھیں پاتا ہوں - یہ فرما کر انہوں نے دونوں خرقے طلب کیے ، اور ایک خرقے پر جس پر پہلے ہی سے میرا نام لکھا ہوا تھا ، مجھ کو پہنایا - خدا کی عجیب حکمت تھی کہ میں قید پیری سے چھٹکارا حاصل کرنے آیا تھا ، اور یہاں آ کر اور قید بڑھ گئی - چند روز کے بعد صاحبزادے صاحب نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے تم کو کوھستان میں رہنے کے

لیے حکم دیا تھا ۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ کسی پہاڑی علاقے میں جسے تم مناسب سمجھو سکونت اختیار کرو ، یا اپنے وطن چلے جاؤ کہ اس کا تعلق بھی پہاڑی علاقے سے ہے ۔

پشاور میں تشریف آوری :

چناں چہ میں مخدوم زادے کے ارشاد پر اپنے وطن کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جب شہر پشاور میں پہنچا تو میرے معتقدین و مخلصین میں حاجی سیف اللہ و ملک گدائی نے جو گگیانی ملکوں میں سے تھے اصرار کیا ، اور کہا کہ ہمارا وطن قریب ہے ، کچھ روز وہاں قیام فرمایے تا کہ ہمارے اہل و عیال ، متعلقین اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوں ، اور بدعت اور مخالفِ شریعت طریقوں سے مجتنب ہوں ۔ ان کے اصرار پر میں راضی ہوگیا ، اور میں نے ان کے وطن دوآبہ کی طرف رخ کیا ، اور ان کے شہر میں مقیم ہو گیا ۔ اس شہر کے عوام و خواص میری طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعضوں نے مجھ سے طریقت اور شریعت میں استفادہ کیا ، اور بعض میری مجلسوں میں شریک ہو کر وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتے رہے ، لیکن اس کے بعد پھر ممنوعات کے مرتکب ہوئے ، اس لیے کہ اکثر افغانوں کی بلکہ تمام افغانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو پسند کرتے ہیں ، خواہ وہ باتیں خیر ہوں یا شر ۔ اپنے جہل کی وجہ سے وہ خیر پر بہت کم عمل کرتے ہیں ، بلکہ اکثر افغان خیر کی باتوں سے بھاگنے والے اور شر کی باتوں کے سننے کے متجسس ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف اور مواعظ و نصائح کے فرائض ان میں ادا کرنا دشوار ہے ۔

یوسف زئی علاقے میں دو پیرانِ ملحد

دوآبے میں ایک سال کی اقامت کے بعد ، میں نے چاہا کہ اپنے وطن روانہ ہو جاؤں ، لیکن گگیانی قبیلے کے بعض محب اور مخلص مانع ہوئے ، اور انھوں نے مجھے روکنے کے سلسلے میں کہا کہ علاقۂ یوسف زئی میں دو ملحد ، سرکش اور شریعتِ محمدیہ کے مخالف مشہور ہیں ؛ ایک ان میں سے پیر طیّب نامی ہے ، جو خلجی افغانوں سے تعلق رکھتا ہے ، دوسرے

کو پیر ولی کہتے ہیں جو بڑیچی افغانوں میں سے ہے ، ان دونوں کی وجہ سے لوگ شریعتِ محمدیہ سے رو گردانی اختیار کر رہے ہیں ۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گانا بجانا سنتے ہیں ، اور اس کو مباح جانتے ہیں ۔ عورتوں ، مردوں، چھوٹوں اور بڑوں کواپنے گرد جمع کرتے ہیں اور ان سے واہی باتیں جو حدودِ شریعت سے باہر ہیں ، کہتے ہیں ، یہاں تک کہ پیر ولی اپنے آپ کو خدا کہتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اس علاقے کی طرف توجہ کریں ، تاکہ وہاں کے لوگ کفر و ضلالت سے نجات پائیں ۔ میں نے اس علاقے کی گمراهیوں کو سن کر اس علاقے کی طرف توجہ کرنا اپنا فرض سمجھا ۔

سُدم میں تشریف آوری :

دوآبے سے روانہ ہوکر میں علاقۂ یوسف زئی کے موضع سدم میں مقیم ہوا ۔ افغانوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ کوئی نئی آواز سنتے ہیں ، اور کوئی نیا عالم یا شیخ یا صالح و عابد ان کے درمیان آتا ہے تو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں ، اور جماعتوں کی جماعتیں اس کی زیارت کے لیے آتی ہیں تاکہ اس کی باتیں سنیں ، کیونکہ افغانوں کو صرف باتیں سننے اور جمع ہونے سے دلچسپی ہے ، اور عمل کرنے سے ان کا تعلق نہیں ۔ اپنے غلبۂ جہل کی وجہ سے وہ اہلِ حق اور اہلِ باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ انہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نیا آنے والا اہلِ حق سے ہے یا اہلِ باطل سے ، مگر ان میں بعض دانا اور عقلمند ایسے بھی ہیں کہ اہلِ حق کو اہلِ باطل سے پہچان لیتے ہیں ۔ چنانچہ جب میں ان کے علاقے میں پہنچا ، تو اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہونے لگے ، اور وعظ و نصیحت سننے لگے ۔ میں ان کے سامنے اہلِ ہوا و بدعت کی برائیوں کو ظاہر کرکے ان سے دور رہنے اور شریعت پر عمل کرنے کی ان کو تلقین کرتا تھا ۔ چونکہ یہ لوگ طالبِ دین اور حق کے متلاشی تھے ، میری تقریروں نے ان کے دلوں پر اثر کیا ، اور وہ اہلِ ہوا و بدعت سے مجتنب اور محترز ہوگئے ۔

دونوں پیروں سے مقابلہ

پھر مجھے خیال ہوا کہ ان دونوں سرکش پیروں سے مل کر مذہب سنت و جماعت کے حق ہونے میں اور اہل ہوا و بدعت کی تردید میں گفتگو کرنی چاہیے ، تاکہ عوام واقف ہو جائیں کہ یہ دونوں کے دونوں باطل پر ہیں - لیکن پیرطیب نے ، جو نواحِ ہندوستان کا رہنے والا تھا ، جب میرے آنے کی خبر سنی ، تو بھاگ کر ہزارہ چلا گیا ، اور پیر ولی نے بھی ملنے سے گریز کیا ، اور اس طرح وہاں کے عوام و خواص نے محسوس کیا کہ یہ دونوں باطل پر ہیں -

ازدواج :

پھر وہاں کے لوگوں نے مجھ سے نہایت الحاح و زاری سے خواہش کی کہ ایک سال میں ان کے حدود میں سکونت اختیار کروں ، تاکہ عوام پیر طیب کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے گمراہ نہ ہوں - عوام کے اصرار پر میں اس پر راضی ہوگیا - افغانوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی عالم یا صالح جو ان کے قوم اور قبیلے سے نہ ہو ، ان میں آ جاتا ہے ، تو اس قبیلے یا قوم کا سردار اپنی بہن یا لڑکی مہر موجل کے ساتھ اس کے نکاح میں لاتا ہے ، تاکہ اس طرح سے وہ شخص ان کے شہر میں رہے ، اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہیں - اس بنا پر ملک دولت ملی زئی نے جو قبیلۂ بارک زئی سے تھا ، اپنی بہن بی بی مریم سے میرا نکاح کر دیا - اگرچہ میں نکاح کے علائق میں پڑنا نہ چاہتا تھا ، لیکن کسی مسلمان کے دل کو رنجیدہ کرنا ، مجھے مروت کے خلاف معلوم ہوا ، اور میں نے شادی کرلی - اس وقت میں سمجھا کہ میرے پیر کا اشارا اسی کوہستان کی طرف تھا ، یہیں میرے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں -

والدین کی خدمت میں حاضری اور علاقہ یوسف زئی میں سکونت :

کچھ زمانے کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے - میں اپنے وطن قندس پہنچا ، لیکن میرے والد انتقال فرما چکے تھے ، اور میری والدہ حیات تھیں - ان کی زیارت سے مشرف ہوا ، اور میں نے ان سے اپنی شادی کا حال بیان کیا - میں

نے چند دن وهاں قیام کیا - جب میں رخصت هونے لگا تو میری والده نے مجھے از راہ شفقت بہت سا سامان دے کر کہا کہ اے بیٹے ! اگر ممکن هو تو اپنی بیوی بچوں کو بھی لانا ، ورنہ میں نے تمھیں حق مادری بخش دیا تم وهیں رهنا - اس کے بعد میں اپنی والدۂ محترمہ کے حکم کے مطابق مستقل طور پر علاقہ یوسف زئی میں مقیم هوگیا -

پیر تاریک و پیر جہال کی گمراهیاں :

اور میں نے ان قبائل کو راہ حق پر اور دین حق پر مستقیم کر دیا - لیکن جب پیر تاریک (۱) اورجہال دین کلال (۲) کا ظہور هوا، اور ان کی وجہ سے ان قبائل میں افتراق پیدا هوا ، تو اس وقت ان میں سے بعض میری دعوت پر راہ محمدی پر ثابت قدم رهے ، اور بعض ان دونوں گمراهوں کی وجہ سے گمراہ هوگئے - اسی وجہ سے یہ لوگ اکبر بادشاہ کے قہر و غضب میں گرفتار هوئے(۳) ، کیونکہ حدیث میں رسول اکرم کا ارشاد هے کہ جس ملک میں گمراهیاں عام هوتی هیں - اس ملک کو اللہ تعالیٰ ظالم بادشاہ کے عذاب میں گرفتار کرتا هے -

---

(۱) پیر تاریک سے حضرت سید علی کی مراد میاں بایزید سے هے، جو تحریک روشنائی کے بانی تھے ، اور جو پیر روشان کہلاتے تھے اور جن کو ان کی مخالفت میں یہ خطاب حضرت سید علی کے مرید اخوند درویزا کے استاد ملا زنگی ساکن پابینی نے دیا تھا (تذکرۃالابرار والا شرارصفحہ ۱۵۲) -

(۲) یوسف زئے میں هے کہ اس کا اصل نام جلال ولد سید هے جو قبیلۂ امان زئی کا ایک مشہور فرد تھا ، اور کلال کا لفظ تذلیل کے لیے استعمال هوا هے - (فٹ نوٹ یوسف زئے پٹھان نمبر ۱ صفحہ ۲۷۶)

(۳) حضرت سید علی کا جس قہر و غضب کی طرف اشارہ هے وہ ان لڑائیوں کے متعلق هے جو اکبر کے عہد میں حضرت پیر بابا کے رفقا اور مغل حکمرانوں نے مل کر میاں بایزید

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحریک روشنائی کی مخالفت :

(تحریک روشنائی کو ہم تفصیل سے میاں بایزید کے حالات میں لکھیں گے) ۔اس تحریک کی سب سے زیادہ مخالفت حضرت سید علی ترمذی اور ان کے خلیفہ حضرت اخوند درویزا نے کی ۔ بایزید جو اس تحریک کے بانی تھے اور پیر روشان کے نام سے پکارے جاتے تھے، ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کی وجہ سے پیر تاریک کے نام سے پکارے جانے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت سید علی ترمذی نے ان کو ملعون بھی کہا ۔ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو میاں بایزید کے خلاف اس قدر غم و غصہ کیوں تھا ؟ ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کے وجوہ اور علل و اسباب کیا تھے ؟ جو الزامات بایزید پر لگائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ہمیں حضرت اخوند درویزا کی کتابوں میں ملتے ہیں ، جن کی بنا پر وہ ان دونوں بزرگوں کی نظر میں ملحد و زندیق قرار پائے ۔ ان میں سے پہلا الزام یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کہتا تھا چناں‌چہ حضرت اخوند درویزا نے ان کے کفر اول کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

کفرِ اول این متمرد آں کہ کل اشیائے موجود را خدا میگفتند ، ومخلوقاتِ صوری را ذاتِ خدا می‌دانستند(۱)	اول کفر اس متمرد(بایزید) کا یہ تھا کہ وہ کل اشیائے موجودہ کو خدا کہتا تھا ، اور مخلوقاتِ صوری کو ذاتِ خدا جانتا تھا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵ سے آگے)

اور ان کے رفقاء سے ہشت نگر میں لڑی تھیں ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کابل کے مغل صوبہ‌دار محسن‌خاں نے حضرت سیدعلی ترمذی اور حضرت اخونددرویزا کی مدد سے ۹۷۰ھ(۱۵۶۲ء) سے ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) تک کامل دس سال میاں بایزید اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا ، یہاں تک کہ آخری جنگ میں بایزیدگرفتار ہوئے ، اور انھیں کابل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ۔ (دیباچہ صراط التوحید تصنیف میاں بایزیدصفحہ ۴)

۱ ۔ تذکرۃ الابراروالاشرار ۔ ص ۱۳۱ ۔

دوسرا الزام جو ان پر حضرت اخوند درویزا لگا تے ھیں ، وہ بایزید کا بعث سے انکار ھے ، چناں‌چہ وہ اپنی کتاب تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھتے ھیں کہ

وایں ملعون پیر تاریک منکر بعث بودہ و اتباع خود رامیفرمود(۱)	اور یہ معلون پیر تاریک (پیر بایزید) بعث کا منکر تھا ، اور اپنے متبعین کو اس کی تلقین کرتا تھا ۔

تیسرا الزام ان پر یہ ھے کہ وہ نامحرم عورتوں کو مرید کرتے تھے ، انھیں تنہا اپنے ساتھ بٹھاتے تھے ، اور عورتوں کو اپنی خلافت دیتے تھے ، اور انھیں آراستہ کر کے اپنے طریقے کی تبلیغ کے لیے شہر بشہر پھراتے تھے۔ چناں چہ حضرت اخوند درویزا لکھتے ھیں

شخصے کہ بازنانِ بیگانگاں تنہا در خلوت نشیند ، و زنان راخلیفہ سازد و صاحبِ دعوت نمودہ شہر بہ شہر بانواع حلیہ آراستہ بگرداند ، بقصد آنکہ جمیع لونداں و شہوت پرستان محض از برائے شہوت تبعیت او خواھد گرفت ، پس ایں مردم چرا ضلالت او بزودی زود نمی در یابند	جو آدمی کہ دوسروں کی عورتوں کے ساتھ تنہا خلوت میں بیٹھتا ھو ، اور عورتوں کو اپنا خلیفہ بناتا ھو ، اوران کو اپنا صاحبِ دعوۃ بنا کر قسم قسم کے زیورات سے آراستہ کر کے شہر بہ شہر بھیجتا ھو ، اس ارادے سے کہ تمام لفنگے اور شہوت پرست محض شہوت کی وجہ سے اس کا اتباع کریں ، پس یہ لوگ اس کی گمراھی میں کیوں نہیں آئیں گے ۔

حضرت اخوند درویزا کا ایک الزام ان پر یہ بھی ھے کہ بایزید نے جو کتاب خیرالبیان کے نام سے لکھی ھے ، وہ کفروالحاد سے بھرپور

---

۱ - تذکرۃ الابرار والاشرار- ص ۱۴۹ -

۲ - ایضاً ص ۱۴۸

اور افترا و فساد پر مشتمل ہے فقیر س کو شرالبیان کے نام سے موسوم کرتا ہے ، بلکہ انھوں نے ایک اور قدم آگے بڑھ کر فرمایا کہ اگر اسے خرالبیان کہیں تو مناسب ہے -

ایک اور الزام جو اخوند درویزا نے ان پر عائد کیا ہے ، وہ عقیدۂ تناسخ کا ہے - ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ

این ملعون بر عقیدۂ مذہبِ تناسخ رفته بود - و اتباع خویش رابریں مضمون دعوت مینموده که بعد از مردن حیوانات این اشخاص صوری منتفی و نابود خواهد گشت ، وارواح در صورت دیگر از صورتہا حیوانیه خواهد در آمد ، نعوذبالله من کفر هم(۱) -	یه ملعون (بایزید) عقیدۂ تناسخ کا قائل تھا اور اپنے پیرووں کو اس مضمون کی دعوت دیتا تھا کہ حیوانات کے مرنے کے بعد وجودِ صوری نیست و نابود ہوجائے گا لیکن روحیں دوسرے حیوانوں کی صورت میں آئیں گی -

یہ اور اس قسم کے بہت سے اعتراضات حضرت سید علی اور ان کے مرید حضرت اخوند درویزا کے بایزید پر ہیں -

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم ان الزامات اور اعتراضات پر غور کرتے ہیں تو ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت ہمیں سوائے ان دو حضرات کے بیان کے اور کوئی نہیں ملتا - بعض ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر میاں بایزید کو کافر ، ملعون اور ملحد ٹھیرانا ہماری رائے میں ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہو گی -

سب سے پہلا کفرجو حضرت اخوند درویزا نے میاں بایزید کا بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کہتے تھے - یہ اصل میں وحدت الوجود کی صورت ہے ، جس کو اکابر صوفیا مانتے تھے - کہاجاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے وحدت الوجود کو فلسفے کی صورت بخشی وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ ھ) تھے - نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ

۱- تذکرۃ الابرار والا شرارص۱۵۰ ، ۱۵۱ -

ہندوستان میں تصوف کے جو سلسلے رائج تھے وہ ایران و عراق سے یہاں آئے تھے - سلسلۂ قادریۂ ، سلسلۂ سہروردیہ اور سلسلۂ چشتیہ ان تینوں سلسلوں کے صوفیائے اکرام پر وحدت الوجود کا اثر غالب تھا ، یہاں تک کہ عارف رومی بھی وحدت الوجود کے قائل ھیں - وہ حیات و کائنات کی کثرت کو مجازی اور اعتباری اور وحدتِ مطلقہ کو حقیقی سمجھتے ھیں - جو شخص کثرت یا دوئی کو حقیقی سمجھتا ھے ، عارف رومی اس کو بھینگے سے تعبیر کرتے ھیں کہ وہ اپنی آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے ایک ھی شے کو دو دیکھتا ھے ، حالانکہ حقیقتاً شے ایک ھی ھوتی ھے - جب اکابر صوفیہ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ھیں تو میاں بایزید پر قدغن لگانا اور باقیوں سے صرفِ نظر کرنا ، کہاں تک قرینِ قیاس ھے -

دوسرا الزام ان پر انکار بعث ھے - حضرت اخوند درویزا نے صراحت سے لکھا ھے کہ بایزید اپنے متبعین کو کہتا تھا کہ اسی اپنی موجودہ صورت کی نعمت پروری کے ساتھ حفاظت کرو ، چاھے تمھیں اس کی حفاظت حلال یا حرام ھی سے کرنی پڑے ، کیونکہ اس صورت کے معدوم ھونے کے بعد تمھیں کوئی اندوہ و غم نہ ھو گا ، نہ حشر ھوگا ، نہ نشر اور نہ میدانِ قیامت ، قیامت کی روایتیں صحیح نہیں ھیں - نعوذباللہ من الکفر القبیح(۱) -

انکارِ بعث یقیناً کفر ھے کہ بایزید کی تصانیف میں ابھی تک ایک کتاب کا پتہ چل سکا ھے اور وہ صراط التوحید ھے(۲) - ان کا یہ رسالہ اس وقت ھمارے سامنے ھے ، جس میں انھوں نے مقاماتِ سلوک اور طالبان کو بعض نصیحتیں کی ھیں - اسی رسالے میں وہ راہِ حق کے راھی اور طالبِ سلوک کو نصیحت کرتے ھوئے کہتے ھیں :

---

۱ - تذکرۃ الابرار والا شرار ، ص ۱۴۷ -

۲ - صراط التوحید - تصنیف بایزید انصاری - صفحہ ۳۸

ویذکر عذاب والراحةالحق کما	اور یاد کرو حق کے عذاب و راحت
عذاب السکرات والقبروالحسنات	کو جیسا کہ سکرات کا عذاب ، قبر
و الکتاب و المیزان والصراط و	کا عذاب اور حسنات کو اور کتاب
القیامة و المیزان او عذاب الاخریٰ	کو اور میزان کو اور صراط کو
	اور قیامت کو اور دوزخ کو اور
	دوسرے عذابوں کو ۔

ان نصائح کے بعد ہمارے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم بایزید کو منکرِ بعث سمجھیں ۔ رہا یہ الزام کہ وہ عورتوں کو مرید کرتے تھے اور ان کو خلافت دیتے تھے ، ہماری رائے میں یہ الزام ایسا نہیں جس کی بنا پر انھیں ملحد ، زندیق اور ملعون کہا جا سکے ۔ بلاشبہ یہ ان کی کمزوری تھی ، لیکن یہ کمزوری ایسی نہیں کہ جس سے ان کی تمام خوبیوں سے صرفِ نظر کرکے انھیں الحاد و کفر تک پہنچا دیا جائے ۔

رہا یہ الزام کہ بایزید تناسخ کے قائل تھے ، اس کا ثبوت بھی ہمیں ان کی تحریروں سے نہیں ملتا ۔ ہم ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کو شدّتِ غلو پر محمول کرتے ہیں ۔ ان دونوں بزرگوں کی مخالفت نے بایزید کی تاریخ کو اور اس کی تحریک کو اس قدر تاریک بنا دیا ہے کہ بایزید کے صحیح سیرت و کردار تک پہنچنا اور ان کی تحریک کو صحیح طور پر سمجھنا ایک تذکرہ نگار اور مؤرخ کے لیے بہت مشکل ہوگیا ہے ۔ شاید اسی وجہ سے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو لکھنا پڑا کہ

"اخوند درویزا کے بیانات کو بہت ہی احتیاط سے پڑھنا چاہیے کہ وہ بایزید کی تعلیمات کا عقیدۃً مخالف تھا ۔"

پاجا کلے (بونیر) میں قیام

صاحبِ یوسف زئے پٹھان کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سید علی ترمذی پاجا کلے (بونیر)[1] میں مقیم ہوگئے ، اور یہیں وہ "پیربابا"

---

۱ ۔ علاقۂ بنیر سرحدِ پاکستان پر واقع ہے ۔ اس کے شمال میں
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے نام سے مشہور ہوئے ، یہاں ان کے مریدوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ، اور انھوں نے لنگر جاری کیا ۔

وفات :

اور اسی جگہ ۹۹۱ھ(۱۵۸۳ء) میں آپ نے وفات پائی ، اور یہیں آپ کا مزارِ پرانوار آج بھی مرجع خاص و عام ہے ۔ یہ مزار درۂ کڑاکڑ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے واقع ہے جو بونیر اور سوات میں حدِ فاصل کا کام دیتی ہے ۔ مزار کے شمال کی طرف ایک اور درہ ہے ، جس سے گزر کر زائرین بہ آسانی سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف تک جا پہنچتے ہیں ۔ اس مزار کا محلِ وقوع بہت خوب صورت ہے ۔ اس کی پشت پر ایلم اور دوسرا کی پہاڑی چوٹیاں اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں ۔

اولاد :

آپ کے دو صاحبزادے سید عبداللہ اور سید قاسم اور تین صاحبزادیاں سیدہ رحیمہ ، سیدہ کریمہ ، اور سیدہ زینبہ بیان کی جاتی ہیں (۱) ۔

حضرت سید علی ترمذی کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور خاندان کو بھی روحانی اور سیاسی اقتدار حاصل رہا ، اور سوات کے دورِ جدید میں انھیں کی اولاد سے سید اکبر شاہ اور سید عبدالجبار کو سوات کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا ۔

خلفاء :

حضرت سید علی ترمذی کے خلفاء میں حضرت اخوند درویزا نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی ۔

(بقیہ حاشیہ ۸۰ صفحہ سے آگے)

کوهستان سوات ہے ، مغرب میں علاقۂ سوات اور سمہ رانی زئی ، جنوب میں چند دوسرے قبائل ، اور مشرق میں اس کی سرحدیں ضلع ہزارہ سے جا ملتی ہیں ۔ بدھ مت کے دورِ حکومت میں بنیر کی بہت سی آبادیاں یاترا کے لیے مشہور تھیں ۔ (یوسف زئے پٹھان صفحہ ۲۱۴)

۱ ۔ حضرت سید علی کے بنیر کے قیام ، وفات اور اولاد کی تفصیل یوسف زئے پٹھان ، صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۷ سے ماخوذ ہے ۔

(۴)

پیر بایزید انصاری

پیر روشان یا پیر تاریک

حالات :

مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کی تاریخِ صوفیاء میں پیر بایزید انصاری کی شخصیت ایک عجیب و غریب شخصیت ھے ۔ ان کے معتقدین نے ان کو پیر روشان کا خطاب دیا ، ان کے مخالفین نے ان کو پیر تاریک کے نام سے موسوم کیا ، لیکن وہ اپنے مخالفین کی طاقت و قوت اور ملامتوں سے بے نیاز ھوکر اپنی وضع پر قائم رھے اور اپنی تحریک کو آگے بڑھاتے رھے ۔ یہ تحریک آگے چل کر تاریخ میں تحریکِ روشنائیہ کے نام سے موسوم ھوئی ۔

نام و نسب ، خاندان :

تحریکِ روشنائی کے بانی کا نام بایزید تھا ، وہ نسلاً پٹھان اور قبیلۂ اُڑمڑ سے تعلق رکھتے تھے ، اور ان کا خاندان انصاری کہلاتا تھا ۔ اسی بنا پر ان کو بعض لوگ پٹھان تصور نہیں کرتے ۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ھے کہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ انصاری کو اس لیے نسبت دی تھی ، تاکہ ان کی تحریک کو جو مذھب کے نام سے شروع کی گئی تھی انصارِ مدینہ کی نسبت کی وجہ سے حسنِ قبول حاصل ھو ۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ھے کہ اُڑمڑ قبیلے کی ایک شاخ انصاری کے نام سے مشہور تھی ، اور یہ اسی شاخ میں سے تھے ۔ ان کا تخلص مسکین تھا ۔ ان کے والد کا نام قاضی عبداللہ تھا جو شیخ سراج الدین کی اولاد میں تھے ، ان کی والدہ کا نام بیبن تھا ، جو محمد امین کی صاحبزادی تھیں ۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے "تذکرۃالانصار" کے حوالے سے بایزید کا شجرۂ نسب اس طرح درج کیا ھے :

بایزید ثانی بن عبداللہ بن محمد شیخ بایزید مشتہر بابا شہباز جالندھری(۱)

پیدائش

پیربابزید ۹۳۲ھ(۱۵۲۵ء) میں پیدا ھوئے، ان کی ولادت کے کچھ دن بعد ان کے والدین کانی گرم خطہ(جنوبی وزیرستان)میں آکر سکونت پزیرھوگئے(۲)

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اورینٹل کالج میگزین لاھور فروری ۱۹۵۵ء میں "تذکرۃالانصار" کے حوالے سے ان کی ولادت جالندھر میں بتائی ھے(۳)

بچپن :

طفلی ھی سے پیر بایزید نیکی اور تقویٰ کی طرف مائل تھے ۔ ان کے والد کا خیال تھا کہ وہ اپنے اس ھونہار فرزند کو علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد قاضی بنائیں ، لیکن ان کے صاحبزادے کا رجحان کچھ اور ھی تھا ۔ ابھی انھوں نے مُلاّ پائندہ اور اپنے بھائی یعقوب(۴) اور مُلاّ سیلمان کالنجری سے کچھ ابتدائی تعلیم حاصل ھی کی تھی کہ ان پر روحانیت کا غلبہ ھوا اور وہ مرشد کامل کی جستجو میں سرگرداں رھنے لگے ۔ خود وہ اس

---

(۱) شجرۂ نسب رسالہ اورنٹیل کالج میگزین لاھور ماہ فروری ۱۹۵۵ء مضمون ڈاکٹر محمد جہانگیر بعنوان شیخ العالم میاں شیخ درویش صفحہ ۵۶ سے ماخوذ ھے ۔ یہ شجرہ ھم آئندہ صفحے پر علاحدہ دے رھے ھیں ۔

(۲) دیباچہ صراط التوحید ۔

(۳) اورینٹل کالج میگزین ماہ فروری ۱۹۵۵ صفحہ ۵۶

(۴) اپنے اخیافی بھائی یقوب سے تعلیم پانے کا تذکرہ حالنامہ کے صفحہ ۲/۱۱۱ پر ھے ۔ خود عبداللہ نے اپنے بھتیجے محمد کو جو بایزید کا مرید ھوگیا تھا ، اس کی تبلیغ پر کہا کہ حضور مایاں آمدئی این چنیں سخن بیان کنی زیرا کہ من بجائے قبلۂ اویم و یعقوب برادر کلاں و استاد ویست ، لائق نیست پدر و استاد متابعت پسر و شاگرد کنند(حالنامہ مائیکروفلم صفحہ ۱۱۱)

عروف به پیر روشان متعلقه (صفحه ۸۴)
ابراهیم دانشمند
شیخ لال
شیخ یوسف
شیخ احمد
اسماعیل
خ محمود
شیخ بایزید مشتهر بابا شهباز
زوجه اول
محمد شفیع
زوجه دختر زیدآقا
عبدالرحیم
دختر
شیخ عبدالله ابدال دنگ
عبدالله
عبدالرحمان
دختر
زوجه‌رحیم‌داد
بن‌اله‌داد
شیخ احمد غوث
شیخ الاکرم
ابابکر
ندهری زوجه
یزیدمسکین
پیرروشان
سرحدی زوجه
ایوب
محمد شیخ
زوجه دوم
دین
جلال‌الدین
شیخ دولت
محمد علی
شیخ سلطان
دختر
زوجه میان شیخ درویش
ابراهیم
کریم‌داد
اله داد
نواب رشید خان
دختر
زوجه
احداد
نواب‌هادی‌داد خان
دختر
زوجه‌پیرداد
محمد شیخ
محمد زمان
صاحب‌داد
رحیم داد یا قادر داد
محمد سعید
شیخ سراج‌الدین
رسالهٔ اورینٹل کالج میگزین لاہور
ماخوذ از بابت ماہِ فروری ۱۹۵۵
حال نامہ قلمی میں یہ نام یعقوب مذکور ہے - (مؤلف)
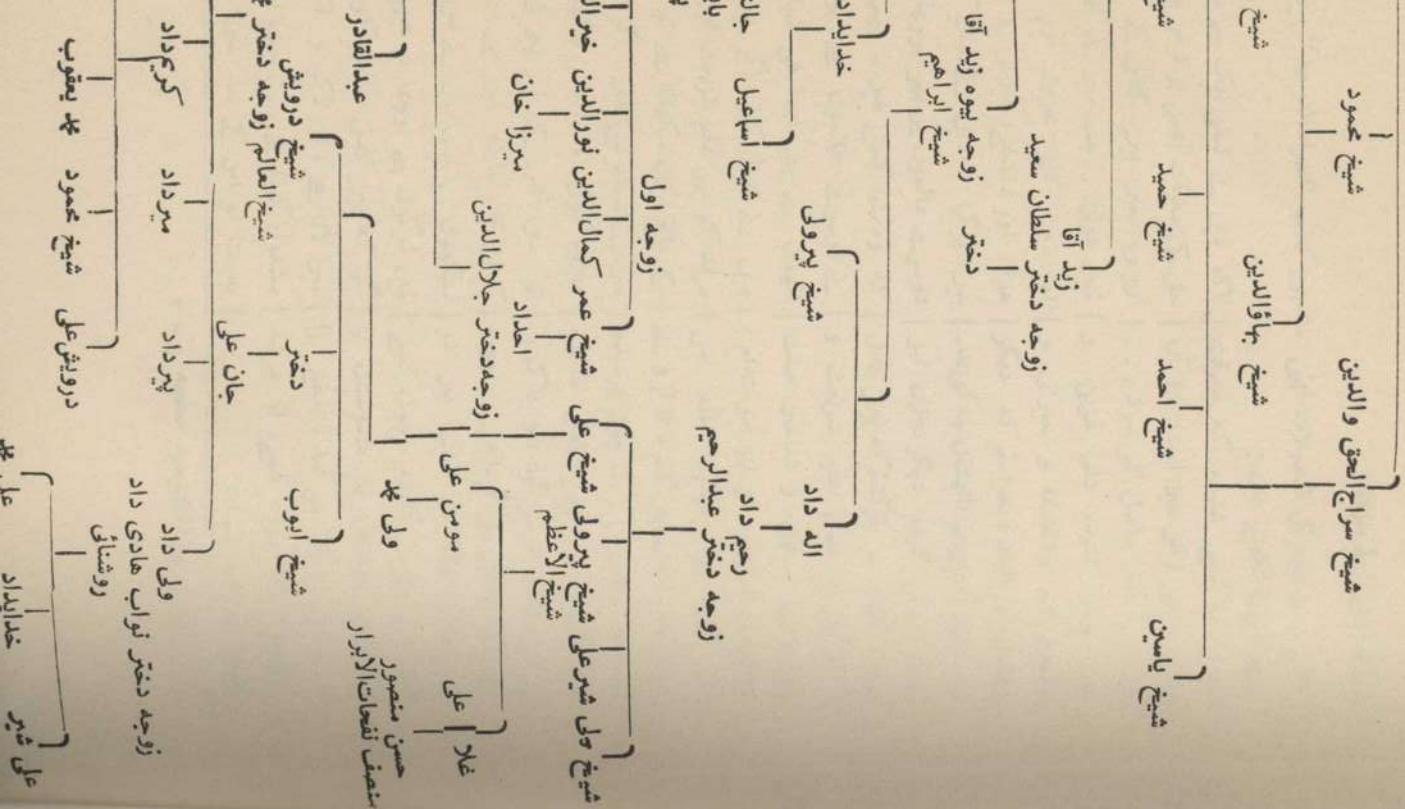
شجرۂ نسب پیر با یزید
شیخ سراج الحق والدین
شیخ محمود
شیخ بهاؤالدین
شیخ یاسین
شیخ احمد
شیخ حمید
زید آقا
زوجه دختر سلطان سعید
دختر
زوجه بیوه زید آقا
شیخ ابراهیم
اله داد
شیخ پیرولی
رحیم داد
زوجه دختر عبدالرحیم
شیخ اسماعیل
زوجه اول
شیخ ولی
شیرعلی
شیخ پیرولی
شیخ علی
شیخ الاعظم
شیخ عمر
کمال الدین
نورالدین
میرزا خان
احداد
زوجه دختر جلال الدین
غلا
علی
حسن منصور
منصف نفحات الابرار
مومن علی
ولی محمد
عبدالقادر
شیخ ابوب
دختر
جان علی
شیخ درویش
شیخ العالم
ولی داد
زوجه دختر نواب هادی داد
روشنائی
پیرداد
میرداد
کریم داد
درویش علی
شیخ محمود
محمد یعقوب
علی شیر
خدایداد

تلاش و جستجو کی تفصیلات اپنی مشہور کتاب ''صراط التوحید'' میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ناگاہ ازیک کسے شنیدم کہ **معرفت** حق بر آدمی فرض عین است ، و آن بے پیرِ کامل حاصل نمی شود . . . چون چنین شنیدم دلم حزین و غمگین شد ودغدغه و حیرانی و پریشانی در افتاد ، خواستم کہ دیگر نیز عالمان را بپرسم تاایشان چہ گویند۔ چون پرسش کردم دیگر عالمان نیز چنین گفتند ۔ بازگشتم کہ پیرِ کامل اگر مرید را همین علمِ شریعت و پنج بنائے مسلمانی و شناختن صفت خدائی می آموزد ، من نیز آموختہ‌ام ، اگر بے این دیگر علم می آموزد بعدہ طلب پیر کنم ، تا از وے آن علم بیاموزم . . . . چون پرسیدم مرا گفت کہ پیرِ کامل طالب را در ریاضت در می آرد ، و بذکر و فکرِ حق شاغل می گرداند . . . چون این شنیدم بعدہٗ در طلب پیر در آمدم و پرسش می کردم ، چون کسے از جانب خراسان یا ھندوستان یا از جانب دیگر می آمد ، بعضے را پرسیدم تا مرا کسے از مرشد کامل خبر دھد (۱) ،

ناگاہ میں نے کسی ایک سے سنا کہ حق کی معرفت آدمی پر فرضِ عین ھے اور وہ بغیر پیرِ کامل کے حاصل نہیں ھوتی. . .جب میں نے ایسا سنا تو میرا دل محزوں اور غمگین ھوا ، اور دغدغے، حیرانی و پریشانی میں پڑگیا ۔ میں نے خیال کیا کہ دوسرے عالموں سے بھی پوچھا چاھیے کہ وہ کیا کہتے ھیں ۔ جب میں نے دوسرے عالموں سے پوچھا ، انھوں نے بھی ایسا ھی کہا ۔ پھر میں نے خیال کیا ، اگر پیرِ کامل مرید کو یہی علمِ شریعت اور اسلام کے پانچ ارکان سکھاتا ھے تو وہ تو میں نے سیکھ لیے ھیں ، اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا علم سکھاتا ھے تو میں اس کے لیے پیر کی تلاش کروں گا ، تاکہ اس سے یہ علم سیکھوں . . جب میں نے اس سلسلے میں لوگوں سے پوچھا تو مجھے بتلایا گیا کہ پیرِ کامل طالب کو ریاضت میں لاتا ھے ، اور ذکر و فکر میں مشغول کرتا ھے . . . جب میں نے یہ سنا تو اس کے بعد میں پیر کی

(۱) صراط التوحید صفحہ ۱ - ۲

لطلب میں مشغول ہوگیا ، اور لوگوں
سے پوچھ گچھ کرنے لگا ۔ جب کوئی
خراسان یا ھندوستان یا اور کسی طرف
سے آتا تو میں ان میں سے بعضوں سے
پوچھتا کہ وہ مجھے کسی پیرِ کامل
کا پتہ دیں ۔

پیر روشن یا روشان کی وجۂ تسمیہ

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے بحوالہ ''تذکرۃالانصار'' اپنے مضمون میں لکھا ھے کہ بایزید کو پیر روشان کہنے کی وجہ یہ ھے کہ ایک شام چراغ جل رھا تھا ، اس میں تیل ختم ھوگیا اور بجھنے ھی کو تھا کہ آپ نے کسی سے فرمایا کہ چراغ میں پانی ڈال دو ۔ پانی ڈال دیا گیا اور چراغ پہلے سے بھی زیادہ روشن ھوگیا(۱)

بیعت :

بایزید اسی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھے کہ اتفاقاً ایک درویش ان کے گاؤں میں تشریف لائے ، جن کا نام خواجہ اسماعیل تھا ، اور جو ان کے والد کے بھائی کے صاحبزادے تھے ۔ انھوں نے ان کے گاؤں میں آکر اپنی درویشی کا اعلان کیا ، اور لوگوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص مجھ پر یقین رکھتا ھے اور معرفتِ حق کے لیے مشقت برداشت کرسکتا ھے تو میں اسے معرفت الٰہی کی منزل پر فائز کر سکتا ھوں ۔ ان کا یہ دعویٰ سن کر بعض لوگ ان کے معتقد ھوگئے ، اور معرفت کا درس حاصل کیا ، اور بعضوں نے انکار کیا ۔ جو ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ھوتے ، ان کا سر منڈواتے ، زنبیل اور کمر بند دیتے ، اور اپنے مریدین سے کہتے نیکی کرو بدی مت کرو ، اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا ، تو میں مرنے کے بعد حاضر ھوں گا ، اور تمھیں خدا کے عذاب سے چھڑواؤں گا اور راحت پہنچوؤں گا ۔ وہ طالبان سے ذکر و فکرِ حق کے لیے غفلت کو چھڑواتے تھے

(۱) اورینٹل کالج میگزین لاھور بابت ماہ فروری ۱۹۵۵ صفحہ ۵۷

اور کم کھانے ، کم بولنے ، کم سونے ، اور عزلت و خلوت میں رہنے ، اور بری عادتوں سے بچنے اور اچھے اوصاف کو اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے ، اور طالبان کو ذکر و فکر اور پاسِ انفاس میں مشغول کرتے تھے ۔

خواجہ اسماعیل کی شخصیت اور ان کی تعلیمات سے بایزید پر بڑا اثر ہوا ۔ وہ ان کے معتقد ہوگئے ، اور انھیں خیال ہوا کہ اگر وہ کسی دوسرے کے ہاتھ پر توبہ کریں گے ، تو انھیں کلاہ ، شجرہ ، زنبیل ، کمر بند اور دوسرا نشان تو مل سکتا ہے ، لیکن لذّتِ ذکر اور معرفتِ حق حاصل نہ ہوسکے گی ۔

بایزید کا بیان ہے کہ میں اس وقت بالغ ہوچکا تھا ، اور مجھ پر یہ کیفیت غالب تھی کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ امتِ محمدیہ میں مجھ سے زیادہ گنہگار اور بدکار نہیں ہے اور نہ ہوگا ۔ میں نے ایسے گناہ کیے تھے ، کہ میں نہیں جانتا کہ ایسے گناہ کسی دوسرے انسان نے کیے ہوں ؟ لیکن میں خدا کی رحمت سے مایوس نہ تھا ، اور سمجھتا تھا کہ خدائے تعالیٰ رحیم ، مہربان اور غفّار ہے ، یہاں تک کہ وہ کسی سبب سے مجھے معاف کر دے گا اور میرے گناہوں کو بخش دے گا ۔

اپنے والد سے مشورہ :

ایک روز میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ میرا دل توبہ کی طرف مائل ہے ، اور مجھے خواجہ اسماعیل سے عقیدت ہے ، میں چاہتا ہوں کہ ان کے ہاتھ پر توبہ کروں ، تاکہ راہِ ہدایت پاؤں ۔ میرے والد نے یہ بات سن کر مجھ سے کہا کہ اگر تم نے خواجہ اسماعیل کے ہاتھ پر توبہ کی تو میری ڈاڑھی منڈھ جائے گی ، اور میرا نام ہر جگہ بدنام ہو جائے گا ۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارے دادا محمد کے بارہ لڑکے تھے ، اور میں ان میں علم و فضل کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھا جاتا ہوں ، اور میرا نام سب سے زیادہ مشہور اور بلند ہے ، اگر تم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی تو تمام علاقے میں خبر ہوگی ، اس طرح میری ڈاڑھی منڈے گی ، اور میرا نام بدنام ہوگا ، اس لیے تم ہرگز اس کے ہاتھ پر توبہ نہ کرو ، اگر اس کے بعد بھی تم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی تو گھر میں یا میں رہوں گا یا

تم ، اور میں تم سے سخت ناخوش ہوں گا ۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اس سے قبل بھی جب میں نے علم حاصل کرنے کے لیے کعبے جانے کا ارادہ کیا تھا تو آپ میری راہ میں آڑے آئے تھے ، اب جب کہ میں نے جوانی میں توبہ کا ارادہ کیا ہے تو اب بھی آپ مجھے اس شخص کے ھاتھ پر توبہ نہیں کرنے دیتے جس سے مجھے عقیدت ہے ۔ اس پر میرے والد نے مجھ سے کہا کہ اگر تم واقعی تائب ہونے کا ارادہ رکھتے ہو تو حضرت شیخ بہاءالدین(۱) کے سلسلے میں توبہ کرنے کے لیے ملتان جاؤ ، اور اس خانوادے میں مرید ہو جاؤ ، میں تمھارے لیے پیر کا نذرانہ ، اور سفر خرچ مہیا کروں گا ،

---

(۱) پاک و ھند میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی حضرت شیخ بہاءالدین ذکریاملتانی ھیں۔ ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے ، بارہ سال کی عمر میں ان کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ خراسان چلے گئے ، اور سات برس تک علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی ، پھر مختلف ملکوں میں تحصیلِ علم کرتے ہوئے حرمین شریفین حاضر ہوئے ، اور حج و زیارت سے مشرف ہوکر پانچ سال تک مدینۂ منورہ میں شیخ کمال الدین محمد یمانی محدّث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ۔ حدیث کی تعلیم کے بعد حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے روضۂ نبوی کے پاس تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لیے مجاھدہ کیا ، پھر وھاں سے بیت المقدس پہنچے اور مسجد اقصیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت سے مشرف ھوکر بغداد تشریف لائے ، اور بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی صاحبِ عوارف کے دستِ حق پرست پر بیعت ھوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد آپ کے شیخ نے حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر رشد و ھدایت کے نور کو عام کریں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹ پر)

اس طرح وہ تم سے خوش بھی ہوں گے ، اس لیے کہ بعض طالب محض آنے جانے والے ہیں ، اور بعض طالب لانے اور لے جانے والے ہیں ۔ میں نے کہا کہ لوگ وہاں کچھ چیزیں لے کر جاتے ہیں ، اور وہاں سے ٹوپی ، یا شجرہ یا ثمرۂ زنبیل یا کمربند یا اور کوئی دوسرا نشان لے کر آتے ہیں ، لیکن ذکر و فکر اور حق کے پہچاننے سے مطلقاً آگاہی نہیں رکھتے ، اور میں ذکر و فکر اور حق کے پہچاننے کا متمنی ہوں ، آپ مجھ پر بڑا احسان فرمائیں گے ، اگر مجھے خواجہ اسماعیل کے ھاتھ پر توبہ کرنے کی اجازت دیں ۔ میں جس قدر بھی اپنے والد پر اس کے لیے اصرار کرتا تھا ، وہ مجھے اجازت نہیں دیتے تھے ۔ آخر ایک روز میں خواجہ اسماعیل کے پاس گیا ، اور میں نے ان سے عرض کیا کہ میری بڑی تمنا تھی کہ آپ کے ھاتھ پر توبہ کروں ، لیکن میرے والد مجھے اجازت نہیں دیتے ، اور قسم کھائے ہوئے ہیں کہ اگر میں آپ کے ھاتھ پر توبہ کروں گا تو گھر میں میں رھوں گا یا وہ رھیں گے، اور وہ مجھ سے اس بات پر سخت ناخوش ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ سے آگے)

چنانچہ آپ ملتان آئے ، اور ملتان میں آپ نے رشد و ھدایت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا ۔ آپ کے فیوض و برکات سے سارا ھندوستان منور ھوگیا ۔ ملتان ، سندھ اور بلوچستان کے علاقے کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا تھا ۔ حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی نے ۶۶۱ھ(۱۲۶۲ء) کو وصال فرمایا ، آپ کے خلفا کی تعداد کثیر ھے ۔ مشہور خلفا کے نام یہ ھیں ، شیخ حسن افغان ، شیخ فخرالدین عراقی ، سید صدرالدین احمد بن سید نجم الدین ھروی ، شیخ جمال خنداں ، شیخ نجیب الدین علی برغش ، آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف ، آپ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح ، حضرت جلال سرخ ، سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر مشہور ھیں (ماخوذ از ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' صفحہ ۱۰۶ تا ۱۳۲)

در آں حالیکہ میری عقیدت آپ سے بے حد ھے ، اس لیے اگر ممکن ھو تو خدا کے لیے مجھے بغیر توبہ کے کوئی چیز بتایے - خواجہ اسماعیل نے فرمایا کہ میں تمھیں کیا بتاؤں ؟ میں نے کہا کہ جو آپ اپنے مریدوں کو بتاتے ھیں ، وھی مجھے بتا دیجیے - انھوں نے فرمایا یہ بغیر توبہ کے ممکن نہیں ، اور میں توبہ کے بغیر تم کو تلقین نہیں کرسکتا - ھر چند کہ میں بہ منت و زاری اصرار کرتا تھا ، لیکن وہ دل کا راز مجھے بغیر توبہ کے بتلانا نہیں چاھتے تھے ، اور یہی فرماتے جاتے تھے کہ پاس انفاس کرو ، حسنات و درجات کو پاؤ گے (۱) -

وہ یہ بات مجھے اس لیے کہتے تھے کہ میں پاس انفاس میں مشغول تھا - اگرچہ پاس انفاس ذکر خفی سے کرتا تھا ، لیکن معرفت حق سے بے خبر تھا ، اور معرفت حق کے لیے متجسس و بیقرار تھا - ایک دن میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ ! تو میرے دل کا حال جانتا ھے کہ میرے والد عبداللہ مجھے توبہ نہیں کرنے دیتے ، اور بغیر توبہ کے خواجہ اسماعیل مجھے کچھ نہیں بتاتے ، اور دوسرے کسی سے مجھے عقیدت نہیں ، میں نہیں جانتا کہ اس صورت میں میں کیا کروں کہ توحید کی معرفت مجھے حاصل ھو - آخر میں نے اپنے دل سے فتویٰ طلب کیا - میرے دل نے فیصلہ دیا کہ میں قرآن کو اپنا امام بناؤں ، اور اس کے احکام کی پیروی کروں - خواجہ اسماعیل اپنے معتقدین کو کم کھانے ، کم بولنے ، اور کم سونے اور خلوت میں رھنے کی نصیحت کرتے تھے ، مجھے بھی یہ کام مقدور بھر کرنے چاھیں -

خواجہ اسماعیل کے طریقوں پر عمل :

چنانچہ میں نے سوکھی روٹی کھانا اور کم سونا اختیار کیا - میرے والد مجھ سے کہتے تھے کہ تم کیوں کم اور روکھی سوکھی روٹی کھاتے ھو ،

---

۱ - تقریباً تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ حالنامہ قلمی مائیکروفلم مملوکیہ پشتو اکیڈیمی پشاور صفحہ ۳۷ میں بھی منقول ھے -

جب تم دوسرے گھر والوں کے سامنے معمولی غذا اور کم کھاتے ہو، اور وہ مرغن غذائیں اور بہت زیادہ کھاتے ہیں تو ان کا دل تمہیں دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے، اور انہیں کھانے میں لذت حاصل نہیں ہوتی، ابھی تم جوان ہو، تمہیں خوب کھانا چاہیے، جب تم بڑھاپے کو پہنچو تو اس وقت تمہیں دین کی فکر کرنی چاہیے۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ کیا خبر ہے کہ میں پیری کی منزل کو پہنچوں یا نہ پہنچوں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ مجھے آپ دین کے کام کے لیے نہیں چھوڑتے۔ سب سے پہلے میں نے جب کعبے کا ارادہ کیا تو آپ نے مجھے روکا، پھر جب میں نے مرشد کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا ارادہ کیا تب بھی آپ آڑے آئے، اب جب کہ میں ریاضت کی طرف مائل ہوں تو آپ مجھے اس پر عمل نہیں کرنے دیتے۔

والد کے متعلق قرآن سے فتویٰ:

میں نے اپنے والد سے اس گفتگو کے بعد فیصلہ کیا کہ میں قرآن مجید کی تعلیمات پر غور کروں گا، اور قرآن جو فیصلہ دے گا اس پر عمل کروں گا۔ میں نے قرآن مجید پر نگاہ ڈالی تو یہ آیت مجھے لکھی ہوئی ملی۔

و وصینا الانسان بوالدیه حسناً و ان جاهدک علیٰ
تشرک بی مالیس لک به علمٌ فلا تطعهما

اس کے بعد میں نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ دین کے معاملے میں میں آپ کی کوئی بات نہ سنوں گا (۱)۔

ایک خواب:

پھر بایزید انصاری نے "صراط التوحید" میں اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا ہے، جس میں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ خواب ہی میں حضرت خضر نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اپنے دین میں شریک کرنا چاہتا ہوں اور اپنا دینی بھائی بنانا چاہتا ہوں۔ بایزید نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت خضر کے ہاتھ

۱۔ یہ تمام تفصیل "صراط التوحید" ص ۱ تا ص ۸ سے ماخوذ ہے۔

کو اپنے ھاتھ میں پکڑا - پہلے حضرت خضر نے ان سے کہا کہ تو اپنے دین
کو میرے ساتھ شریک کرتا ھے اور ایک کرتا ھے - کیا تو میرا دینی بھائی
ھوگا ؟ بایزید نے کہا ھاں میں اپنے دین کو آپ کے دین کے ساتھ شریک
کرتا ھوں ، اور آپ کا دینی بھائی ھوتا ھوں - پھر حضرت نے کہا کہ میں
نے تمہارے اور اپنے دین کو ایک کر لیا ' اور تیری برادری کو قبول کر
لیا - میں اس پر بے حد خوش ھوا کہ میرا دین اور حضرت خضر کا دین ایک
ھو گیا (۱) -

خواب کے بعد :

پیر بایزید کا بیان ھے کہ اس خواب کے بعد میری کیفیت ھی دوسری
ھو گئی - مجھ میں محبت اور شوقِ الٰہی کا جذبہ بڑھ گیا - جب کوئی مجھ سے
بیان کرتا کہ فلاں جگہ ایک بزرگ ھیں تو میں ان کی زیارت کے لیے جاتا -
جب میں کسی قبرستان میں پہنچتا تو کلمہ لااله ، فاتحه ، سورۂ اخلاص
اور آیت الکرسی پڑھتا ، اور جب میں بزرگوں اور اپنے اقربا کی قبر پر جاتا
تو سورۂ یسین ، سورۂ الرحمٰن ، سورۂ تبارک الذی ، یا ایھاالمزمل اور حم اور
دوسری سورتیں پڑھتا ، اور ان کی ارواح کو خوش کرنے کے لیے ، اور دل
کو منور کرنے کے لیے ذکرِ خفی میں مشغول رھتا -

۱- یه واقعه تھوڑے سے تغیرِ الفاظ کے ساتھ حالنامه قلمی(مائیکروفلم)
مملوکه پشتو اکیڈیمی ، ص ۳۸ پر بھی منقول ھے ، صرف فرق
اتنا ھے کہ حضرت خضر نے انھیں دینی بھائی بنانے کے لیے
کہا تو انھوں نے انکار کر دیا ، پھر دوبارہ حضرت خضر نے
پوچھا کہ تم میرے دینی بھائی کیوں نہیں بنتے تو بایزید نے
جواب دیا کہ آپ پاک ھیں ، آپ کا دین پاک ھے اور میں
گنہگار ھوں ، اس لیے میں اپنے دین کو آپ کے دین کے ساتھ
شریک نہیں کرتا ، کہ میرے گناہ کی شومی سے آپ کو
نقصان نه پہنچے - حضرت خضر نے فرمایا تمھیں ان باتوں سے
کیا سروکار ، میری مرضی یه ھے کہ تم اپنے دین کو میرے دین
کے ساتھ شریک کر لو اور میرے دینی بھائی بن جاؤ -

وحدت الوجود کا عقیدہ :

میں بچپن میں اسم الیقین کی منزل میں ، اور مراھقی میں علم الیقین کی منزل میں اور جوانی میں عین یقین کی منزل میں تھا ۔ جوانی میں میرا اعتقاد یہ تھا کہ میری ھستی اور جملہ موجودات ، اور ذرات میں سے کوئی ذرہ خدا کی ھستی سے جدا نہیں ھے اور نہ تھا ۔ مجھ پر چند سال اسی حال میں گزرے کہ میں عالموں ، درویشوں ، قلندروں اور ان کے خادموں کی خدمت اپنے مقدور کے مطابق کرتا ، اور اس حال میں بھی طلبِ معبود کے لیے پیرِ کامل کی تلاش میں رھتا ، لیکن مجھے پیرِ کامل نہیں ملتا تھا ۔

مقام قرب پر رسائی :

یہاں تک کہ خدا کے فضل نے مجھ پر تجلی کی ، میرا دل کھل گیا ، پردہ ھٹ گیا ، اور مجھے عین الیقین حاصل ھوا ۔ اس کی علامت یہ تھی کہ میں جس طرف بھی نظر کرتا تھا ، آنکھ اور دل سے (تجلیات) بے مثل کو دیکھتا تھا ، مجھے کوئی چیز اس کی ھستی سے جدا نہیں دکھائی دیتی تھی ، اور میں کوئی آواز بغیر تسبیحِ حق کے نہیں سنتا تھا ۔ پس میں نے جان لیا کہ میں مقامِ قرب کی منزل پر فائز ھوں ، لیکن میں اس حال میں بھی پیر کی طلب میں تھا ، لیکن مجھے پیرِ کامل نہیں ملتا تھا ، اور میں علمِ سلوک کے حاصل کرنے میں مشغول تھا ۔

والد کی تمنا :

میرے والد کی تمنا تھی کہ وہ مجھے علمِ فقہ کی تعلیم دے کر قاضی بنائیں ، اور میں ڈرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ھو کہ منصبِ قضا پر پہنچنے کے بعد مجھ سے ناانصافی ھو جائے ، یا میں کسی سے رشوت لینے لگوں ، اس لیے مجھے عہدۂ قضا سے زیادہ فقیری پسند تھی ، اور میں علمِ سلوک کے حصول میں علمِ فقہ کے حصول سے زیادہ دینی فائدے پاتا تھا اورقاضی گری سے درویشی کو بہتر سمجھتاتھا کہ کسی نے کہا ھے کہ

من جعل قاضیاً فکا نما ذبح بغیر سکین ۔ جو قاضی ینابا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا (۱)

---

۱ ۔ حالنامہ میں بھی بہ روایت صفحہ ۲۳ پر بتغیرِ الفاظ موجود ھے ۔

اسمِ اعظم تک رسائی :

میں چند سال تک اسی منزل سے گزرتا رہا ، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھ کو ایک ذریعے سے اسم اعظم پہنچایا ، اور مجھ سے کہا گیا کہ اگر میں اس اسمِ اعظم کو پڑھوں گا تو میرا مقصود حاصل ہوگا ۔ لیکن میں اس کے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا ۔ کچھ زمانے کے بعد مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ جس چیز کی میں آواز سنتا تھا ، اس سے مجھے اسی اسم کی آواز آتی تھی ۔ پس اس ذریعے سے حق تعالیٰ نے مجھ کو ذکر و حلاوت تک پہنچایا ، اور اس ذکر سے میری ہستی میں اس کی ہستی پگھلنے لگی اور محو ہونے لگی اور ہر وجود کی ہستی حق تعالیٰ کی ہستی کے ساتھ یک وجود ہوگئی ۔ اس حال میں میں اس کی ہستی سے اس کی یعنی حق تعالیٰ کی ہستی کو دیکھتا تھا ، اور اس کی آواز میں اس کی آواز سنتا تھا ، اسی کے ذریعے سے سنتا تھا ، اسی کے ذریعے سے کھاتا تھا اور میرا وجود درمیان سے اٹھ گیا تھا ۔

مجاھدے اور ریاضتیں :

اس کے بعد پیر بایزید نے اپنے متعدد خوابوں کا تذکرہ کیا ھے ۔ ان خوابوں سے نتیجہ نکالتے ہوئے انھوں نے لکھا ھے کہ میرے آخری خواب کی تعبیر یہ ھی ھو سکتی ھے کہ میں اھلِ دنیا سے پرھیز کروں ، اور خلوت میں بیٹھوں ، اور کم سونے کو اپنا شعار بناؤں ، یہاں تک کہ میرا جسم جو موٹا ھوگیا ھے کم ھو ، اور پاکی کا اثر میرے قلب میں پیدا ھو۔ میں نے یہ بات کسی سے نہ کہی ، اور میں شہر کے باھر ایک خلوت خانے میں چلا گیا ، اور جمعرات اور جمعہ کے دن میں نے اس اسمِ اعظم کو پڑھنا شروع کیا کہ جس سے میں ابتدا میں نوازا گیا تھا ۔ دو رات میں اس خلوت خانے میں رھا ، یہاں تک کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ، اور وہ بہ منت و سماجت مجھے وھاں سے میرے گھر لائے ۔ گھر پہنچنے کے بعد بھی میں نے کم خوری کو نہ چھوڑا ۔ دو راتیں اسی طرح گزریں ۔ پیر کا دن تھا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر تجلی اسرار کی ، اور مجھے شرک سے پاک کر دیا ۔ مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ مخلوق شرک سے پلید ھے ، لیکن میں اپنے

اس حال کو کسی سے بیان نہ کرتا تھا - پھر چند ماہ میں نے خلوت میں روزہ رکھا اور تنہائی اختیار کی - پھر شریعت کی رو سے یہ بات مجھ پر واضح کی گئی ہے کہ تو اول تجارت اور کاروبار کرتا تھا ، اور اس کاروبار وتجارت سے اپنے گھر والوں اور مہمانوں کے لیے روزی حاصل کرتا تھا ، تو اب بھی تجارت کرکے روزی حاصل کر -

حالنامے میں ہے کہ ان کی بیوی شمسو نے ان سے کہا کہ حق تعالیٰ نے انبیا اور اولیا کو دین اور علمِ توحید سے خبردار کیا ، وہ امرو نہی کرتے تھے،اور انھوں نے حلال روزی حاصل کرنے کو نہیں چھوڑا تھا - آپ پر بھی لازم ہے کہ اپنے گھر والوں کے لیے حلال روزی حاصل کیجیے تاکہ آپ کے وابستگان تنگی میں نہ رهیں - ان کی اس تحریک پر پیر دستگیر نے یہ سفر اختیار کیا تھا (حالنامہ - ص ۷۸)]

قندھار کا سفر :

چناں چہ میں تجارت کے لیے روانہ ھوا ، لیکن میں نے اس سفر میں نیت کی کہ اگر میں کسی کو اثنائے سفر میں موحد پاؤں گا تو اسی کی خدمت میں ذکر و شغل میں مشغول ھو جاؤں گا - جب ھمارا قافلہ قندھار پہنچا تو میرے ساتھی خرید و فروخت اور نفع ونقصان کی فکر میں مشغول ھوگئے ، اور مجھے سب سے پہلے پیرِ کامل کی تلاش کی فکر ھوئی ، لیکن مجھے اس ملک میں کوئی پیرِ کامل نہ ملا ، صرف ایک قلندر ملا ، جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ تیس سال سے ایک حجرے میں ہے ، اور کسی سے بات نہیں کرتا - میں نے اسے چھوڑ دیا -

بیرم خان کے کارندوں کا ظلم :

اس زمانے میں قندھار میں ایک سردار بیرم خان(۱) نامی تھا ، اس کے کارندوں نے ھمارے قافلے پر یہ ظلم کیا کہ ھمارے قافلے کے تمام مال میں سے چھ حصے وہ لے گئے اور پانچ حصے مالکوں کے لیے چھوڑ گئے ، یہاں تک کہ انھوں نے میرے مال میں سے بھی دو حصے لیے اور ایک حصہ میرے لیے چھوڑا - پس قافلے والے جمع ھوئے ، اور انھوں نے بیرم خان کے پاس

---

۱ - یہ وھی بیرم خان ہے جو اکبر کا اتالیق تھا -

چند آدمی فریاد کے لیے بھیجے۔ اس جماعت میں میں بھی شامل تھا ۔ جب ہم بیرم خاں کے پاس پہنچے تو ہمارے ساتھیوں میں سے بعض نے اس کی تعظیم کے لیے زمین پر گھٹنے ٹیکے ۔ میں نے بھی ایسا ھی کیا ، اور میں نے اس سے کہا کہ تمہارے کارندوں نے ہمارے مال کے گیارہ حصے کیے ، چھ حصے وہ لے گئے ، اور پانچ حصے ہمارے لیے چھوڑے ۔ امیروں اور بادشاہوں سے حق تعالیٰ انصاف کا متقاضی ھے اور آن سے انصاف کے متعلق پوچھا جائے گا ، اور خدائے تعالیٰ کسی کا ایک ذرہ عمل ضائع نہیں کرتا اور اس کو راہ دکھاتا ھے ۔ بیرم خاں نے میری بات سن کر کہا کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کرے گا ، لیکن اس نے تحقیقات نہ کی بلکہ آلٹا اور مخالف ھو گیا ۔ اسی روز مجھے ایک آواز آئی کہ تو اسمِ اعظم پڑھتا ھے ، اور اپنے آپ کو بزرگ شمار کرتا ھے لیکن مالِ دنیا کے لیے تو نے اس قدر منت و زاری کی کہ مخلوق کے لیے اپنے زانو زمین پر ٹیکے ۔ یہ تیرا فعل بے ادبی تھا (۱) ۔

پانچ سال تک ریاضت :

اب جب تو گھر پہنچے ، تو پانچ سال تک خانہ نشین رہ ، اور کسی کے گھر مت جا ، دنیا کے کام مت کر ، اور ذکر و شغل میں مشغول رہ ۔ اگر اس پانچ سال میں تو دنیا کے کام میں مشغول ھو گا ، تو غضب میں گرفتار ھوگا ۔ جب ہمارا قافلہ واپس وطن لوٹا ، میں نے اس حکم کے مطابق اپنے گھر میں ایک تہ خانہ بنایا ، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ یہاں میں نے ایک خزانہ بنایا ھے ، اور اس میں اپنے مال کو محفوظ کیا ھے ، اس میں رہ کر اپنے مال کی حفاظت کرتا ھوں ۔ یہ تدبیر میں نے اس لیے کی تاکہ میں لوگوں میں خواہ مخواہ مشہور نہ ھوں ۔ لیکن میں نے نیت یہ کی تھی کہ اگر خدا نے چاہا تو پانچ سال تک اسی خلوت خانے میں رھوں گا ، اور صرف رفع ضرورت اور وضو کے لیے باھر آؤں گا ۔ مگر میں ڈرتا تھا کہ میں یہ پانچ سال پورے کر سکوں گا بھی یا نہیں ۔ اور میرا نفس مجھے

---

۱ ۔ صراط التوحید ۔ یہ روایت حالنامہ میں بھی صفحہ ۷۹/۲ پر بہ تغیرِ الفاظ موجود ھے ۔

ورغلاتا تھا کہ اگر پانچ سال تک تم گھر میں بیٹھے رہے ، اور دنیا کا کام نہ کیا تو گھر کا اثاثہ ختم ہوجائے گا اور تمہارے گھر جو حال ہوگا ، وہ تم جانتے ہو ؟ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس تن اور نفس کو کس طرح سمجھاؤں - میں نے تن سے کہا کہ اے تن ! تجھ کو پرانا کپڑا مبارک ہو ، اگر کوئی دوسری چیز نہ ملی تو میں تجھے یہی پرانا کپڑا پہناؤں گا ، لیکن حرام اورمشتبہات کو تیرے پاس پھٹکنے نہ دوں گا ، اور نفس سے کہا کہ اے نفس تجھ کو مبارک ہو کہ تو حرام اور مشتبہات سے بچے گا ، اگر تو بھوکا بھی مرا پھر بھی میں تجھے حرام اور مشتبہات سے پرورش نہ کروں گا ، اور نہ کسی سے مانگوں گا کہ تجھے کھلاؤں - پس میں نے صبر کی کنجی اٹھا کر قناعت کے خزانے کے تفل کو اس پر کھول دیا (۱) -

خلوت خانے میں پانچ سال :

میں نے شریعت کے حکم کے مطابق غسل اور وضو کیا ، اور حجرے میں آیا اور سونے کے بستر کو جدا کر دیا ، اور ذوق و شوق سے اسم اعظم پڑھنا شروع کیا - دنیا ایک دلھن کی صورت میں میرے سامنے آئی ، میں نے دیکھا کہ خوبصورت ہار اس کے گلے میں ہے ، اور ہر دلکش صورت جو جہان میں ہے ، اس کی صورت اس ہار میں نمایاں تھی اور وہ اپنی زینت اور خوبصورتی سے مجھے لبھانا چاھتی تھی اور طمع نے مجھ میں ایک بیمار کی طرح سر اٹھایا اور فریاد کی کہ میرا پیٹ خالی ہے ، اس میں کوئی چیز ڈالنی چاھیے - اسی طرح خواھشات نفس نے سر اٹھایا ، اور مجھے قسم قسم کی لذتوں اور شہوتوں کو یاد دلایا ، اور شیطان اور اس کا گروہ مجھے طرح طرح سے ورغلاتا تھا کہ مجھے معبود کی اطاعت سے باھر نکلنا چاھیے - جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ عالم جس میں میں تھا اس خواھشات نفسانی کے عالم کے بالکل معارض تھا کہ جس کی طرف وہ مجھے یاد الہی سے روک کر لوٹانا چاھتا تھا اور اس عالم سے

---

۱ - صراطالتوحید

اعراض کرنا فرض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے 'فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا'، اور اس عالم کا اتباع مطلقاً حرام تھا؛ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ مسانھیکم عن ذکر اللہ تعالیٰ فھو حرام - اس کے بعد میں نے اپنے دل میں اس خواھشاتِ نفسانی کی دنیا سے دور رھنے کی یہ تدبیر اختیار کی کہ عقل کے چراغ کو روشن کیا اور اس کی روشنی میں مجھے طمع خیر سے خالی نظر آئی اور میں نے اسے ایمان کی ضد پایا - پس میں نے خدا پر توکل کیا ، اور طمع کو دل سے نکال دیا اور ھوائے نفس کے دروازے کو میں نے مخالفت کے ساتھ کھٹکھٹایا اور اس عقل کے چراغ کی روشنی میں شیطان مجھ کو مکار و دشمن دکھائی دیا ، اس کی اطاعت میں دو جہان کا نقصان نظر آیا - پس جب وہ کہتا تھا ، میں اس کی بات نہیں سنتا تھا ، اور ملائکہ کی فرمانبرداری کو شیطان اور اس کی جماعت کی فرمانبرداری پر ترجیح دیتا تھا ، اور شک جو کہ کفر کا بھائی ھے میں نے اسے دل سے نکال دیا تھا ، اور یقین جو ایمان کا بھائی ھے اسے میں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی -

ارشاد و تلقین کا حکم :

پھر کچھ مدت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی تم پر یقین کرے ، اور تمھاری خدمت اور فرمانبرداری اخلاص سے اختیار کرے تو اس پر علمِ توحید کو آشکارا کرو تا کہ وہ علمِ توحید سے واقف ھو اور شرک سے دور ھو - میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا ، پھر مجھے بیداری میں یہی اشارہ ھوا -

رُشد و ھدایت :

اس اشارے کے بعد میں نے لوگوں سے کہا کہ جو کوئی میرے پاس آئے ، یقین اور مجاھدہ اختیار کرے ، جو قرآن مجید اور احادیثِ انبیا کی اطاعت اور اولیا و مشائخ کے ارشادات پر عمل کرے اور میری فرماں‌برداری خلوص سے کرے ، وہ خدا کی عنایت سے شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت ، قربت ، وصلت اور علمِ توحید سے باخبر ھو گا اور شرک خفی اور جلی کی ناپاکی سے باھر ھوگا اور اس کی طاعت ، عبادت ، خیرات و

حسنات بےگمان مقبول ہوں گے اور ایمان کی وجہ سے اس کے دل کو سکون اور آرام حاصل ہوگا اور اس کا نام موحدین میں ہوگا۔

جب میری یہ بات لوگوں نے سنی تو بعضوں نے اس پر یقین کرکے مجاہدۂ نفس اختیار کیا اور تصوف کے مقام و مراتب کو پہنچے اور بعض منکر ہوکر بےخبر رہے۔ پھر میرے پاس بعض لوگ زیارت کے لیے، بعض توبہ اور بعض دوسرے کاموں کے لیے آتے تھے اور میرے مہمان ہوتے تھے، یہاں تک کہ چند سال میں میرے پاس روپیہ ختم ہوگیا۔ ایک روز مجھ سے کہا گیا کہ گھر میں صرف اس قدر ہے کہ جو آئندہ چار پانچ روز کے لیے بھی کافی نہ ہوگا۔ پھر کوئی چیز گھر میں ایسی نہیں کہ گھر والوں اور مہمانوں کے لیے کافی ہو، میں نے کہا کہ ہمیں اس معاملے میں صبر کرنا چاہیے، جو رہِ حق میں مستقیم ہوتا ہے خدائے تعالیٰ اس کو آزماتا ہے، پھر چند روز کے بعد وہ اثاثہ بھی ختم ہوگیا، یہاں تک کہ میرے گھر میں کچھ نہ پکا اور دوسری جگہ سے پکا ہوا کھانا میرے گھر آیا۔ اس پانچ سال میں صرف یہ ایک دن ایسا تھا کہ جس دن میرے گھر میں کھانا نہیں پکا، اس اکیس سال کی عمر میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے روزی کے لیے سوال کیا ہو اور نہ میں روزی حاصل کرنے کے لیے دنیا کا کوئی کام کرتا تھا(۱)۔

رسالے کی تصنیف کے لیے حکم:

اکیس سال کی عمر میں مجھے خواب یا الہام کے ذریعے حکم ہوا کہ میں ایک رسالہ بادشاہوں کے لیے لکھ کر ان کو بھیجوں تاکہ ان کے ملکوں میں توحید کا غلغلہ عام ہو اور وہ بادشاہ جو علمِ توحید سے بےخبر ہیں وہ بھی اس سے واقف ہوں اور وہ توحید کو اختیار کرکے شرک سے باہر ہوں، تمام ممالک میں نیکیاں بڑھیں اور گناہ گھٹیں اور ایک بہترین معاشرہ جنم لے اور انسانوں کے حسنِ اخلاق سے یہ زمین جنت کا نمونہ بن جائے۔

چنانچہ یہ رسالہ صراط التوحید پیر بایزید نے لکھا۔

---

۱ - یہ تمام تفصیل صراط التوحید صفحہ ۲۵ سے ماخوذ ہے

تعلیمات ،

اس رسالے سے همیں شیخ بایزید کی تعلیمات سمجھنے اور ان کے متعلق فیصله کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔ اس رسالے سے هم ان کی تعلیمات کے اهم اقتباسات یہاں درج کرتے هیں ۔

توحید

اس رسالے میں انهوں نے جا بجا معرفتِ توحید پر زور دیا ہے ، ایک جگه لکھا که

برائے آموختن علم و معرفتِ توحید و آنچه در راه ولیست تعجیل باید ، سستی و کاهلی و کم همتی دروے نشاید(۱)	علم و معرفت توحید اور جو کچھ که اس کے راستے میں ہے اس کے سیکھنے میں جلدی کرنی چاهیے اور اس میں سستی اور کاهلی نه کرنی چاهیے ۔

پھر انهوں نے اسی رسالے میں انسانی افضلیت کے راز کو واشگاف کرتے ہوئے لکھا که

افضل الانسان لاجل عبادة الذی ان یحصلون فیه علم و معرفة التوحید لایقبل الله تعالیٰ عبادة و الحسنات ان کان بغیر العلم و معرفة التوحید(۲)	انسان کی افضلیت اس عبادت کی وجه سے ہے، جو اس کو علم اور معرفتِ توحید کی وجه سے حاصل هوتی ہے اور خدائے تعالیٰ نہیں قبول کرتا عبادت اور نیکیوں کو اگر وه بغیر علم اور معرفتِ توحید کے هوں ۔

عذاب و راحت آخرت :

انهوں نے طالبانِ سلوک کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

عذاب و راحت حق تعالیٰ یاد باید آوردن چنانکه عذاب جاں کندن است (۳) ۔	حق تعالیٰ کے عذاب و راحت کو یاد کرنا چاهیے ، خصوصاً جاں کنی کے عذاب کو ۔

---

۱ ۔ صراط التوحید ۔ صفحه ۳۹

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحه ۳۶

۳ ۔ ایضاً ۔ صفحه ۔ ۳۹

بنیادی عقائد کی وضاحت :

پھر بنیادی عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی :

و اشهد ان الموت حق ، والعذاب حق والشفاعة حق ، والجنة حق و النار حق و ان لقاء الله تبارک و تعالی لاهل الحق حق ، و ان الساعة آتية لا ریب فیه و ان الله یبعث ما فی القبور (۱)

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ موت حق ہے ، عذاب حق ہے ، شفاعت حق ہے ، جنت حق ہے ، دوزخ حق ہے ، اور اہل حق کے لیے لقائے باری تعالیٰ حق ہے اور اس میں شک نہیں کہ قیامت آنے والی ہے ، اور اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں ، پھر سے زندہ کرے گا ۔

کامل و مکمل کی توضیح :

کامل و مکمل انسان کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا :

کامل و مکمل آنست که صاحب شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و قربت و وصلت و وحدت و سکونت بود ، در کشاف حقائق اسرار ربوبیت تخلقوا باخلاق الله شده باشد (۲)

اور کامل و مکمل وہ ہے کہ صاحب شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و وصلت و وحدت و سکونت ہو اور اسرار ربوبیت کے حقائق کھولنے میں تخلقوا باخلاق اللہ کی صفت سے متصف ہو ۔

عبادت :

عبادت پر زور دیتے ہوئے انھوں نے سلاطین ، آمرا اور معتقدین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ

خدائے تعالیٰ بنی آدم را برائے عبادت آفریده است، وعبادت ظاهر و باطن است ، اما عبادت ظاهر فرض

خدائے تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے ، اور عبادت ظاہری و باطنی ہے ، لیکن عبادات

۱ - صراطالتوحید - صفحه ۳۰
۲ - ایضاً - صفحه ۳۷

وقتی است ، پس اول آن فرض عمری است ، دویم فرض خمسی است ، سیم فرض ماهی است ، چهارم فرض عشری است ، پنجم فرض اساسی است (۱)-

ظاهری فرض موقتی ہیں۔ پس پہلا ان میں سے فرض عمری ہے ، دوسرا فرض خمسی ہے ، تیسرا فرض ماهانه ہے ، چوتھا فرض عشری ہے ، پانچواں فرض اساسی ہے -

پھر ان فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھا :

اما عمری دو وجه است ، اول آن پس از بلاغت که درکلمۂ طیبه یعنی لا اله الا الله محمد رسول الله ، نام محمد صلی الله علیه وسلم یکبار بگوید و تکرار کردن دیگر بار سنت است - دویم زیارت خانۂ کعبه کردن است ، چنانکه حق تعالیٰ فرموده است ، اگر وے را طاقت باشد و فرض خمس پنج وقت نماز را بحضور دل گزاردن است ، و فرض ماه رمضان را روزه داشتن و فرض سالے زکوٰۃ مال دادن (۲) -

فرض عمری کی دو قسمیں ہیں ، اول ان میں سے اس بلاغت کا لحاظ رکھتے ہوئے جو کلمۂ طیبه یعنی لا اله الا لله محمد رسول‌الله میں ہے ، محمد صلی الله علیه وسلم کے نام کو ایک بار کہنا ہے اور دوسری بار کلمے کی تکرار کرنا سنت ہے ، دوسرے خانۂ کعبه کی زیارت کرنا ہے ، جیسا که خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ، بشرطیکه اسے حج کی استطاعت ہو اور فرض خمس ، پانچ وقت کی نماز کو خلوصِ دل سے ادا کرنا ہے اور فرضِ ماہ ، رمضان کے روزے رکھنا ہے اور فرض سال سال کی زکواۃ دینا ہے -

سیرت و کردار کے متعلق نصائح :

حسنِ اخلاق و بلندیٔ سیرت و کردار پر زور دیتے ہوئے ایک حدیث قدسی کے حوالے سے فرمایا :

---

۱ - صراط‌التوحید - صفحه ۹۷

۲ - ایضاً - صفحه ۸۲

پس پند دهد اورا بحدیث سبحان گفته خدائے تعالی فرض کردم بر آدمیان که هفت صفت بگیرند ۔
اول ، آنکه از جمله حرام حذر دارد، دویم آنکه از حلال، بے اسراف اندک آب و طعام بچشد ، سیم آنکه اندک سخن ببزمے بگوید ، وبد کلام نگوید ۔ چهارم آنکه خواب اندک کند ، چوں شب شود در یاد من خاموش بنشیند ، تا اکثر خلق قرار شود و یا خواب بروے غالب آید ، پس مرا یاد دارد در خواب گاه بر پهلو تا آنکه بخسپد ، هر که بیاد من بخسپد ، خواب او بطاعت بشارم ، پس در آخر شب برخیزد و وضو سازد و دو رکعت نماز شکر وضو بگذارد و بیاد من بنشیند ، و روے خود سوے مرشد دارد ، و صورت وے در دل گزراد صبح صادق شود ۔ پس نماز بامداد بحضور دل بگزارد ، باز یاد من در آید و نیز منتظر نماز دیگر باشد که رسول فرموده است المنتظر من الصلوة الی الصلوة کانه فی الصلوة ، پس هر کار کند بیاد من هرگاه که باشی ۔ پنجم آنکه در صحبت نیکاں باشد ، از صحبت بداں وغافلاں دور باش ، ششم آنکه

پس نصیحت کرے اس کو حدیث قدسی کے مطابق جس میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ھے که میں نے آدمیوں پر فرض کیا ھے که وہ سات صفتوں کو اختیار کریں ۔
اول ان میں سے یه ھے که تمام حرام چیزوں سے پرھیز کرے ۔ دوسرے یه که حلال چیزوں میں سے بغیر اسراف کے تھوڑا سا کھائے پیے ۔ تیسرے یه که مجلس میں کم بات کرے ، اور بری بات منه سے نه نکالیں ۔ چوتھے یه که کم سوئے ، جب رات ہو تو میری (اللہ کی) یاد میں خاموش بیٹھے ، یہاں تک که خدا کی مخلوق سو جائے ، یا نیند اس پر غالب آنے لگے ، پس (جب سونے لگے) تو خواب گاہ میں مجھے ہر کروٹ پر یاد رکھے ، یہاں تک که سو جائے ، (اس حالت میں) میں اس کے سونے کو بھی اطاعت میں شمار کروں گا ۔ پھر آخر شب میں بیدار ہو اور وضو کرے اور میری عبادت میں بیٹھ جائے اور منه اپنے پیر کی طرف رکھے ، اور اس کے تصور کو اپنے دل میں رکھے ، یہاں تک که صبح ہو جائے ، پھر خلوص دل سے صبح کی نماز ادا کرے ، پھر میری

مرا پنہانی بذکر دائم یاد کند ، هفتم قرار نشود از جانب من . . . . تا آنکه جمله مقام بیابند(۱) -

(اللہ کی) یاد میں مشغول ہو جائے اور دوسری نماز کا منتظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز کا انتظار کرنے والا بھی گویا نماز میں ہے، پس جہاں کہیں بھی ہو اور جو کام بھی کرے میری (اللہ کی) یاد میں کرے ، پانچویں یہ کہ نیکوں کی صحبت میں بیٹھے اور بدوں اور غافلوں کی صحبت سے دور رہے - چھٹے یہ کہ مجھے (اللہ)، ہمیشہ ذکر سے یاد کرے - ساتویں یہ کہ میرے (اللہ کے) لیے بے قرار رہے . . . یہاں تک کہ (تصوف و عرفان) کے تمام مقامات کو پالے -

اتباع شریعت :

اتباع شریعت پر زور دیتے ہوئے اُمرا و سلاطین کو نصیحت کی کہ :

وحاجت من سوئے شما برائے دین وایمان شماست که گفتار من بشنوید ودر شریعت ثابت شوید ، و دیگر آدمیان را نیز بفرمائید ، تا در آں ثابت شوند برائےآنکه در اخلاص درآیند ، تا فرشتگاں درکتاب و درکتاب فرمانبرداری بسیار نیکی و احسان بنویسند (۲) -

میری غرض تم سے تمہارے دین و ایمان کے لیے ہے کہ میری بات سنو ، اور شریعت میں ثابت قدم ہو ، اور دوسرے آدمیوں کو بھی اس کے لیے کہو ، تاکہ وہ اس پر ثابت قدم ہوں ، اور اس طرح سے وہ اخلاص کو اختیار کریں ، تاکہ فرشتے کتاب میں اور نیکیوں

---

۱ - صراط التوحید صفحه ۸۳

۲ - ایضاً - صفحه ۸۸

کی کتاب میں ان کی بہت سی نیکیاں
اور احسان لکھیں۔

فضیلتِ عقل :

فضیلتِ عقل ، اور تفکر و تعقل کی برتری کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ :

از فضیلتِ عقل بشنو که رسول مقبول فرموده است ''العقل کل کرامة''، ودرجائے دیگر یاد کرده است ''العقل نور فی القلب یضرق به بین الحق و الباطل'' ، نیز مشائخ گفته اند رحمۃاللہ علیه العقل نور منور ، وعنه علم و حکمة و مطیعة لاصار مضل ولن یدخل فی خطیئة ، نیز جائے دیگر یاد کرده است ''العقل نور فی الدارین'' پس معلوم شد که همیں عقل است که آدمیاں بطاعت معبود می رسند ، ومطلوب می یابند و بمخالفت آں گمراه شوند ۔ حدیث قدسی ''خلقنا الملائکة مع العقل و بغیر الهواء النفس ، خلقنا الانعام بغیر العقل ومع الهواء النفس ، فکل انسان ان یعمل عملاً بطاعة العقل و بمخالفة هواء النفس فهو افضل عن الملائکة وکل انسان ان یعمل عملاً بمتابعة هواء النفس و بمخالفة العقل فهو اضل عن الانعام(۱)

عقل کی فضیلت کے متعلق سنو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل ہر بزرگی وشرف کا مرجع ہے ، اور دوسری جگہ فرمایا کہ عقل قلب میں ایک نور ہے ، جس کی روشنی میں انسان حق وباطل میں فرق کرتا ہے ۔

نیز مشائخ نے فرمایا ہے کہ عقل ایک نور منور ہے کہ جس سے علم و حکمت اور اطاعت کا وہ راستہ حاصل ہوتا ہے کہ آدمی گمراہ نہیں ہوتا ، اور کبھی غلطیوں میں نہیں پڑتا ۔

نیز دوسری جگہ فرمایا کہ عقل ایک روشنی ہے دونوں جہان میں ۔

پس ان احادیث و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عقل کی وجہ سے انسان معبود کی اطاعت تک پہنچتے ہیں ، اور مقصود کو پاتے ہیں ، اور اس کی مخالفت سے گمراہ ہوتے ہیں ۔

---

۱ ۔ صراط التوحید

حدیث قدسی میں ہے کہ ہم نے فرشتوں کو عقل دے کر بغیر خواهشاتِ نفس کے پیدا کیا ، اور ہم نے جانوروں کو بغیر عقل کے خواهشاتِ نفس کے ساتھ پیدا کیا ، پس جو آدمی اپنے عمل میں عقل کی متابعت کرے گا اور خواهشاتِ نفس کی مخالفت کرے گا وہ فرشتوں سے افضل ہے ، اور جو آدمی خواهشات نفس کی پیروی کرے گا ، اور عقل کی مخالفت کرے گا ، وہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے ۔

پیر بایزید کی تعلیمات کا خلاصہ :

هم نے پیر بایزید کی کتاب سے ان کی تعلیمات کے بہت سے اقتباسات اسی لیے پیش کیے هیں کہ ایک قاری کے سامنے ان کی شخصیت ، ان کے عقائد اور تعلیمات کا صحیح خاکہ آسکے ، اور وہ فیصلہ کرسکے کہ جو عقائد ان کی تعلیمات میں همیں نمایاں نظر آتے هیں ، کیا وہ اس کے مستحق هیں کہ ان کو ملحد یا زندیق کہا جاسکے ۔ وہ دوجہاں کی سیاھی جو عہدِ حاضر کے مؤرخوں نے محض حضرت اخوند درویزا کی کتابوں کو پڑھ کر ان کے منہ پر ملی ہے ، کیا واقعی یہ درویش اس کا مستحق تھا ۔ لیکن هم جس نتیجے پر پہنچے هیں وہ یہ ہے کہ هم سوائے انبیا کے کسی کو معصوم نہیں مانتے ۔ همیں پیر بایزید کی تعلیمات میں بعض کمزوریاں نظر آتی هیں ، لیکن ان کمزوریوں کی بنا پر ان پر الحاد و زندیقیت کا فتویٰ لگانا کسی طرح صحیح نہیں ۔ ''صراط التو حید'' کے مصحح جناب عبد الشکور خاں نے بایزید کی دعوت سلوک اور تعلیمات کا خلاصہ ''صراط التوحید'' کے ابتدا میں بعنوان تعارف دیا ہے ، جسے هم ذیلِ میں بجنسہ نقل کرتے هیں :

بایزید کی دعوت کن اصولوں پر مبنی تھی، اسے انھوں نے خود فارسی زبان میں ''صراط التوحید'' میں تفصیلاً بیان کیا ھے، اپنی اس دعوت میں انھوں نے بادشاھوں، امیروں اور قومی سرداروں سے خطاب کیا ھے، اور اس کے آغاز میں انھیں تین نصیحتیں کی ھیں، پہلی نصیحت عقل کی فضیلت اور خالقِ کائنات کی قدرت پر غور و فکر کرنے اور معرفت کے حصول میں کوشاں ھونے کے بارے میں ھے، دوسری نصیحت میں علمِ باطن کے حصول، ضرورتِ شیخ، شریعت کے اوامر و نواھی، اور تقویٰ اور خوف و رجا سے بہرہ ور ھونے پر زور دیا گیا ھے، تیسری نصیحت میں فرماتے ھیں کہ صراطِ مستقیم خود انسان کے قلب اور نفس کے درمیان ھے، چاھیے کہ انسان پہلے تزکیۂ نفس کرے۔ اسی نصیحت میں انھوں نے لوگوں کو اپنے مسلک میں لانے کی تلقین کی ھے، اور اپنے ھر مرید کے لیے حسب ذیل مراتب طے کرنے ضروری قرار دیے ھیں:

۱ - **شریعت:** شریعت کے اوامر و نواھی کی پوری پوری تقلید اور قرآنی احکام و سنت نبوی کی پیروی۔

۲ - **طریقت:** شرعی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسری عبادتوں کی طرف بھی توجہ دینا کیونکہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ھیں۔

۳ - **حقیقت:** جو انبیا علیھم السلام کا شیوہ ھے، اور یہ ایک لمحے کے لیے بھی ذکرِ خفی، طہارتِ قلب اور یادِ خدا سے خالی نہ رہا جائے۔

۴ - **معرفت:** جس کی بنیاد قوتِ عقل و فکر اور مشاھدے پر قائم ھے۔

۵ - **قربت:** جو بلند مراتب طے کرنے اور نفس پر قابو پالینے کا نام ھے۔

۶ - **وصلت :** انسان اپنی ھستی کو بھلا کر اپنے اندر صفاتِ الٰہی پیدا کر لے -
۷ - **وحدت :** توحید میں اپنے آپ کو فنا کر کے ذاتِ حق کو دل میں بسا لینا -
۸ - **سکونت :** محوو تحقیق کی آخری منزل -

یہ ھے ان کی تعلیم کا خلاصہ - بادی‌النظر کے لیے ممکن ھے کہ ان کے چند کلمات یا فقرے مثلاً—پنداشتم کہ خداے تعالیٰ‌وجود شریف—وھستی او با ھر چیز یکیست و یکے خواھد بود—ھیچ چیز از ھستی او جدا نمی دیدم—ھستئی من در ھستئی او می گداخت ، **و**غیرہ وغیرہ قابل اعتراض ھوں ، لیکن اس کا جائزہ صرف اھلِ تصوف ھی کر سکتے ھیں ، عوام اس سے بے بہرہ ھیں (۱) -

بایزید کی تحریک ایک مذھبی اور ملی تحریک تھی :

پیر بایزید نے اپنے مندرجہ بالا اصولوں پر دعوت دے کر لوگوں کو اپنا ھمنوا بنایا اور آھستہ آھستہ یہ تحریک ایک مذھبی اور ملی تحریک بن گئی - ھمیں اس تحریک کے پرچم تلے پٹھان بلا امتیاز قبائل و خاندان متحد نظر آتے ھیں - آفریدی ، مہمند ، خلیل ، اورک زئی ، بنگش اور یوسف زئی سب ھی نے متحد ھو کر پیر بایزید کی قیادت کو قبول کر لیا - وہ اس تحریک کے ذریعے سے پٹھانوں میں تزکیۂ نفس ، حسنِ اخلاق ، بلندیٔ سیرت و کردار ، تفکر و تعقل اور حصولِ علم کے جذبات کو ابھارنا چاھتے تھے - بعض لوگوں کا خیال ھے کہ وہ پٹھانوں میں تنظیم پیدا کر کے افغانوں کی ایک داخلی اور قومی حکومت قائم کرنا چاھتے تھے اور مغل جو ھندوستان میں غلبہ اور اقتدار حاصل کر چکے تھے ، ان کی غلامی سے اپنے علاقے کو آزاد رکھنا چاھتے تھے - ھماری رائے میں یہ خیال صحیح نہیں - یہ اور بات ھے کہ بعض اتفاقی واقعات کی وجہ سے ان کی مغلوں سے مخالفت ھو گئی تھی اور انھیں مغلوں کے خلاف جنگیں لڑنی پڑیں - ان جنگوں کے عوامل و محرکات کا تذکرہ ھم آیندہ اوراق میں 'پیر بایزید اپنے آئینے میں' کے تحت کریں گے -

---

۱ - ''صراط التوحید'' - تعارف - ص - ک - ل

تحریک روشنائی کا پہلا مرکز :

ابتدا میں پیر بایزید نے کوھستان کانٹری گرم(۱) (جنوبی وزیرستان) کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا - اس تحریک کو مستحکم اور استوار بنانے میں جن لوگوں نے پیر بایزید کا ساتھ دیا ، اس میں ان کے شاگرد مُلا ارزانی ، مُلا عمر ، مُلا علی محمد مخلص (قوم خویشگی) مُلا پاینده ، مُلا دولت اکوزئی اور مُلا دولت سہمند زئی خاص طور پر قابلِ ذکر ھیں -

کله ڈھیر ، علاقه ھشت نگر میں آمد :

صاحبِ تذکرة الابرار والاشرار کا بیان ھے که بایزید پہاڑی علاقوں سے نکل کر پشاور ھوتا ھوا ھشت نگر (تحصیل چارسده) پہنچا - اس جگه مُلا دولت خان سہمند زئی که اس شہر کے عابد ترین و زاھد ترین لوگوں میں تھا اور خدا داد جنّی کی اولاد سے تھا ، چند دن بایزید کی صحبت میں بیٹھا - چونکه ملا دولت معرفت کے علم سے بے بہره تھا ، وه با یزید کا معتقد ھوکر گمراه ھوا - اس کا نتیجه یه ھوا که اس علاقے کے لوگوں نے مُلا دولت کی عقیدت کی وجه سے بایزید کی اطاعت قبول کر لی اور با یزید موضع کله ڈھیر (غله ڈیڑ) میں مقیم ھوگیا (۲) -

---

۱ - ''یه قصبه بڑا پرانا ھے - کہتے ھیں که راجه اشوک اور کنشک کے زمانے میں بھی موجود تھا - چنانچه یہاں ان راجاؤں کے زمانے کے سکے بھی برآمد ھوئے ھیں - مسلمان یہاں ساتویں صدی سے آباد ھیں - اکثر آڑ مڑوں کا دعوئ ھے که ان کے آباؤ اجداد یمنی تھے اور محمود غزنوی کے زمانے میں یہاں آ کر آباد ھوئے تھے - کانٹری گرم کی آبادی اس وقت چھ سات ھزار کے قریب ھے - یه علاقه سطح سمندر سے ۵۲۹۷ فٹ بلند ھے - ٹانک سے ۸۳ میل دور اور رزمک چھاؤنی سے کوئی ۲۰ میل دور ھے - یہاں اڑمر اور برکی زیاده آباد ھیں '' - [ماهِ نو کراچی دسمبر ۶۳ ع صفحه ۳۲] (مضمون اقبال بنوی) -

۲ - تذکرة الابرار والا شرار - ص ۱۵۳

تحریک روشنائی کا دوسرا مرکز کلہ ڈھیر :

پیر بایزید کے قیام کی وجہ سے تحریک روشنائی کا دوسرا مرکز کلہ ڈھیر بنا ، جو اُس وقت ضلع مردان کا ایک حصہ تھا ۔

دعوت نامے :

حضرت اخوند درویزا کا بیان ھے کہ اسی علاقے میں مقیم ھوکر بایزید نے مختلف لوگوں کو اپنی تحریک کے قبول کرنے کے لیے دعوت نامے روانہ کیے(۱) ۔ حضرت اخوند درویزا نے بایزید کے علم و فضل اور طباعی و حاضر جوابی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ اگر ان کے شیخ نہ ھوتے تو ان کی رائے میں یہ سارا علاقہ گمراہ ھوجاتا ۔

اگر در آں ایام حضرت شیخنا دریں حدود نبودے معلوم نیست کہ فردے از افراد ایں مردم مسلمان ماندے ، زیراکہ ایں لعین در دلائل عقلی بحد غلو نمودے کہ ھیچ کدام از علماء از طریقۂ بحث وجدال را با او بسر نبردے (۲) ۔

اگر اس زمانے میں ھمارے شیخ ان حدود میں نہ ھوتے ، معلوم نہیں کہ ان لوگوں کے افراد میں سے کوئی فرد مسلمان رہتا یا نہیں ، اس لیے کہ یہ لعین (پیر بایزید) دلائلِ عقلی میں اس حد تک غلو کرتا تھا کہ کوئی بھی عالم بحث و مناظرے کے طریقے میں اس کے ساتھ چل نہ سکتا تھا ۔

وہ اس کے متبع شریعت ھونے کے بھی معترف ھیں ۔ اگرچہ وہ اس کے اتباعِ شریعت کو مکر و تلبیس قرار دیتے ھیں اور باطن میں اس کو کفر پر عامل بتاتے ھیں ۔

ایں شیطان صفت چوں عالم بودہ چنداں مکر و تلبیس نمودہ کہ سائر اعمالِ شریعت پیشہ گرفتہ و خود را

یہ شیطان صفت چونکہ عالم تھا ، اس نے اس قدر مکر و تلبیس اختیار کیا تھا کہ تمام اعمالِ شریعت کو

---

۱ ۔ تذکرۃ الابرار والاشرار ۔ صفحہ ۱۵۳ ۔

۲ ۔ ایضاً صفحہ ۱۵۱ ۔

متشرّع ساختہ ، و از اقوالِ ماتقدم انکارنمودہ ، حتیٰ کہ سائرِ دم را برو شفقت آمدہ (۱) -	اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھا اور اپنے آپ کو شرع کا پابند کیے ہوئے تھا ، بزرگوں کے اقوال سے انکار کرتا تھا ، یہاں تک کہ تمام لوگوں کو اس پر شفقت آتی تھی -

شیخ علی کو دعوت نامہ :

اخوند درویزا کا بیان ہے کہ بایزید نے یہ دعوت نامہ ان کے پیر حضرت سید علی غواص کو بھی بھیجا تھا - جب یہ دعوت نامہ انھیں ملا تو انھوں نے فرمایا کہ افغانوں پر ایک طاقت ور بلا نازل ہوچکی ہے، کیا معلوم کہ وہ اس بلا کی وجہ سے نابود ہوجائیں - اس علاقےمیں کوئی بادشاہِ اسلام نہیں ہے - دین کی توضیح علما سے ہے اور دین کی تقویت امرا سے ہے ، پس جب اس حدود میں باوجود تفحص کے علمائے اتقیا اور امرائے عظام کا انصاف معدوم ہے تو یہاں کے لوگوں کا حال معلوم ، اندیشہ ہے کہ یہ سب کفر و ضلالت میں پڑ جائیں گے - (۲)

سید علی غوّاص اور پیر بایزید کی ملاقات :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت سید علی غوّاص اور ان کے مرید اخوند درویزا ، پیر بایزید سے ملاقات کرنے اور مناظرہ کرنے ہشت نگر پہنچے - اخوند درویزا کا بیان ہے کہ میں اور میرے پیر ایک جماعت کے ساتھ ہشت نگر جا کر بایزید سے ملے - ملاقات کے بعد اس مرتد (بایزید) نے کہا کہ جس علاقے میں آپ مقیم ہیں وہاں پیر پہلوان رافضی، پیر ولی بڑیچ اور پیر طیب پہلے سے موجود ہیں ، ان سے نبٹے بغیر میرے پاس آنا کچھ مناسب نہ تھا - حضرت سید علی نے فرمایا کہ ظاہری اور صوری ہلاکت بادشاہوں کے ذریعے ممکن ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور ہلاکت باطنی اور معنوی کا تعلق علما سے ہے ، تو میں نے تمھیں

---

۱ - تذکرۃالابرار ولاشرار صفحہ ۱۵۳ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۵۱ -

ھلاک کر دیا ھے اور وہ اس طرح کہ میں نے تمھاری جماعت کے فساد و عناد کو تمام لوگوں پر واضح کر دیا ھے ، تاکہ اھلِ دین و دیانت تم سے احتراز کریں(۱)۔''تذکرۃ الابرار'' سے معلوم ھوتا ھے کہ ان گفت و شنید میں اخونددرویزا نے بھی حصہ لیا تھا ، چنانچہ وہ لکھتے ھیں کہ

بعنایتِ پیر دستگیر و بالطافِ خداوند قادرِ قدیر ایں فقیر چنداں تقریر و اسولہ واجوبہ می نمود کہ آں لعین و سائر مردم متحیر ماندند ، و بعجز خود معترف آمد و شرمندۂ عالم گشت ، اما از آنجا کہ ھوائے نفسانی برو غالب آمدہ وا غواء شیطانی برو مستولی گشتہ و ختم خاتمہ او بر شقاوت رفتہ بود مسلمان نشدہ (۲) ۔

پیر دستگیر کی عنایت اور خداوند قادر قدیر کی عنایت سے یہ فقیر اس سے اس قدر تقریر و سوال و جواب کرتا تھا کہ وہ لعین (پیر بایزید) اور تمام لوگ حیران رہ جاتے تھے (یہاں تک کہ) اس نے اپنے عجز کا اعتراف کیا اور عالم سے شرمندہ ھوا ، لیکن اس بنا پر کہ ھوائے نفسانی اس پر غالب تھی اور اغوائے شیطانی اس پر مستولی تھا اور اس کا خاتمہ شقاوت پر مقدّر ھوچکا تھا ، مسلمان نہ ھوا ۔

مغلوں سے جنگ (جنگ ھشت نگر) :

اخوند درویزا کا بیان ھے کہ یہ دعوت نامہ کابل کے لوگوں کو بھی بھیجا گیا تھا ۔ کابل کے مغل صوبہ دار محسن خاں نے حضرت سید علی ترمذی اور حضرت اخوند درویزا کی مدد سے بایزید پر لشکر کشی کی ۔ ۹۷۰ ھ سے ۹۸۰ھ تک تقریباً دس سال لڑائیوں کا سلسلہ جاری رھا ، یہاں تک کہ آخری جنگ میں با یزید گرفتار ھوئے ، ان کے ایک گیسو کو کاٹ کر انھیں کابل کے جیل خانے میں ڈال دیا گیا ۔ اخوند درویزا کا بیان ھے کہ چند دن کے بعد انھوں نے تین سو مثقال سونا اور ایک

---

۱ ۔ تذکرۃ الابرار والا شرار ۔ صفحہ ۱۵۲ ۔
۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۵۲ ۔

کنیز بعض وزرا کو رشوت میں دے کر رھائی حاصل کی ، لیکن عبدالشکور صاحب مصحح صراط التوحید اپنے دیباچے میں لکھتے ھیں کہ

> بایزید کو قید ھوئے تھوڑا ھی عرصہ گزرا تھا کہ وہ اپنے روحانی عقیدت مندوں کی مدد سے وھاں سے رھائی پانے میں کامیاب ھوگئے -

جنگ تیراہ :

بایزید کابل سے رھا ھوکر ننگرھار میں راجپور پہنچے ، اور وھاں کے لوگوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا - پھر وھاں سے وہ ھشت نگر پہنچے اور وھاں کے لوگوں میں تنظیم پیدا کرکے کوہ توئی میں آئے - آخر میں انھوں نے اپنی توجہ کا مرکز کوھستان تیرہ کو بنایا اور تیرہ روشنائی تحریک کا عظیم مرکز بن گیا اور یہیں سے وہ وقتاًفوقتاً مغلوں کا مقابلہ کرتے رھے - آخر انھوں نے صوبے دار محسن‌خان کے لشکر کو شکست دے کر تیرہ کے علاقے کو اپنے مخالفین سے بالکل خالی کرا لیا - کوہ تیرہ کی لڑائی میں بایزید کے (۳۲۰) ساتھی مارے گئے - (۱)

جنگ توراغہ :

اس کے بعد بایزید نے اپنے لشکر کو منظم کرکے اور چند ھزار پیادوں اور سواروں کو ساتھ لے کر ننگرھار کی طرف سے کابل کے مغل صوبہ دار محسن خاں پر حملہ کر دیا - مغلیہ فوجیں دریائےکابل اور سرخ رود کے کناروں پر مخالف لشکر کی منتظر تھیں - بایزید نے موضع بڑو کو اپنی آماجگاہ بنایا - آدھر محسن خاں جلال آباد سے کچھ سواروں کو ساتھ لے کر نکلا - شنواری علاقے میں توراغہ کے مقام پر دونوں فریقین میں بڑی زور کی جنگ ھوئی (۲) -

بایزید کی وفات :

اس جنگ میں بایزید کو شکست ھوئی اور آن کا لشکر منتشر ھوگیا-

۱- تذکرۃ الابرار والا شرار صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۴

۲- صراط التوحید - تعارف - صفحہ م

خود بایزید کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی ۔ اخوند درویزا کا بیان ھے کہ راستے کے مصائب اور پیاس کی شدت نے اس کے جگر کو جلا دیا ۔ یہاں تک کہ موضع کالا پانی (کلیانی) پہنچ کر لعنت کے ساتھ اس نے اس دارالفنا سے دارالبقا کی طرف رحلت فرمائی اور اس کی لاش کو ھشت نگر میں دفن کیا گیا (۱)۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اپنے ایک مضمون ''شیخ العالم میاں شیخ درویش'' کے ضمن میں ''تذکرۃ الانصار'' کے حوالے سے لکھا ھے کہ جس وقت آپ محسن خان کی مغلیہ فوج کے خلاف جنگ کر رھے تھے تو آپ کو زھریلا بخار آ گیا (بہ حرارت مسموم) اور ۹۸۰ھ میں وفات پائی اور بنوں کے نواح میں ھودک نامی مقام پر دفن کیے گئے(۲) ۔

عبدالشکور صاحب مصحح صراطالتوحید نے اپنے تعارف میں بایزید کا سنہ وفات ۹۳۳ھ (۱۵۸۵ع) قرار دیا ھے اور وفات کے وقت ان کی عمر ۶۱ سال بتائی ھے ۔

بیوی :

حضرت اخوند درویزا نے ''تذکرۃالابرار والا شرار میں بایزید کے نسب ، ان کی بیوی اور ان کی اولاد کی تفصیلات بھی بیان کی ھیں ۔ وہ بایزید کی ابتدائی زندگی پر روشنی ڈالتے ھوئے لکھتے ھیں کہ

> اے فرزند . . . قندھار کے حدود میں ایک موضع ھے کانی گرم ، چند قبائل افغانان اڑمر اور انصاری وغیرہ اس میں آباد ھیں ۔ وھاں کے لوگوں سے سنا گیا ھے کہ یہ انصاری اصل میں افغانی نہیں ۔ بلکہ بعض اس میں سے اپنے آپ کو قریشی کہتے ھیں اور بعض اپنے آپ کو حضرت یونس پیغمبر کی اولاد میں بتاتے ھیں ۔ چونکہ عجم میں انساب مخلوط ھیں اور کوئی امتیاز نہیں اس لیے حقیقتِ نسب معلوم نہیں ۔ لیکن اس قبیلے کے اکثر

---

۱ ۔ تذکرۃالابرار والا شرار صفحہ ۱۵۵

۲ ۔ اورینٹل کالج میگزین ماہِ فروری ۱۹۵۵ع صفحہ ۵۹

لوگ اہلِ صلاح و اہلِ تقویٰ ہوتے ہیں چونکہ خدائے تعالیٰ
کی ہدایت انساب پر نہیں ہے اور اکثر پیغمبروں کی اولاد کافر
ہوگئی اور شرفِ اولادی سے باہر نکل گئی ہے اور نہ راہِ راست
کے حصول کا شرف زہد و عبادت پر موقوف ہے - کیا تم نے
قصۂ شیخ صنعان کو نہیں سنا کہ ریاضت میں انتہائی جدوجہد
کی اور آخر میں کافر ہوا - اسی طرح پیر تاریک (بایزید) نے
بھی ابتدائی حالات میں بیحد ریاضت کی تھی لیکن آخر میں کفر
کی وجہ سے دور جا پڑا اور صراطِ مستقیم موقوف علم پر نہیں -
کیا تم نے نہیں سنا کہ بوعلی سینا اہلِ منطق کا امام تھا اور
علم کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا اور آخر میں گمراہ ہوگیا - اسی طرح
بایزید نے بھی بہت علم حاصل کیا تھا لیکن ہدایت
باری تعالیٰ اس کے فضل پر موقوف ہے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنے
پر ہے بغیر کسی بحث و دلیل کے - پس اسی انصاری قبیلے
میں سے ایک شخص تھا عبداللہ صاحبِ علم و صلاح جو
اس شہر میں مدرس تھا - عبداللہ نے اپنے ایک شاگرد مُلاپائندہ
نامی کو انتہائے کمال پر پہنچایا - یہاں تک کہ درس وتدریس
کا کام اس کے سپرد کیا - یہ وہ زمانہ تھا جب ہجرت سے
نو سو سال گزر چکے تھے - عبداللہ نے اپنے فرزندوں میں سے
ایک کو جس کا نام بایزید تھا تعلیم کے لیے ملاپائندہ کے سپرد
کیا - ملا پائندہ نے انتہائی جد و جہد سے اس کو علوم کی
تعلیم دی - جب بایزید بالغ ہوا تو تاجروں کی ایک جماعت کے
ساتھ سمرقند گیا اور وہاں سے اپنی مالی استطاعت کے مطابق
تجارت کے لیے گھوڑے خرید کر لایا - وہاں سے ہندوستان آیا
جب وہ جالندھر پہنچا تو اس نے لودھی افغانوں کی ایک لڑکی
شمسی نامی سے شادی کی - وہیں اس کی ملاقات مُلاسلیمان
نامی ایک شخص سے ہوئی اور وہ چند دن اس کی صحبت میں

رھا ۔ اس نے اس کو کافرِ مطلق بنا دیا ۔ وھیں اس نے جوگیوں کے ساتھ نشست و برخاست اختیار کی اور عقیدۂ تناسخ اور اوتارجوگیوں کو اپنے دل میں متمکن کر لیا ۔ جب (بایزید) کے سب سے بڑا لڑکا پیدا ھوا تو وہ اپنے وطن واپس لوٹا اور وھاں اس نے اپنے کفرِ خفی کو لوگوں پر ظاھر کیا ۔ اس کے ماں باپ نے جب اس کے یہ عقیدے سنے ، تو اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا ، جس کی وجہ سے اس کو زخم کاری پہنچے ، یہاں تک کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ مر گیا ھے ۔ لیکن وہ بچ گیا اور اس نے توبہ کی اور تجدیدِ ایمان کی ۔ آخر وھاں سے بھاگ کر براہِ کابل ننگرھار آیا(۱) ۔

اولاد :

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے بحوالۂ "تذکرة الانصار" لکھا ھے کہ بایزید کے پانچ بیٹے تھے ۔ پہلے شیخ عمر ، دوسرے کمال الدین ، تیسرے شیخ نورالدین ، چوتھے شیخ خیرالدین ، پانچویں شیخ جلال الدین ۔ یہ پانچوں بیٹے بی بی شمسی کے بطن سے تھے ۔

ان کے اس مضمون سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ بایزید کے ایک اور بیوی بھی تھی جس سے ایک لڑکا تھا ۔ جس کا نام شیخ دولت تھا ۔ لیکن اس کا انتقال بچپن ھی میں ھوگیا تھا (۲) ۔

اخوند درویزا کے تذکرے "تذکرةالابرار والاشرار" سے بھی اس کی تائید ھوتی ھے کہ ان کے پانچ بیٹے تھے اور ان لڑکوں کے وھی نام انھوں نے بھی دیے ھیں ، جو نام ڈاکٹر محمد جہانگیر نے لکھے ھیں(۳) 'حالنامہ' میں ھے کہ بی بی شمسی کی بہن نے جب کہ ان کا لڑکا عمر شکمِ مادر

---

۱ ۔ "تذکرة الابرار والا شرار" ۔ صفحہ ۱۳۶—۱۳۷

۲ ۔ "اورینٹل کالج میگزین" ماہِ فروری ۱۹۵۵ء مضمون شیخ العالم میاں درویش صفحہ ۵۹

۳ ۔ "تذکرةالابرار والا شرار" صفحہ ۔ ۱۰۵

میں تھا خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ھے کہ بایزید کے گھر لڑکا پیدا ہوا ھے - اس کا نام عمر رکھو - اس نے یہ خواب بایزید سے بیان کیا ، چنانچہ بایزید نے اس کا نام عمر رکھا - (۱)

نیابت :

حضرت اخوند درویزا کا بیان ھے کہ پیر بایزید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد عمر اس کے منصبِ خبیث پر بیٹھا اور وہ بھی اپنے باپ کی طرح لوگوں کو گمراھی اور ضلالت کی دعوت دینے لگا - اس نے بھی اپنا پیشہ اپنے باپ کے طریقے کے مطابق لوٹ مار کو بنایا - کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنے باپ کی ھڈیوں کو قبر سے نکال کر ایک صندوق میں رکھا اور انھیں اپنے ساتھ لیے لیے پھرنے لگا اور یہ لعین اپنی جہالت و گمراھی سے اپنے آپ کو افغانوں کا بادشاہ تصور کرتا تھا - یہاں تک کہ یوسف زئی قبیلے کے لوگوں نے اس کی اطاعت کی ، بلکہ بعض تو اس کے دین میں داخل ھوگئے اور اسے عُشر و خراج دینے پر راضی ھوگئے مگر حمزہ خاں اکوزئی نے اس کی اطاعت کو خلافِ دین و ایمان سمجھ کر اس کی اطاعت نہیں کی - یہاں تک کہ اس ملعون و بے عقل (شیخ محمد عمر) نے اس پر لشکر کشی کی اور حمزہ خاں کے مویشی لوٹ کر لے گیا(۲) -

محمد عمر اور حمزہ خاں کی جنگیں :

اس وقت حمزہ خاں غصے اور غیرت سے مشتعل ھو کر جنگ کے لیے نکلا - پہلی جنگ سرکاوے میں لڑی گئی جس میں اس کافر کو فتح ھوئی - دوسری جنگ موضع مینئی میں لڑی گئی ، یہاں بھی اسی لعین (محمد عمر) کو فتح ھوئی - تیسری جنگ موضع باڑہ تونول میں دریائے سندھ کے کنارے لڑی گئی - یہاں فتح حمزہ خاں کو ھوئی - شیخ عمر اور اس کا بھائی خیرالدین دلازاک قبیلے کے لوگوں کے ھاتھوں دوزخ میں پہنچے اور نورالدین بھاگ کر مہمند زئی قبیلے کے ھاتھوں دوزخ میں پہنچا(۳) -

---

۱ - حالنامہ مائیکروفلم - صفحہ ۱۱۰

۲ - ''تذکرۃ الابرار والا شرار'' صفحہ ۱۵۵

۳ - ایضاً صفحہ ۱۵۵

جلال‌الدین یا جلالہ :

چوتھا لڑکا جلال الدین یا جلالہ جو اس جنگ میں زخمی ہونے کے بعد دریائے سندھ میں کود گیا تھا ، چونکہ اس کی قضا نہ تھی وہ دریا سے نکل کر مندنڑ قبیلہ امان زئی کے لوگوں کے ہاتھ پڑا ۔ چونکہ جلالہ ابھی لڑکا تھا اور شکل و صورت کے لحاظ سے بہت خوب صورت تھا اس کی جوانی و خوبصورتی اور اس کی کم سنی پر رحم کھا کر مخالفین نے اسے قتل نہیں کیا ، بلکہ اسے زندہ لے جا کر اکبر کے سامنے پیش کیا جو اس وقت اٹک میں تھا ۔

صاحب ''تذکرۃالابرار والا شرار'' کا بیان ہے کہ کفار کا تمام لشکر یوسف زئی قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بایزید کے بیوی بچے قید کیے گئے ۔ بایزید کی بیوی کو ایک میراثی کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ باندی سمجھ کر اس سے متمتع ہو ۔ بایزید کی ہڈیوں کا وہ صندوق جسے اس کا لڑکا شیخ عمر بطور تبرک ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا ، اس کو توڑ کر بایزید کی ہڈیوں کو جلایا گیا اور بعض ہڈیوں کو دریا میں پھینک دیا گیا(۱)

جلالہ قید و بند میں :

جلالا ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ء) میں اکبر کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اکبر نے سیاسی مصالح کی بنا پر اسے نہایت عزت و احترام سے رکھا ، لیکن اس کے دل میں اپنے باپ کا جذبہ کارفرما تھا ۔ وہ اپنی جماعت کو بغیر قیادت کے چھوڑنا پسند نہ کرسکا ۔ چنانچہ وہ موقع پا کر کچھ دن کے بعد ھی اکبر کے ھاتھوں سے نکل کر بھاگ کھڑا ھوا اور تیراہ میں پہنچ کر اس نے دوبارہ اپنی جماعت کی تنظیم کی اور وہ مغلوں کی مخالفت میں پھر معرکہ آرا ھوا(۲) خود حضرت اخوند درویزا کا بیان ھے کہ اس زمانے میں‌ملک میں اکبر کا دشمن اس سے بڑا کوئی نہ تھا ۔ جلالہ کے مقابلے میں اکبر و جہانگیر کی ناکامیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ھیں کہ :

---

۱ ۔ تذکرۃالابراروالاشرار ۱۵۵—۱۵۶

۲ ۔ ایضاً صفحہ ۱۵۸

ہر چند اکبر بادشاہ جہد نمودہ ، بل بعد ازوشاہ سلیم بادشاہ جہد نمودہ ، ایں جاعۂ متمرداں را نابود نساختہ وراہ خیبر ورعایا وفقراحدود کابل را ازمکائد این ملعون مامون نگردانیدہ(۱) -

جلالہ کی وفات :

حضرت اخوند درویزا کا بیان ہے کہ آخر وہ وقت آیا کہ جلال الدین (جلالہ) نے غزنیں کو تاخت و تاراج کیا اور اس خطے کے مومنین کو قتل کیا ، چونکہ خدا کا فضل نو ہزار نوے اولیائے غزنین کی برکتوں کی وجہ سے شاملِ حال تھا ہزارہ کے لوگوں نے اطراف و جوانب سے اس پر حملہ کیا اور بقول ان کے تمام لشکرِ کفار جہنم واصل کر دیا - جلال الدین اسی لڑائی میں مارا گیا - اس کا سر ہندوستان اکبر کے دربار میں بھیجا گیا اور اس کے دھڑ کے دو ٹکڑے کرکے نصف دھڑ کو دراۂ کابل پر اور نصف دھڑ کو دروازاۂ غزنی پر لٹکایا گیا ، تاکہ زمانے بھر کے درویش اس کی کیفیت اور حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں(۲) -

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اپنے مضمون شیخ العالم میاں شیخ درویش کے ضمن میں بہ حوالہ ''تذکرۃ الانصار'' جلالہ کے حالات اور کیفیتِ وفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''اکبر نامے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) سے ۹۹۶ھ (۱۵۸۷ء) تک ، جلال الدین اورک زئی اور آفریدیوں کی مدد سے اکبر کی فوجوں سے علی مسجد ، جمرود اور تیراہ میں لڑتا رہا - تیراہ کی جنگ میں اسے بہت زیادہ نقصان پہنچا ، کئی قبائل قید ہوگئے اور یہ توران چلا گیا - . . . ۱ھ میں واپس آیا اور ایک بڑا ہنگامہ بپا کیا - یہ ہنگامہ دو سال تک رہا ، یہاں تک کہ اکبر اپنی افواج کے

---

۱ - ''تذکرۃالابرار والا شرار'' - صفحہ ۱۵۸ -
۲ - ایضاً -

ساتھ رھتاس میں آ بیٹھا اور اس کے اھل کاروں نے جلال الدین
پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا - تیراہ کی جنگ میں‌شکست کھا کر
جلال‌الدین کافرستان کو بھاگ گیا ، وھاں سے واپس آیا اور
وفات پائی(۱) -"

تحریکِ روشنائی کا آخری علم بردار شیخ احداد :

ایسا معلوم ھوتا ھے کہ جلال‌الدین (جلالہ) کی وفات کے بعد بھی
اس تحریک نے دم نہیں توڑا اور پیربایزید کے پوتے یعنی شیخ عمر کے
لڑکے نے تحریک کی قیادت کو سنبھال لیا - چنانچہ حضرت اخونددرویزا
اس پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے لکھتے ھیں :

اما حکمت غامضۂ باری تعالیٰ معلوم
نیست که در شانِ این کفار چه
خواسته است که نابود نمیگرداند ،
فقراء مومناں را از ایشاں مامون نمی
دارد ، باز پسر شیخ عمر احداد نام
خروج نموده در کوه تیراه جماعه
دزدان و لوندان را جمع آورده برسم
پدر و جد خود فساد و عناد پیش
آورده و مملکت بسیار را خراب و
ویران ساخته(۲) -

لیکن خدائے تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت
معلوم نہیں کہ ان کفار کے حق
میں کیا چاھتی ھے کہ ان کو نابود
نہیں کرتی اور فقرائے مومنین کو
ان سے مامون نہیں رکھتی -
اس کے بعد شیخ عمر کے لڑکے
احداد نامی نے خروج کیا اور تیراہ
میں چوروں اور لفنگوں کی ایک جماعت
کو جمع کرکے اپنے باپ دادا کی رسم
کے مطابق فساد و عناد کو اختیار کیا،
اوربہت سی مملکتوں کوخراب اورویران کیا۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے لکھا ھے کہ :

"احداد نے ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ع) تک آفریدی ، تنی اورک زئی ،
اور سوری افواج کے ساتھ اکبر بادشاہ سے جنگ کی ، اس اثنا
میں میاں جلال‌الدین کے لڑکے رشید خاں اور ھادی داد خاں

---

۱ - "اورینٹل کالج میگزین" ماہِ فروری ۱۹۵۵ع صفحہ ۶۰ -
۲ - "تذکرۃ الابرارِ والا شرار" - صفحہ ۱۵۸ -

اور ان کے چچا میرزا نور الدین کا بیٹا میرزا خان جس نے افغانی زبان میں ''دیوانِ میرزا'' مرتب کیا تھا ، ھندوستان آ گئے اور شاہِ وقت یعنی جہانگیر سے امیرانہ مناصب حاصل کیے - چنانچہ (اسی وقت سے) ان بزرگوں کی اولاد میں انحطاط آ گیا اور امیرانہ مناصب لے کر بیٹھ گئے ، اس‌وقت احداد نے جہانگیر کو لکھا کہ اگر ہماری طرف سے کوئی مرتا ھے تو وہ شہید ہوتا ھے اور اگر مارتا ھے تو غازی ، لیکن اگر کوئی تمھاری طرف سے مرتا ھے تو وہ جہنم میں داخل ھوتا ھے اور مارنے والا خونی اور واجب القتل تصور ھوتا ھے - یہ بھی لکھا کہ ذرا اپنا شاھنامہ کھول کر تو دیکھ تجھے معلوم ھو جائے گا کہ سلطان ابوسعید تیموریہ کی دختر کس صاحبِ حال سے بیاھی گئی تھی - ھم اسی بزرگ کی اولاد میں سے ھیں اور اسی لیے وارثِ مملکت ھیں - جہانگیر نے فوج کشی کی اور احداد لڑتے لڑتے مارا گیا - احداد نے اس واقعے سے سلطنتِ ھند میں اپنے خاندان کے اشتراک کا جو دعوی کیا ھے اس کی تفصیل یہ ھے کہ :

ایک دفعہ سلطان ابوسعید والیٔ ترکستان بیمار ھوگئے - جب بیماری حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مردمانِ شاھی نے فقرا کی طرف رجوع کیا - زید آقا برادر بابا شہباز اس زمانے میں توران گئے ھوئے تھے - یہ ان کے پاس پہنچے اور دعا کے لیے درخواست کی - انھوں نے کہا کہ اگر صحت یابی کے بعد سلطان اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دے تو میں دعا کروں گا - سلطان نے یہ بات منظور کر لی - لیکن جب سلطان کو صحت ھوگئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا - اس کی بیماری پھر عود کر آئی - امرا پھر زید آقا کے پاس آئے ، انھوں نے پھر وھی وعدہ لیا - چنانچہ اس مرتبہ یہ وعدہ سلطان کی صحت یابی کے بعد پورا ھوا اور سلطان نے اپنی لڑکی کی شادی ان سے کردی -

اس نکاح سے ایک لڑکی پیدا ہوئی - زید آقا کی وفات کے بعد ان کی بیوہ ان کے بھائی بابا شہباز کے عقد میں آئی اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم تھا - اس کے بعد بابا شہباز سلطان ابوسعید کی لڑکی اور اپنے بھائی کی لڑکی کو مستوی لے آئے -

باباشہباز نے زید آقا کی لڑکی کی شادی اپنی دوسری بیوی کے لڑکے محمد شیخ کے ساتھ کر دی - اس عقد سے محمد خیل اور پیر روشان کا سلسلہ چلا ، زید آقا کا مزار امیر تیمور کے مقبرے کے پاس سمرقند میں ھے (۱) -

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت واضح طور پر ھمارے سامنے آتی ھے کہ مغلوں کی مخالفت میں مضمر ان کی وہ ذاتی کد بھی تھی جو انھیں خاندانی حیثیت سے مغلوں سے تھی اور وہ اپنے آپ کوحکومت میں مغلوں کا شریک و سہیم سمجھتے تھے- لیکن پیر روشان دور اندیش تھے، انھوں نے اپنی ساری تحریک کو اصولی طور پر چلایا اور کبھی مغلوں سے اپنی خاندانی چشمک اور پرخاش کو ظاھر نہیں ھونے دیا - وہ سمجھتے تھے اگر ذرا بھی اس تحریک میں ذاتی مخالفت کا رنگ آ گیا ، تو پھر یہ تحریک آگے نہ بڑھ سکے گی -

ان کے پڑپوتے شیخ احداد نے جس میں پیرروشان کی سی عاقبت اندیشی نہ تھی اپنے خط میں جو انھوں نے جہانگیر کولکھا ، اس ذاتی عداوت کی طرف بھی اشارہ کردیا جو سالہا سال سے سینوں میں چھپی چلی آ رھی تھی -

تحریک روشنائی کا خاتمہ :

احداد کی وفات کے بعد اس کے لڑکے عبدالقادر نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور وہ بھی مارا گیا - اس کی لڑکی کی شادی شاہ جہاں نے سعداللہ خاں

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''اورینٹل کالج میگزین'' لاھور بابت ماہ فروری ۱۹۵۵ ع بہ عنوان شیخ العالم میاں شیخ درویش ، مضمون ڈاکٹر محمد جہانگیر سے ماخوذ ھے -

وزیر مملکت سے کر دی - "شاھجہان نامہ" میں لکھا ھے کہ ۱۰۴۷ ھ (۱۶۳۷) ع یعنی گیارھویں سال جلوس میں سعید خاں نے بڑی کوشش کے بعد احداد کے خاندان میں سے محمد زماں پسر پیر داد ولد محمد زماں نواسۂ احداد اور علامی بیوۂ احداد اور والدہ عبدالقادر کو پکڑ کر شاھجہاں کے دربار میں بھجوا دیا - بادشاہ نے انھیں معاف کر دیا اور محمد زماں اور صاحب داد کو خلعت اور اسپ دے کر رشید خاں کے پاس جو احداد کے چچا کا بیٹا اور تلنگانے کا حاکم تھا بھیج دیا اور اسی سال کریم داد پسر جلال الدین مارا گیا اور اس کے اھل گرفتار ھوئے (۱) -

پیر با یزید اپنے آئینے میں

یہاں تک ھم نے پیر بایزید کے سوانحی حالات کے ٹکڑے مختلف کتابوں سے دیے ھیں - اب ھم ان کے حالات ان کی خود نوشت سوانح حیات "حالنامے" سے لکھتے ھیں - یہ کتاب ان کی زندگی پر سب سے زیادہ مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ھے - جس میں ھمیں ان کے قلم سے ان کی زندگی کے حالات ، ان کی تحریک اور ان کی تعلیمات کے مختلف پہلو ملتے ھیں - یہ وہ آئینہ ھے جس میں ان کی زندگی کا عکس نہایت صاف اور واضح نظر آتا ھے اور ایک قاری کو ان کی زندگی اور ان کی تعلیمات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ھے -

نام و نسب :

"حالنامے" میں ھے کہ پیر بایزید کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رض صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا ملتا ھے - صاحب حالنامہ نے اپنا سلسلۂ نسب اس طرح سے لکھا ھے :

شیخ بایزید ابن عبداللہ قاضی ابن شیخ محمد ابن شیخ بایزید ھرندہ ابن شیخ محمد ابن شیخ سراج الدین ابن چراغ الدین ابن شیخ مولانا ابراھیم دانشمند ، ابن شیخ زادہ حمزہ ابن خواجہ

---

۱ - "اورینٹل کالج میگزین" ماہ فروری ۱۹۵۵ صفحہ ۶۰ - ۶۱

محمود ابن شیخ . . . ابن شیخ شمس الدین ابن شیخ خلیل ابن
شیخ لقمان ابن شیخ خدا داد ابن شیخ منصور ابن شیخ محمد ابن
خواجه زید احمد انصاری ابن شیخ منصور محمد ابن شیخ احمد
ابن شیخ زاده ابن خواجه ابو ایوب انصاری (۱) -

ابتدائی حالات :

حالنامے میں پیر بایزید کے ابتدائی حالات جو ہمیں ملتے ہیں
ہم انہیں اختصار سے پیش کرتے ہیں - پیر بایزید کے والد کا نام عبداللہ
اور ان کی ماں کا نام بی‌بی ایمنه تھا - ایمنه کے والد کا نام ابوبکر اور ان
کے دادا کا نام عبداللہ تھا - پیر بایزید کے دادا اور ایمنه کے دادا دونوں
حقیقی بھائی تھے - کہتے ہیں کہ بی‌بی ایمنه کے والد ابوبکر نے سات حج
کیے تھے اور مردِ منعم اور صاحبِ دولت تھے - ان کا وطن جالندھر تھا -
ابوبکر کے ایک منکوحه بیوی اور ایک کنیز تھی - منکوحه بیوی سے ایک
لڑکی ایمنه تھی اور کنیز سے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی - پیر بایزید کے
دادا شیخ محمد کا وطن کوھستان میں کانی گرام تھا - وہ ایک مرتبه تجارت
کے لیے ھندوستان آئے ، جب جالندھر پہنچے تو ابوبکر کے گھر میں مہمان
ہوئے اور چند روز ان کے ہاں مقیم رہے - ابوبکر کے گھر والوں کے
طور و طریق ان کو پسند آئے - شیخ محمد کے بارہ لڑکے تھے - انھوں نے
چاہا کہ وہ شیخ ابوبکر کی منکوحه بیوی کی لڑکی اپنے لڑکے کے لیے
مانگیں - شیخ محمد نے کئی عورتوں کے ذریعے سے اپنے لڑکے کا پیغام
شیخ ابوبکر کے پاس بھیجا - مگر اس نے ہر مرتبه یہی جواب دیا کہ
میری منکوحه بیوی سے صرف ایک لڑکی ھے - میں اسے کوھستان میں
بیاہ کر پردیسی بنانا نہیں چاہتا - جب شیخ محمد نے دیکھا کہ اس طرح
کام نہیں چلتا تو وہ ایک روز خود ابوبکر کے گھر گئے اور کہا میں پیاسا
ہوں ، خادم پانی لایا - مگر انھوں نے پانی نہ پیا - پھر انھوں نے کہا

---

۱ - ”حالنامه قلمی“ مملوکه پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاھور -
صفحه ۲ - ۳ -

کہ میں تشنہ ہوں ۔ خادم گھر میں گیا اور پانی میں شکر ملا کر لایا لیکن پھر بھی انھوں نے نہیں پیا اور کہا کہ میں مشتاق ہوں ۔ خادم تیسری مرتبہ گھر میں گیا اور نہایت عمدہ شربت بنا کر لایا لیکن پھر بھی انھوں نے نہ پیا اور کہا کہ میں پیاسا ہوں ۔ خادم نے تنگ آ کر کہا کہ میں پانی شربت وغیرہ سب کچھ آپ کے لیے لایا ، مگر آپ نہیں پیتے اور یہی کہے جاتے ھیں کہ میں پیاسا ھوں ۔ شیخ محمد نے جواب دیا کہ میں پانی کا پیاسا نہیں ھوں بلکہ میں تو نسبت کا مشتاق ھوں ۔ خادم نے شیخ ابوبکر سے جا کر کہا ۔ شیخ ابوبکر نے جواب دیا کہ تم اپنے لڑکے کو یہاں بلا لو تو میں نسبت کر دوں گا ، ورنہ میں اتنی دور اپنی لڑکی کو پردیس نہ بھیجوں گا ۔ شیخ محمد نے یہ بات قبول کر لی ۔ اس کے بعد ابوبکر نے مبارکباد دے دی اور اس موقع پر لین دین کی جو رسم ہوتی ھے ، وہ بھی ادا کر دی ۔ پھر شیخ محمد کوھستان آئے اور انھوں نے اس نسبت کا حال گھر میں بیان کیا ۔ گھر والوں نے اس نسبت پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی ۔ پھر شیخ محمد نے اپنے ایک لڑکے کو ھندوستان بھیجا ۔ جب وہ جالندھر پہنچا تو حاجی ابوبکر کے گھر میں مہمان ھوا اور چند دن کے بعد حاجی ابوبکر نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی ۔ شادی کے بعد وہ چند سال جالندھر رھا اور اس کے بی‌بی ایمنہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ھوئی ۔ شادی کے چند سال بعد شیخ محمد کے لڑکے کا انتقال ھوگیا ۔ جب شیخ محمد کو اپنے صاحبزادے کی وفات کی اطلاع کوھستان میں ملی تو انھیں بےحد صدمہ ھوا ۔ اس کے چند دن بعد شیخ محمد کا دوسرا لڑکا عبداللہ ھندوستان گیا اور اس نے جالندھر پہنچ کر اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی کرلی ۔ چند ماہ کے بعد پیر بایزید کی ولادت ھوئی ۔

ایک خواب :

اسی زمانے میں جب کہ بی‌بی ایمنہ حاملہ تھیں کسی نے خواب میں دیکھا کہ عبداللہ کے گھر میں چراغ منور ھوا ۔ اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ عبداللہ کے گھر میں لڑکا پیدا ھوگا ، پھر کسی نے واقعہ کی صورت میں دیکھا کہ کسی نے کہا کہ عبداللہ کے گھر میں لڑکا پیدا

ہوگا اس کا نام سراج الدین رکھنا کہ وہ دین کا چراغ ہوگا - جب پیر بایزید پیدا ہوئے تواس شخص نے جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا ان کے والد عبداللہ سے کہا کہ اس کا نام سراج الدین رکھو کہ وہ دین کا چراغ ہوگا - عبداللہ نے جواب دیا کہ اگر میں اس کا نام سراج الدین رکھوں تو چونکہ میری قوم سراج الدین کی اولاد سے ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میری قوم اس پر غیرت کرے گی اور خدا جانے کہ وہ سراج الدین کے مرتبے کو پہنچے گا بھی یا نہیں - پس بہتر یہ ہے کہ میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر بایزید رکھوں ، چنانچہ عبداللہ نے ان کا نام بایزید رکھا -

عبداللہ کی کوہستان میں واپسی :

ابھی پیر بایزید چالیس دن کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد عبداللہ نے بعض حالات کے تحت اپنے وطن کوہستان جانے کا ارادہ کیا اور اپنی بیوی سے کہا اگر تم چاھو تو میری ساتھ کوہستان چلو - اس کی بیوی نے جواب دیا کہ میں ہندوستان کے رسم و رواج سے واقف ہوں اور کوہستان کے رسم و رواج سے بالکل ناواقف ، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیجیے اور خرچ دیتے رہا کیجیے - عبداللہ نے یہ بات منظور کرلی اور اپنے وطن ھی سے اپنے بچے اور بیوی کی خبر گیری کرتا رہا -

عبداللہ کا بھائی ہندوستان میں :

جب مغل ہندوستان میں داخل ہوئے اور مختلف علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کی تو اسی تاخت و تاراج کے زمانے میں عبداللہ کا ایک بھائی شیخ خداداد اپنے گھر والوں کے ساتھ شہر جالندھر گیا اور یہ خاندان پیر بایزید کی والدہ کے ھاں ٹھیرا - بایزید کی والدہ نے اس خاندان کی پوری پوری مدد کی - شیخ خداداد کے تین لڑکیاں تھیں ، اس نے اپنی ایک لڑکی پیر بایزید سے منسوب کر دی - کم و بیش ایک سال کے بعد مغلوں نے ہندوستان کو افغانوں سے لے لیا اور افغان ولایت بہار اور پٹنہ میں چلے گئے - اس وقت پیر بایزید کی عمر پانچ سال کی تھی - اسی زمانے میں پیر بایزید کی والدہ کے پاس خرچ نہ رہا اور وہ اپنا زیور فروخت

کر کے اپنی گزر اوقات کرنے لگیں - جب شیخ خداداد کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے بھاوج کو کہلا بھیجا کہ مناسب یہ ہے کہ ہم سب مل کر یکجا گزر اوقات کریں - چنانچہ پیر بایزید کی والدہ اس کے ساتھ رہنے لگیں -

عبداللہ کی اپنے بال بچوں کی طلبی :

چند روز کے بعد عبداللہ نے کوہستان سے محمود کو بھیجا کہ وہ اس کے گھر والوں اور خداداد کے گھر والوں کو کوہستان لے آئے اور محمود سے کہا کہ وہ خداداد سے کہے کہ اگر وہ بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ آ جائیں تو اچھا ہے ورنہ اپنے لڑکے کو بھیجے کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دوں - محمود جب ھندوستان پہنچا تو اس نے عبداللہ کا پیغام شیخ خداداد کو پہنچایا - خداداد نے جواب دیا کہ ھندوستان پر مغلوں کا تسلط ہے اور یہ بڑا افراتفری کا زمانہ ہے اور میرا وہاں جانا مشکل ہے - جب کوئی قافلہ آئےگا تو میں اس کے ساتھ آؤں گا - لیکن جب مغلوں نے دوبارہ حملہ کرکے افغانوں سے ملک واپس لے لیا اور افغان منتشر ہوگئے تو اسی زمانے میں شیخ خداداد اور عبداللہ کا خاندان اپنےوطن (کوہستان کی طرف) روانہ ہوا - جب یہ قافلہ قنوج پہنچا تو اسی نواح میں بابر اپنے لشکر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا - لشکر کے لوگوں نے اس قافلے کو دیکھا تو بابر سے کہا کہ یہ افغان ہیں - بابر نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے - چنانچہ تاخت و تاراج شروع ہوا- جب لوٹنے والے خداداد کے پاس پہنچے تو اس نے کہا میں تو انصاری ہوں اور اپنے آبا و اجداد کا شجرہ دکھایا - اس طرح خداداد کی وجہ سے افغان بھی بچ گئے - لشکریوں نے مشورہ دیا کہ وہ بادشاہ کے پاس عرضداشت پیش کریں - اس مشورے پر قافلے کے باقی ماندہ لوگوں نے سات لاکھ ٹنکوں کے ساتھ ایک جان بخشی کی عرضداشت بابر کے پاس پیش کی - بابر کا فرمان جاری ہوا کہ جو کوئی ان لوگوں کو آزار پہنچائے گا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا -

پیر بایزید اپنی والدہ کے ساتھ کوھستان میں :

اس طرح یہ قافلہ کوچ کر کےاپنی منزل کو پہنچا اور شیخ خداداد ، پیر بایزید اور ان کی والدہ کوھستان پہنچیں (۱) ۔

عبداللہ کا بایزید اور ان کی والدہ کے ساتھ طرزِ عمل :

''حالنامے'' میں ھے کہ عبداللہ نے کوھستان آ کر ایک عورت فاطمہ نامی سے شادی کر لی تھی ۔ جو نہایت ستیزہ خو اور حاسد تھی اور بایزید کی ماں سے بھی حسد رکھتی تھی اور عبداللہ بھی بایزید کی ماں پر نامہربان تھا ۔ بایزید کی ماں کے ساتھ لوگوں نے عبداللہ کی بدسلوکی کو دیکھ کر کہا کہ یا تو تم بایزید کی ماں کو چھوڑ دو یا اس کا حق اس دوسری بیوی کے برابر ادا کرو ۔ چنانچہ عبداللہ نے رشتے داروں کے کہنے سے مجبور ھو کر بایزید کی ماں کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی ۔ اس وقت بایزید کی عمر سات سال تھی ۔ بایزید کے ساتھ بھی فاطمہ کا طرزِ عمل اچھا نہ تھا اور وہ ان کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتی تھی ۔ جس کی وجہ وہ علیحدہ رھنے لگے تھے(۲) ۔

بایزید کو باپ کی نصیحت :

اسی زمانے میں جب کہ بایزید ماں باپ سے علیحدہ رھتے تھے ایک روز عبداللہ بایزید سے ملا اور انھیں حق پدری کا واسطہ دے کر کہا کہ تم فاطمہ کے ساتھ رھو اور اس کی خدمت میں کمی نہ کرو ۔ لیکن میں اس وقت بھی تم پر مہربانی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ھے کہ اگر میں تم پر مہربانی کروں تو فاطمہ تم کو آزار نہ پہنچائے ۔ بیٹے نے باپ کی بات قبول کر لی اور وہ گھر میں رہ کر فاطمہ کی خدمت کرنے لگے ۔ فاطمہ کے دل میں بھی ان کی کچھ محبت پیدا ھوگئی ۔ فاطمہ کے ایک لڑکا یعقوب نامی تھا جو پڑھتا تھا (۳) ۔

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ''حالنامہ'' قلمی ۔ صفحہ ۳ تا ۸ سے ماخوذ ھے ۔
۲ ۔ حالنامہ قلمی ۔ صفحہ ۹ ۔
۳ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۰ ۔

تعلیم :

عبداللہ نے چاہا کہ بایزید کو بھی تعلیم دلائے۔ چناں چہ اس نے پیر بایزید کو تعلیم کے لیے اپنے ایک شاگرد مُلا پایندہ کے سپرد کیا۔ اسی مکتب میں ان میں خشیت الٰہی ، عبادت اور ریاضت کے جوہر چمکے۔ تھوڑی سی مدت میں انھوں نے قرآن مجید ختم کر لیا۔ پیر بایزید کے قبیلے کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی بچہ قرآن مجید ختم کر لیتا تو اپنے اعزہ و اقربا کی ضیافت کرتا ، اور اُستاد کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا لیکن عبداللہ نے یہ رسم ادا نہ کی۔ باوجود اس کے کہ پیر بایزید نے اس تقریب کے ادا کرنے کے لیے تین مرتبہ اپنے والد سے کہا ، لیکن تینوں مرتبہ عبداللہ نے یہی جواب دیا کہ مُلا پایندہ میرا شاگرد ہے ، میں نے اس کی تعلیم پر کچھ نہیں لیا ، اس لیے میں تمھاری تعلیم پر اس کو کچھ نہ دوں گا۔ بایزید نے پڑھنا چھوڑ دیا ، اور فاطمہ ان سے گھر کے کام لینے لگی ، لیکن اپنے والد کی نصیحت کے مطابق وہ ہمشیہ قرآن مجید اپنے ساتھ رکھتے تھے ، جب فرصت ملتی ، قرآن کا مطالعہ کرتے (۱)

ذوقِ معرفت الٰہی :

حالنامے میں ہے کہ بچپن ھی سے پیر بایزید میں بعض خصوصیتیں ایسی پائی جاتی تھیں کہ جن سے اندازہ ھوتا تھا کہ ان کا قلب آیندہ چل کر معرفتِ الٰہی کا گنجینہ بنے گا۔

بچپن ھی میں ایک خصوصیت ان کی یہ تھی کہ جو کوئی ان سے قرآن یا کتاب یا حدیث کی کوئی چیز بیان کرتا تو وہ اس کا یقین کرتے اور اس پر عمل کرتے۔

ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ بچپن ھی سے خدا سے ڈرنے والے تھے ، اور خشیت الٰہی کی وجہ سے حرام کھانے ، حرام پہننے اور جھوٹ بولنے سے بچتے تھے اور اپنے استادوں کی خدمت کرتے تھے۔ تیسری خصوصیت یہ تھی کہ علما و فقرا کی خدمت کرتے تھے ، اور اسی کے

---

۱ - حالنامہ قلمی مملوکہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری - صفحہ ۱۲

ساتھ اپنے والد کی خدمت بھی کرتے تھے ۔ ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ اگر کسی سے سن لیتے کہ فلاں دعا اور استغفار پڑھنے میں ثواب ہے تو اسے اختیار کرتے ۔ سخاوت کی طرف مائل تھے ، دوسروں کی خدمت کا شدید جذبہ ان میں پایا جاتا تھا ۔ اعتقادِ درست کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے(۱) ۔

ریاضتیں اور مجاہدے :

پیر بایزید کی ریاضتوں اور مجاهدوں کی تفصیل حالنامے میں بھی تقریباً وهی ہے جو هم گزشته اوراق میں ان کی کتاب ''صراط التوحید'' سے نقل کر آئے هیں که وه سخت ریاضتوں اور مجاهدوں کے بعد هندوستان گئے ، اور جب قندهار سے واپس هوئے تو اپنے گھر میں ایک تہه خانه بنایا اور خود اپنے گھر والوں کو لے کر اس میں چِلّه کشی کی ۔

مرید خاص :

حالنامے میں ہے که پیر بایزید کے ساتھ جو اس چلّے میں بیٹھے ان میں ان کی بیوی بی بی شمسو اور ایک مرید خاص علی شیر تھا ۔ جو مردِ متجسس اور طالبِ حق تھا ۔ پیر بایزید کو علی شیر سے خاص لگاؤ تھا ۔ انھوں نے علی شیر سے کہا تھا که میں توحید کے اسرار جانتا هوں لیکن مجھے بتانے کا حکم نہیں ۔ جب مجھے توحید کے اسرار بتانے کے لیے خدا کا حکم هوگا تو میں تمھیں توبه کراؤں گا اور پھر علمِ توحید سے واقف کراؤں گا ۔ تم کسی دوسری جگه مرید نه هونا ۔ جب علی شیر کو معلوم هوا که بایزید کو حکم مل گیا ہے تو وه بایزید کے پاس آیا اور اس نے کہا که آپ نے مجھ سے وعده کیا تھا که اجازت کے بعد آپ علمِ توحید مجھے بتائیں گے اب بتائیے ۔ بایزید نے کہا که مجھے یه حکم ملا ہے که جو طلبِ حق اور یقینِ درست کے ساتھ تمھارے پاس آئے تو اسے توبه کرا اور علمِ توحید اس سے بیان کر ۔ اگر تم یه یقین ریاضت کے ساتھ کرتے هو تو میں تمھیں علمِ توحید بتاؤں گا ۔

---

۱ ۔ حالنامه قلمی ۔ صفحه ۱۲

علی شیر نے کہا میں تو آپ کے وعدے پر یقین کیے ہوئے بیٹھا ہوں ۔ اب جو آپ ریاضت کہیں وہ بھی کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ چناں چہ یہ بھی اس چلّے میں بیٹھا جس میں بایزید کی بیوی شمسو اور بایزید شریک تھے (۱) ۔

علی شیر پر بایزید کو اس قدر اعتماد تھا کہ اس چلّے میں جو علی شیر نے بایزید کے ساتھ کھینچا تھا بی بی شمسو ان چلہ نشینوں کی دیکھ بھال کرتی تھی اور علی شیر کی وجہ سے بی بی شمسو کو آمدورفت اور دیکھ بھال میں بڑی دقت ہوتی تھی ۔ کچھ دن کے بعد علی شیر کی ماں آئی اور اس نے علی شیر سے کہا اگر تو خلوت میں بیٹھنا ہی چاہتا ہے تو اپنے گھر آکر خلوت میں بیٹھ ۔ تیری وجہ سے بی بی شمسو کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ باہر نہیں نکل سکتی ۔ علی شیر نے جواب دیا کہ اگر پیر حکم دیں گے تو میں اس پر عمل کروں گا ۔ علی شیر کی ماں نے یہی بات پیر بایزید سے کہی ۔ پیر بایزید نے کہا کہ بی بی شمسو تو علی شیر کی بہن ہے اس کے سامنے آنے میں کچھ حرج نہیں (۲) ۔

حالنامے میں آگے چل کر مزید ان لوگوں کے نام کی صراحت کی گئی ہے جو اس چلّے میں شریک تھے ۔ صاحبِ حالنامے کا بیان ہے کہ اس چلّہ کھینچنے والوں میں بی بی شمسو ، علی شیر ، شادی خاں اور بخت خاں تھے (۳) ۔

چلے کے ختم ہونے کے بعد :

چلّے کے ختم ہونے کے بعد جب بایزید اس خلوت سے باہر آئے تو اس طویل ریاضت نے جو کیفیت ان میں پیدا کر دی تھی اس کو حالنامے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

چوں بایزید قدس سرہ از خلوت بیروں آمد بعضے یاراں برائے

---

۱ ۔ حالنامہ قلمی صفحہ ۔ ۱/۸۴

۲۔ ایضاً ۔ صفحہ ۸۶ ۔ ۱/۸۶

۳۔ ایضاً ۔ صفحہ ۳،۷۲ے

دیدن ایشاں رفتند ، پرسیدند کہ تو دریں خلوت نشستہ بودی
چہ حاصل وچہ منفعت یافتی - پیر دستگیر قدس سرہ فرمود کہ
حق تعالیٰ مرا علمِ اسرار کشف گردانید - جملہ این خلق را در
شرکِ پلید می بینم -

(ترجمہ)

جب بایزید قدس سرہ خلوت سے باہر آئے ، بعض دوست
ان کے دیکھنے کے لیے گئے اور انھوں نے پوچھا کہ تم نے خلوت
میں بیٹھ کر کیا حاصل کیا ، اور کیا منفعت پائی ؟ پیر دستگیر
قدس سرہ نے فرمایا کہ حق تعالے نے مجھ پر علمِ اسرار کھولا ،
خلق کو شرکِ پلید میں دیکھتا ھوں - پھر ایک سوال کرنے
والے نے ان سے پوچھا کہ اے بایزید ! تم خلق کو کیسا
پہچانتے ھو - انھوں نے جواب دیا کہ اے سائل ! جب میں آدمی
پر نظر کرتا ھوں تو میں اس کو مشرک پہچانتا ھوں اور اس
دانش و کشف کا سبب یہ ھے کہ چند سال ھوئے کہ مجھے ندا آئی
فلاں اسم پڑھ ، میں نے وہ اسم نہیں پڑھا ، اب میں نے خلوت میں
اس اسم کو پڑھا ، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو موحد
بنایا دیا ، اور ادراک بخشا کہ میں خلق کو پہچانوں کہ جو
نفاق و شرک میں ھیں ، اور میں توحید اور شرک کے کلام سے
آگاہ ھوا -

پھر بعض معرفت کے مدعی پیربایزید کے پاس آئے اور ان سے
پوچھا کہ تم سالکوں اور عارفوں کو کس نوعیت سے دیکھتے ھو ،
پیر دستگیر نے کہا کہ میں ان کو شرکِ پلید میں دیکھتا ھوں -
جب ان معرفت کے مدعیوں نے یہ بات سنی تو ان کو غیرت آئی اور
وہ اٹھ کرچلے آئے اور شہر میں چہ میگوئیاں ھونے لگیں کہ بایزید
سالکوں اور عارفوں کو بھی شرکِ پلید میں مبتلا بتلاتا ھے -
اس وقت سے بعض علما ، زاھدوں اور سالکوں کے دل میں ان سے
بغض وعداوت پیدا ھوگئی -

جستجوئے مردانِ حق :

ان ریاضتوں اور مجاھدوں نے پیر بایزید کے ذوقِ معرفت کو اور نکھارا۔ حالنامے میں ھے کہ جب پیر دستگیر علمِ توحید واسرار سے خبر دار ہوئے، تو وہ اپنے دل میں کہتے تھے کہ کاش مجھے کوئی ایسا شخص ملے جو اس مقام سے کماحقہ واقف ہو۔ اس زمانے میں جب کوئی پیر دستگیر سے کہتا کہ فلاں خدا رسیدہ شخص آیا ھوا ھے، پیر دستگیر اس سے فوراً گفتگو کرتے اور اس کے حال کو دیکھتے کہ وہ پلیدیٔ شرک سے باھر ھوا ھے یا نہیں۔ پھر وہ اپنے دل میں کہتے کہ جو خود پلیدیِ شرک سے باھر نہیں ھوا وہ کس طرح دوسروں کو باھر کرسکتا ھے(۱)۔

دعوت :

حالنامے میں ھے کہ پانچ سال کے چلّے کے بعد پیر بایزید کو حکم ھوا کہ گھر سے باھر آؤ، اور لوگوں کو معرفت کی دعوت دو۔ چنانچہ انھوں نے دعوت دینی شروع کی۔

مخالفینِ تحریکِ روشنائی :

اس تحریک کے شروع ھوتے ھی اس کے مخالفین بھی پیدا ھو گئے تھے۔ اس تحریک کے مخالفین میں جو لوگ پیش پیش تھے، ان میں پیر بایزید کا باپ عبداللہ، ان کا بھائی یعقوب، حسن خاں، عبدالکریم اور عثمان تھے۔

لیکن ان سب میں مخالفت میں شدید عثمان تھا، جو علی الاعلان لوگوں کو اس تحریک سے روکتا تھا۔ جس کی شدت مخالفت کو دیکھتے ھوئے پیر بایزید نے کہا تھا کہ ھر زمانے میں شیاطین جن و انس ھوتے ھیں جن کے اعمال کو شیطان انھیں اچھا کرکے دکھاتا ھے، اور ان کو خدا سے روکتا ھے، عثمان وغیرہ شیطان کے وارثوں میں ھیں۔

عثمان نے پیر بایزید کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا۔ حالنامے میں ھے کہ اس کی شدتِ مخالفت سے بایزید دل شکستہ اور غمگین

---

۱ - حالنامہ قلمی صفحہ ۱/۷۷

رهنے لگے ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کاش خدائے تعالیٰ دشمنوں کو پیدا نہ کرتا ، اور انھیں ظاہر نہ کرتا ۔ وہ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ حضرت عزت کی جانب سے ندا آئی

"یا بایزید شکستہ دل و اندوہ گیں مباش کہ من در ہر زمانے بعضے را با بعضے دشمن گردانیدم ، و در کلام مجید خود نیز خبر دادم ۔ قولہ تعالیٰ وجعلنا بعضکم بعض عدواً"

اس ندا سے پیر دستگیر کو تسکین ہوئی ، اور فرمان ہؤا کہ اے بایزید خلق کو میری طرف دعوت دے ۔ میں نے تجھے رهنما بنایا ، خلق کی رهنمائی کر تاکہ لوگ راہِ راست پر آئیں(۱) ۔

اس کے بعد پیر بایزید دعوت میں مشغول ہوگئے ، اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلانے لگے ۔ ان کے پاس جو کوئی طلبِ حق میں آتا اس کو راستہ دکھاتے ۔ چند دن میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت ہوگئی ۔ نظر کی تو دیکھا کہ وہ پیری کے نام پر دنیا حاصل کر رہے ہیں اور معرفتِ حق اور توحید سے بے خبر ہیں ۔ اسی طرح درویشوں اور عالموں کے حال پر نظر کی تو ان میں بھی دین کے اصول نہ پائے اور دیکھا کہ وہ زہد و تقویٰ اور علم کو مال کے عوض فروخت کر رہے ہیں ۔ اسی طرح حاجیوں پر نظر کی تو دیکھا کہ بعض حاجی حج کے ثواب کو دنیا کے عوض فروخت کر رہے ہیں ۔ غرض کہ ہر طائفہ کو خلافِ شریعت پایا اور کسی کو قرآن و حدیث پر ثابت قدم نہ پایا ۔ پیر دستگیر یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور اس پر غور کرنے لگے کہ لوگوں کے اعمال قرآن و حدیث کے مطابق نہیں اور حق بات انھیں کڑوی لگتی ہے ۔ وہ سوچنے لگے کہ میں ان نامساعد حالات میں خلق کو نصیحت کروں بھی یا نہیں ۔ ایک روز کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ یہ حدیث نظر پڑی "قل الحق و ان کان مراً" ۔ جب یہ حدیث دیکھی تو آپ نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو ! تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو ،

---

۱ ۔ حالنامہ صفحہ ۹۳ ۔ ۱/۹۳ ۱/۹۴

لیکن میں کسی کو قرآن و حدیث کے موافق نہیں پاتا (۱)۔

عثمان کی مخالفت :

جب یہ بات عثمان بن لله اور دوسرے مخالفین کو پہنچی تو انھوں نے شہر میں مشہور کر دیا کہ عبداللہ کا بیٹا کہتا ہے کہ اس شہر میں کوئی قرآن و حدیث کے موافق عمل نہیں کرتا ۔ پیر بایزید کے والد عبداللہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے چند شاگردوں کو پیر بایزید کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ تم کیوں اس قسم کی باتیں کرتے ہو ۔ شاگردوں نے یہ بات جا کر پیر بایزید سے کہی ۔ پیر بایزید نے کہا کہ میں غلط نہیں کہتا ، قرآن مجید کی اس آیت کو دیکھیے 'انماالمومنون اخوۃ فاصلحوابین اخویکم ، کیا جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں وہ واقعی باھمی نیکی کر رہے ہیں یا بدی؟ ایسے ہی اس حدیث پر لایومن احدکم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ پران کا عمل ہے ۔ شاگردوں نے جا کر پیر بایزید کا یہ جواب عبداللہ سے بیان کیا تو عبداللہ نے کہا سچ کہتا ہے(۲) ۔

میاں اور پیر روشان کا لقب :

حالنامے کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں اور پیرروشان کا لقب بھی ان کو ملہم غیبی کی طرف سے عطا ہوا تھا ، حالنامے میں ہے کہ :

> ''پیر دستگیر نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ بایزید کو میاں کے لقب سے پکارو ، اور پیر دستگیر کے یاروں نے ھاتف سے سنا کہ اپنے پیر کو نام سے نہ پکارو یا پیر روشان یا میاں روشان کہو ۔ جب پیر دستگیر نے اس خواب کو اپنے یاروں سے بیان کیا تو یاروں نے کہا کہ اگر ہم کو حکم ہو تو ہم آپ کو میاں کہیں ؟ انھوں

---

۱ - حالنامہ قلمی - صفحہ ۲/۹۵ تا ۹۸ -

۲ - ایضاً صفحہ ۹۸ -

نے جواب دیا کہ میں خواب پر عمل نہیں کرتا ، جب تک
کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے صادر نہ ہو - دوسری رات پھر
خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ مجلس بیٹھی ہوئی ہے - وہ
اس مجلس میں پہنچے ، تمام مجلس نے تعظیم کی اور کہا پیر آگیا -
جب خواب سے بیدار ہوئے تو اس کو خواب سمجھ کر پھر
بھی عمل نہ کیا - چند روز کے بعد ان کے دوستوں میں سے
دو آدمیوں نے آواز سنی کہ اے بایزید کے دوستو ! اس کے
بعد بایزید کو نام سے نہ پکارو ، بلکہ میاں روشان یا پیرروشان
کہو - جب یاروں نے یہ ندا سنی تو تمام یاران کو پیرروشان
یا میاں روشان کہنے لگے اور یہ بات شہر میں مشہور ہوگئی
کہ بایزید نے اپنا لقب روشان یا میاں روشان رکھا ہے اور
پیری کرتا ہے اور مریدوں کو توبہ کراتا ہے - جب یہ خبر
عبداللہ (بایزید کے باپ) کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے
شاگردوں کر بایزید کے پاس بھیجا اور کہا کہ اس سے پوچھو
کہ تو کس طرح پیری کرتا ہے اور تیرا پیر کون ہے ؟
شاگردوں نے جاکر یہ بات بایزید سے پوچھی - پیر بایزید
نے جواب دیا کہ مجھ پر حق تعالیٰ کی عنایت ہے اور اس
نے مجھے راہ مستقیم دکھائی ہے - شاگردوں نے جب عبداللہ سے
یہ بات جاکر کہی ، تو اس نے کہا کہ حق تعالیٰ انبیاء اور
اولیاء پر رحیم و کریم ہے - اگر اس پر بھی نظرِ عنایت کی
ہو تو کرمِ حق تعالیٰ سے بعید نہیں - پھر دوسری دفعہ اس
نے اپنے شاگردوں کو پیر بایزید کے پاس بھیجا اور کہلایا
کہ میرا کہنا قبول کر اور پیری کو چھوڑ دے - پیر بایزید
نے جواب دیا کہ والد میرے پاس آئیں - اگر میرا کوئی قول
قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو بے شک مجھے روکیں -''

عبداللہ کا علی شیر سے ایک سوال :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ہر وقت اپنے بیٹے کے حالات کی

جستجو میں لگا رہتا تھا ۔ حالنامے میں ہے کہ :

علی شیر کے مرید ہونے کے ایک سال بعد عبداللہ نے اسے سنیے سے لگا کر پوچھا کہ تمھارے پیر نے تمھیں کیا سکھایا ؟ علی شیر نے کہا کہ پہلے انھوں نے مجھے اسلام کی تبلیغ پر مقرر کیا اور تمام گناھوں سے منع کیا ، دوسرے غفلت سے منع کیا اور حق تعالیٰ کے ذکر کا شاغل بنایا ۔ تیسرے حبل سے منع کیا اور توحید کی طرف متوجه کیا ۔ چوتھے بدخوئی سے منع کیا ۔ عبداللہ نے اس کی باتوں کو سچ نه سمجھا ۔ علی شیر نے یه محسوس کرکے که وہ اس کی باتوں کو جھوٹ سمجھ رہا ہے عبداللہ سے کہا که خدا جانتا ہے که پیر دستگیر سیدھے راستے پر ھیں ۔

خداداد کے بیٹے محمد کی بیعت :

خداداد کے بیٹے اور اپنے چچازاد بھائی محمد کے لیے پیر بایزید کی بڑی تمنا تھی که وہ توبه کرے ، حالنامے میں ہے که :

"ایک روز وہ پیر بایزید کے پاس آیا اور اس نے پوچھا "بایزید ! میں نے سنا ہے که تم کہتے ھو که خلق شرک کی پلیدی میں مبتلا ہے"؟ بایزید نے کہا یه سچ ہے ۔ پھر اس نے پوچھا یه تو بتاؤ که میں پاک ھوں یا ناپاک ؟ بایزید نے کہا جو کچھ بھی تم ھو مناسب نہیں که میں تمھارے سامنے کہوں ۔ اس نے کہا که میں تو حق کا طالب ھوکر تم سے پوچھتا ھوں ۔ بایزید نے کہا میں تمھیں شرک میں پلید دیکھتا ھوں ۔ محمد نے کہا "اگر میں تمھارا معتقد ھوں اورتمھاری فرمانبرداری کروں توکیا حق تعالیٰ میرے گناہ بخش دے گا ؟" بایزید نے کہا "اگر تم میرے حکم پر چلو تو خدائے تعالیٰ غفورالرحیم ہے" ۔ پھر محمد نے کہا "بایزید ! صحیح عقیدے کے ساتھ میں نے تمھاری فرمانبرداری اختیار کی ۔ اس کے متعلق پیر بایزید کو خواب میں الہام ھوا ، مـن یـد خـل ف

متابعتک فیخرجھم من الظلمت الی النور ۔ آخر بایزید نے محمد کو توبہ کرائی اور کم خوری ، شب بیداری اور خاموشی اختیار کرائی ، پھر اس پر علم توحید کو واضح کیا۔"

محمد کی خلافت :

حالنامے میں ھے کہ :

"محمد چند روز ان کے ساتھ رھا ۔ جب وہ رخصت ھونے لگا تو پیر دستگیر نے کہا اے محمد ! میں نے تم کو خلافت دی اور محمد کہال کا خطاب بخشا ۔ تمھیں آئندہ لوگ محمد کہال کہہ کر پکاریں گے ۔ جو تم سے مرید ھونا چاھے اسے توبہ کراؤ اور بیعت کرتے وقت کہو یہ ھاتھ پیر روشان کا ھاتھ ھے اور یہ مت کہو کہ میں پیر ھوں بلکہ کہو پیر ایک ھے اور میں اس کے لیے مرید کرتا ھوں اور اس کے مریدوں کو راہ دکھاتا ھوں اور میں اس کا خلیفہ ھوں اور پیر کامل ھر زمانے میں ایک ھے ۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا لکل زمان ولی واحد اھدیہ"

محمد کہال اٹھا ۔ زمین ادب چومی اور استعانت چاھی اور پیر بایزید سے رخصت ھوا اور گھر آنے کے بعد مراقبے میں مشغول ھوگیا اور لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ راہ دین بایزید سے مستقیم ھے ۔ جو کوئی ان پر یقین کرے اور میرے ھاتھ پر توبہ کرے نفع حاصل کرے گا ۔ اس دعوت کے بعد بعضوں نے محمد کہال کو قبول کیا اور بعضوں نے اس کا انکار کیا ۔ آخر اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی گئی ۔ ایک سال کے بعد وہ پیر بایزید کی خدمت میں حاضر ھوا ۔ پیر بایزید نے اس سے کہا اے محمد کہال ! تم جانتے ھو کہ عبداللہ میرا باپ ھے اور یعقوب میرا بھائی ، مجھے افسوس ھے کہ یہ دونوں معرفت حق اور علم توحید سے محروم ھیں ۔ تم بھی انھیں

ایک مرتبہ سمجھانے کی کوشش کرو اور ان سے کہو کہ وہ میرا اتباع کریں ۔ شاید تمھاری نصیحت سے ان کی بدگمانیاں دور ہوجائیں اور وہ راہِ توحید پر قدم رکھیں ۔ پیر بایزید کے حکم پر محمد کمال ان کے پاس گیا ۔ عبداللہ نے اسے دیکھتے ھی شکایت کی کہ تم بایزید کے پاس چلے گئے اور پہلے ھمارے پاس کیوں نہیں آئے ۔ کمال نے جواب دیا کہ جب تک میں مرید نہ تھا ، پہلے آپ کے پاس آتا تھا ۔ اب چونکہ میں پیر بایزید کا مرید ھوں ۔ اس لیے پہلے ان کے پاس گیا ۔ پھر کمال نے ان کے سمجھانے کے لیے لمبی تقریر کی اور ان سے کہا کہ تم میں پیر کامل آیا ھے اس پر یقین کرو ۔ میں تمھیں یقین دلاتا ھوں کہ بایزید کے راستے میں کوئی کجی نہیں - اس کی راہ پیغمبر کی بتائی ھوئی راہ ھے ۔ اس کا اتباع کرو ۔ عبداللہ اور اس کے عزیزوں نے کہا کہ ھم تو اس کو بغیر ظھورِ کرامت کے نہیں مان سکتے ۔ محمد کمال مایوس ھو کر پیر بایزید کے پاس آیا اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا ۔ پیر بایزید نے اس کی ساری بات سن کر کہا اے کمال ! یہ لوگ علم و نسب پر مغرور ھیں ۔ یہ کبھی یقین و اعتقاد نہ لائیں گے ۔ یہ اپنے وقت کے فرعون ، ھامان اور قارون ھیں ۔ اس کے بعد محمد کمال اپنے گھر چلا گیا (۱) ۔"

ماننے اور نہ ماننے والوں کی تقسیم :

حالنامے میں ھے کہ :

"پیر بایزید اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرتے تھے ۔ ایک یار، دوسرے منکر، تیسرے منافق ۔ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ مجھے خلق میں منافق ھی منافق نظر آتے ھیں ۔ خلق میں شہرت

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل حالنامے قلمی ، صفحہ ۱۲۲ سے ماخوذ ھے ۔

ہوگئی کہ بایزید ! سب کو منافق کہتا ہے ۔ عبداللہ اور یعقوب نے لوگوں سے کہا کہ بایزید دیوانہ ہوگیا ہے ۔ ہمارے ساتھ آؤ تاکہ اسے قید کریں ۔ چنانچہ اس کے منکرین میں سے عبداللہ ، یعقوب ، مُلّا زکریا ، ملک خواجو بن میرو ، عثمان ، علی خان اپنے پانچ لڑکوں کے ساتھ نکلے ۔ جب پیربایزید اور آن کے ماننے والوں کو خبر ہوئی تو پیر بایزید کے ماننے والوں میں علی شیر ، عثمان حسین ، شادی خان ، محمود غزنی ، احمد اور سید علی جمع ہوگئے ۔ پھر بایزید اور یعقوب میں ایک طویل مناظرہ ہؤا ۔ اس مناظرے کے بعد منکرینِ بایزید میں مشورہ ہوا کہ بایزید دیوانہ ہوگیا ہے ، مناسب یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے ۔ جب پیر بایزید کے یاروں نے یہ بات سنی تو آنھوں نے نہایت درشتی سے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا ۔ یعقوب نے کہا بایزید میرا بھائی ہے ، میں اسے اپنے پاس چند دن بند رکھوں گا ۔ بایزید نے کہا تو منافق ہے ، میں تجھے اپنے پاس بند رکھوں گا تاکہ تو منافقت سے باز آجائے ۔ پیر بایزید کے خاص یاروں میں سے علی شیر ، غزنی ، سیدعلی ، عثمان ، عیسیٰ اور حسین وغیرہ جنگ کے لیے تیار ہوگئے ۔ لیکن بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر جھگڑے کو چُکا دیا (۱)۔"

مخالفین کے پیر بایزید پر اعتراضات :

حالنامے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پیر بایزید کے مخالفین جو اعتراضات کرتے تھے ، وہ یہ تھے :

۱ - بایزید نے علم حاصل نہیں کیا ، پیر نہیں رکھتا ، اور چند کلمے نامشروع کہتا ہے ۔

۲ - وہ اپنے آپ کو ھادی اور رھنما کہتا ہے ۔

---

۱ - یہ تمام تفصیل حالنامہ قلمی - صفحہ ۱۲۲ سے ماخوذ ہے ۔

۳ - وہ کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوتا ہے ۔
۴ - خلق منافق ہے ۔
۵ - وہ اپنے ماں باپ اور عزیزوں کی اطاعت/نہیں کرتا ۔ اس کے ماں باپ اور عزیز کہتے ہیں کہ تمھارا کوئی پیر نہیں ، تمھیں کسی نے خلافت نہیں دی تم پیری مت کرو ۔ وہ نہیں مانتا اورکہتا ہے کہ میں پیر کامل ہوں ۔ مجھ پر حق تعالیٰ نے عنایت کی ہے اور جس بندے کو حق تعالیٰ چاھتا ہے الہام سے نوازتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو آیت و حدیث پر عمل نہیں کرتا وہ منافق ہے ۔

عموماً یہ تھے وہ اعتراضات جو اس دور کے مخالفین اور بعض علماء بایزید پر کرتے تھے ۔ انھیں اعتراضات پر بایزید کے بعض علماء سے مناظرے ہوئے ۔ انھوں نے مختلف مواقع پر ان تمام اعتراضات کے جواب دیے ہیں ۔ اسی ضمن میں ہم نے ان کا ایک مناظرہ جو اس دور کے عالم مولانا زکریا سے ہوا تھا ، ذیل میں نقل کرتے ہیں ، جس میں خود ان کی زبان سے ان اعتراضات کے جواب موجود ہیں ۔

مولانا زکریا سے مناظرہ :

حالنامے میں ہے کہ پیر بایزید کے ایک مخالف عالم مولانا زکریا نے ایک دن پیر بایزید سے کہا کہ تم بہت سی ناگفتنی و نا کردنی باتیں کہتے اور کرتے ہو ، سخن ناگفتنی یہ ہیں :

۱ - تم اپنے آپ کو پیر کہتے ہو ؟
۲ - تم کہتے ہو کہ تمھیں الہام ہوتا ہے ؟
۳ - تم کہتے ہو کہ تمام خلق منافق ہے ؟

سخن ناکردنی یہ ہیں کہ :

۱ - تم جھوٹی پیری کرتے ہو ۔
۲ - اپنے باپ اور بھائی کے کہنے کے مطابق کام نہیں کرتے ۔
۳ - تم متکبر ہوگئے ہو، خدا سے نہیں ڈرتے ، مسلمانوں کے دین میں رخنے ڈال رہے ہو ۔

۴ - تم دعاء، تسبیحات ، مناجات ، استغفار اور نفلی نمازیں پڑھتے تھے
اب تم نے یہ سب چیزیں ترک کر دی ھیں -
۵ - پہلے تم نیک خو اور بُردبار تھے اب دلوں کو رنجیدہ کرتے ھو
اور حسن خلق کو چھوڑ کر متکبّر اور مستغنی ھوگئے ھو -

پیر بایزید نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ عبداللہ اور اپنے بھائی یعقوب کی اس لیے اطاعت نہیں کرتا کہ وہ مجھے دنیا کے کاموں میں لگانا چاھتے ھیں -

میں جو پیری کرتا ھوں وہ بھی جھوٹ نہیں ، طالبان ِصادق کو شرک سے باھر نکالتا ھوں اور علم ِتوحید سے واقف کراتا ھوں - جو کوئی میری اطاعت کرتا ھے اور یقین لاتا ھے ، وہ عیوب سے نکل جاتا ھے اور علم ِ نبی اور علم ِوحدت سے بہرہ ور ھوتا ھے -

تم جو کہتے ھو کہ میں سخت درشت ھوگیا ھوں تو سنو ، میں پہلے نور ِ معرفت سے واقف تھا ، نور معرفت میں کسی کو سخت و سُست نہیں کہا جاتا ، اب میں علم ِ توحید سے بہرہ مند ھوا ھوں اور خلق کو مشرک دیکھ رھا ھوں - میری شدید خواھش یہ ھے کہ خلق طلب ِ حق کے لیے آئے اور قرآن‌مجید کی آیتوں پر عمل کرے اور توحید کو حاصل کرے ، میری یہ باتیں لوگوں کو تلخ معلوم ھوتی ھیں -

مولانا زکریا نے کہا تو دعویٰ معرفت اور توحید کا کرتا ھے ؟-

پیر بایزید نے کہا ھاں ، مگر پہلے مسائل ِشریعت پوچھیے ، پھردوسرے مسائل پر گفتگو کیجیے - مولانا غصے میں آ گئے اور کہا میں پہلے معرفت کے متعلق پوچھنا چاھتا ھوں - بایزید نے کہا کہ آپ جو اس وقت گھر سے آ رھےھیں ، آپ قدم بقدم یہاں آئے ھیں یا ایک قدم میں یہاں پہنچ گئے ھیں - مولانا نے کہا کہ میں نے ایک قدم گھر سے باھر نکالا اور دوسرا یہاں رکھا ھے - بایزید نے کہا آپ جھوٹ کہتےھیں - مولانا آزردہ ھوگئے- اُن کے صاحبزادے احمد نے کہا کہ بغیر پیر کے مریدی جائز نہیں ، بتاؤ تمھارا

---

۱ - یہ تمام تفصیل حالنامہ قلمی سے ماخوذ ھے -

پیر کون هے ؟ بایزید نے کہا که میرے پیر رسول‌اللهؐصلی‌اللهعلیه وآله‌وسلم هیں ۔ مجھے آپ هی کے طفیل سے معرفتِ ذات اور علمِ توحید حاصل هوا ۔ پھر انهوں نے کہا :

اے احمد ! چنانچه حق تعالٰی بر انبیاءعلیهم‌السلام بےواسطۂغیرعنایت نمودند و بوحی و جبریل اختصاص کردند ، همچناں وارثانِ انبیاء را از طفیل ایشاں بیواسطۂ غیر بالهام و دلیل و اجتهاد مختص گردانیدند ۔

اے احمد ! جیسا که حق تعالٰی نے انبیاء پر بیواسطۂغیر عنایت فرمائی هے اور وحی و جبریل کے ساتھ ان کو خاص کیا هے اسی طرح وارثانِ انبیاء کو ان کے طفیل سے بےواسطۂغیرِ الهام ،دلیل‌اور اجتهاد سے مختص کیا هے ۔

احمد نے کہا تیرے لیے کہاں تک سزاوار هے که تو پیغمبری کا دعوٰی کرتا هے اور کہتا هے که مجھ پر وحی آتی هے - حالانکه جن پر وحی آتی هے ، وه پیغمبر هوتے هیں ۔

بایزید نے جواب دیا که خدا نے قرآن مجید میں کہیں نہیں کہا که فلاں فلاں پر وحی والهام بھیجتا هوں اور فلاں فلاں پر نہیں ، بلکه قرآن‌مجید میں هے ینزل‌الملائکة و الروح من امره الٰی من یشاء من عباده، پھر انهوں نے کہا که وه وحی بھیجتا هے جبریل کے ذریعے سے انبیاء پر اور الهام اور دوسرے ملائکه بھیجتا هے اولیاء اور مؤمنین پر جو ان کو خبر دیتے هیں اور علمِ باطن اور اس کی حقیقت کو مکشوف کرتے هیں ۔ وحی اور الهام خدا کی طرف سے ولی پربھی آتا هے ۔ مولانازکریا نے کہاکه مسلمانوں کو منافق نه کہو ، بایزید نے کہا که میں مسلمانوں کو منافق نہیں کہتا اگر وه قرآن و حدیث پر عمل کریں ۔

مذاکرۂ قاضی خاں :

کابل میں جو پیر بایزید کا مذاکره قاضی خاں سے هوا تھا اس مذاکرے میں قاضی خاں کے اعتراضات پر جو جوابات پیر بایزید نے قاضی خاں کو دیے هیں وه ان کی پوزیشن کو اور بھی واضح کرتے هیں اور همیں ان کے جوابات سے ان کے دعاوی اور آن کے مسلک کو سمجھنے

مں بڑی مدد ملتی ہے ۔

حالنامے میں ہے کہ :

''جب میرزا حکیم کی طلبی پر پیر بایزید کابل گئے تو میرزا حکیم نے کہا کہ لوگ آپ کے حق میں کچھ باتیں کہتے ہیں اور آپ پر الزامات لگاتے ہیں ۔ میں آپ کو قاضی خاں کے سپرد کرتا ہوں ، آپ اُن سے مذاکرہ کریں ۔ چناں چہ قاضی خاں ان کو اپنی خانقاہ میں لے گئے اور اُن سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو مہدی کہتے ہو ، کیا یہ صحیح ہے ؟

پیر بزبایزید نے جواب دیا ''جھوٹ ہے ۔ میں تو اپنے آپ کو ہادی کہتا ہوں کہ میں راہِ رسول کا ہادی ہوں اور نبی کی تعلیمات جانتا ہوں اور اپنے مریدوں کو توحید کی ہدایت کرتا ہوں ۔ میرے حاسد مجھے حسد سے بجائے ہادی کے مہدی اور بجائے ولی کے نبی کہتے ہیں ۔

پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا کیا تم پر وحی آتی ہے ؟

پیر بایزید نے جواب دیا ''غلط ہے ۔ میں تو کہتا ہوں کہ مجھ پر الہام ہوتا ہے اورمیں غیب کی آواز سنتا ہوں ۔''

پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا کہ تم وسوسۂ و الہام اور ندائے رحمانی اور شیطانی میں کس طرح فرق کرتے ہو ؟

پیر بایزید نے جواب دیا ، میں ان میں فرق آیات و احادیث اور اقوالِ مشائخ سے کرتا ہوں ۔ اگر وہ ان کے مخالف ہوتے ہیں تو انھیں وسوسۂ شیطانی جانتا ہوں ۔

پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا ''کیا تم کہتے ہو کہ تم پر وحی کے ذریعہ سے کتاب نازل ہوئی ہے اور وہ چالیس پارے

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل حالنامہ قلمی مملوکہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور سے ماخوذ ہے ۔

ھیں ؟''

پیر بایزید نے جواب دیا ''نہیں،لوگ میرے متعلق یہ بات غلط کہتے ھیں ، بلکہ میں تو یہ کہتا ھوں کہ حق تعالیٰ نے الہام سے میرے دل پر کتاب نازل کی ھے ، اس کا نام ''خیرالبیان'' ھے ، اس میں چالیس بیان ھیں ، جیسا کہ غوثیہ حضرت غوث اعظم پر الہام ھوئی ، لیکن عوام الناس وحی اور الہام میں فرق نہیں کرسکتے ، اس لیے وحی کہتے ھیں ۔

پھر قاضی خاں نے پوچھا ''تمھارا طریقہ کون سا ھے اور یہ نعمت تم نے کس خاندان سے حاصل کی ؟

پیر بایزید نے جواب دیا ، میرا طریقہ اویسیہ طریقے کی طرح ھے کہ بطفیلِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بے واسطۂ غیر ، حق تعالیٰ نے مجھے یہ سب کچھ عنایت فرمایا ھے اور مجھے علم لدنّی سے بہرہ مند کیا اور قرآن کے معانی مجھ پرکھولے ھیں اور مقاموں کی ترتیب دینا اور امر و نہی اس منزل میں میرے دل میں القا کیا اور دوسروں کی تکمیل کے لیے فرمایا۔

ان سوالات و جوابات کے بعد یہ مذاکرہ ختم ھوگیا اور قاضی‌خاں نے اپنا فیصلہ دیتے ھوئے پیر بایزید سے کہا :

بعدہ' قاضی فرمود ، بارک اللہ علیک یا شیخ پیر کامل و مکمل ، ھرکہ بدست تو توبہ کند ، و درمتابعت تو درآید ازمعرفت اللہ و از علمِ توحید بہرہ مند گردد ۔

اس کے بعد قاضی خاں نے فرمایا برکت نازل کی تجھ پر اللہ تعالیٰ نے اے شیخ پیر کامل و مکمل ! جو کوئی تیرے ھاتھ پر توبہ کرے ، اور تیرے اتباع میں آوے اللہ‌تعالیٰ کی معرفت اور علمِ توحید سے بہرہ مند ھوگا ۔

پھراس کے بعد قاضی خاں اور پیر بایزید مل کر میرزاحکیم کے پاس آئے اور قاضی خاں نے اس سے کہا کہ اے میرزا حکیم ! یہ شخص مردِ کامل اور مکمل ھے اور حاسدوں نے اس پر افترا

کیا ہے (۱) ۔"

لوگوں کی بایزید کو نصیحت :

بایزید کو جو لوگ نصیحتیں کرتے تھے اور وہ اپنے ان ناصحوں کو جو جواب دیتے تھے وہ جوابات بھی آن کی صفائی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں ۔

حالنامے میں ہے کہ لوگوں نے بایزید کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

۱ ۔ یہ نہ کہو کہ مجھ پر جبریل آتا ہے ۔

۲ ۔ یہ نہ کہو کہ میں مہدی ہوں ۔

۳ ۔ خلق کو منافق نہ کہو ۔

بایزید نے اپنے ناصحین کو جواب دیا کہ میں کب کہتا ہوں کہ مجھے الہام ہوتا ہے ۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں مہدی ہوں ، بلکہ میں تو اپنے آپ کو ہادی کہتا ہوں ۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تمام خلق منافق ہے ۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ خدا نے جس کو منافق کیا ہے وہ منافق ہے ۔ جس کو کافر کیا ہے وہ کافر ہے ۔ آن کے ان جوابات پر لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ اب بایزید خلق کو منافق نہیں کہتا اور نامناسب باتیں آس نے چھوڑ دی ہیں ۔اس کے مخالفین نے کہا یہ باتیں آس نے دل سے نہیں بلکہ مخلوق کے ڈر سے چھوڑی ہیں

اہلِ وطن کی مخالفت :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید کی مخالفت ان کے وطن میں اس قدر بڑھی کہ آنھیں ترکِ وطن پر مجبور ہونا پڑا ۔ حالنامے میں اس مخالفت کی تفصیلات ہمیں ملتی ہیں ۔ حالنامے میں ہے کہ :

"پیر بایزید کا وطن سات محلّوں پر مشتمل تھا ۔ ان محلّوں کے نام یہ تھے :

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل حالنامۂ قلمی سے ماخوذ ہے ۔

(۱) رمن سرخ - (۲) ملتان - (۳) فکنی - (۴) حزم جانی - (۵) حبرانی - (۶) سرکوشی - (۷) برکی اور پیر بایزید کا قیام برکی میں تھا - برکی کی آبادی کا سردار شیخ فرید نامی ایک شخص تھا - تمام آبادیوں اور محلوں کے سرداروں نے متفقہ طور پر شیخ فرید سے کہا کہ وہ پیر بایزید کو اپنی آبادی سے نکال دے ، لیکن ابتداً وہ انکار کرتا رہا - آخر سرداروں کے اصرار کے سامنے مجبور ہوگیا اور اس نے پیر بایزید کو ترکِ وطن کے لیے کہا -

ترکِ وطن :

چناں چہ پیر بایزید اپنی بیوی شمسو ، اپنے لڑکے عمر اور دختر کمال اور چند مریدوں اور ان کی بیویوں کو لے کر شہر سے نکلے -

باپ اور بیٹے کی گفتگو :

جب وہ شہر سے نکالے جا رہے تھے تو کسی نے اُس کی اطلاع ان کے والد عبداللہ کو دی - عبداللہ ان کے پاس آیا - اس وقت جو عبداللہ اور پیر بایزید میں گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں خصوصیت سے نقل کرتے ہیں کہ اس گفتگو سے اور پیر بایزید کے جواب سے اس عظیم مقصد پر روشنی پڑتی ہے جس کے لیے وہ جدوجہد کر رہے تھے - اس موقع پر عبداللہ نے بایزید سے کہا کہ اگر تم ناشائستہ باتوں سے توبہ کرلو تو میں تمھارے گھر کی دیکھ بھال بھی کروں گا اور اپنا نصف مال و ملک تم کو دوں گا - پیر بایزید نے اپنے باپ کو جواب دیتے ہوئے کہا :

از آں سخنہائے ناگفتنی و ناکردنی است از حکم خدائے تعالیٰ مدت است کہ ترک کردہ ایم و لیکن میگویم کہ رہنماہستیم، خلق را دعوت میکنیم بسوئے راہِ نبی و راہِ نبی شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت است ، و میخواھم کہ ایشان از گناہ برآیند،

وہ ناگفتنی و ناکردنی باتیں میں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے مدت ہوئی ترک کر دیں - لیکن میں کہتا ہوں کہ میں رہنما ہوں اور خلق کو دعوت دیتا ہوں نبی کے راستے کی اور نبی کا راستہ شریعت اور طریقت اور معرفت ہے - میں

درطاعت حق تعالیٰ در آیند ، و راہِ مستقیم بیابند ، و از غفلت برآیند ، و در ذکرِ حق تعالیٰ در آیند ، و از جہل بیروں شوند

چاھتا ھوں کہ لوگ گناہ کے راستے سے نکلیں اور حق تعالیٰ کی اطاعت میں آئیں اور راہ مستقیم کو پائیں اور غفلت سے نکلیں اور حق تعالیٰ کے ذکر کو اختیار کریں اور جہل سے باھر ھوں ۔

اس گفتگو کے بعد جب لوگوں نے پیر بایزید کو سمجھایا تو آنھوں نے عبداللہ اور اپنے بھائی یعقوب کے ساتھ رھنا منظور کر لیا اور ان کے ساتھ رھنے لگے ۔ عبداللہ نے اپنے ساتھ رکھتے وقت یہ تاکید کی کہ جب تم گھر میں آؤ تو پہلے میرے پاؤں کو چھوؤ اور پھر یعقوب کے پاؤں کو چھوؤ ۔ پیر بایزید دونوں کی عزت کرتے تھے اور وہ دونوں بھی آن کے ساتھ عزت سے پیش آتے تھے ۔

باپ کا اعتراف :

چند دن گزرنے کے بعد لوگوں نے عبداللہ سے پوچھا کہ کہیے اب کہ پیر بایزید تمھارے ساتھ رھتا ھے تم نے اسے کیسا پایا ۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ بہ ظاھر نیک اقوال اور نیک افعال ھے ۔

و باطن اور در نیابم کہ چیست ، امایک حکمت درو ے بینم کہ معنی آیت و حدیث صحیح میگوید ، من و یعقوب چناں گفتہ نمیتوانیم و من خود باُو ایں علم نیاموازنیدہ ام ، و نہ خود جائے دیگر رفتہ تحصیل کردہ است در ایں باب حیران و متحیرّم ۔

میں اس کے باطن کو نہیں پا سکا کہ کیا ھے ، لیکن ایک حکمت میں اس میں دیکھتا ھوں کہ آیت و حدیث کے معنی صحیح بیان کرتا ھے ۔ میں اور یعقوب اس طور پر بیان نہیں کر سکتے ۔ میں اس باب میں حیران و متحیرّ ھوں کہ میں نے یہ علم نہ اس کو خود پڑھایا اور نہ کسی دوسری جگہ اس نے حاصل کیا ۔

لیکن جب عبداللہ اور یعقوب نے دیکھا کہ لوگ پیر بایزید کی زیادہ

عزت کرنے لگے ھیں ، تو پھر ان دونوں کے قلب میں حسد ابھر آیا۔ آخر اپنے وطن والوں کی مخالفت سے مجبور ھوکر پیر بایزید کو ترکِ وطن کرنا پڑا۔

تحریکِ روشنائی کا پہلا تبلیغی مرکز :

حالنامے میں ھے کہ :

"پیر بایزید نے اپنے وطن کو چھوڑنے کے بعد تیرہ کو اپنا تبلیغی مرکز بنایا ، پھر وھاں سے وہ سربن آئے۔ سربن آنے سے پہلے وہ پشاور پہنچے۔

پشاور میں مخالفت :

جب پیر بایزید پشاور پہنچے اور انھوں نے اپنے اصولوں کی تبلیغ شروع کی تو پشاور میں ان کی مخالفت حبیب نامی ایک شخص نے شروع کی۔ وہ پشاور کے حاکم جانس خاں کے پاس گیا ، جو میرزا محمد حکیم کی طرف سے پشاور کا حاکم تھا۔ حبیب نے اس سے کہا کہ پشاور میں ایک گمراہ شخص آیا ھوا ھے ، جو بے دین اور بے شرع ھے۔ مہدی ھونے کا دعویٰ کرتا ھے۔ جانس خاں نے تحقیقِ حال کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ ان لوگوں نے پیر بایزید سے گفتگو کرکے جانس خاں کو رپورٹ دی کہ یہ سب غلط ھے۔ پیر بایزید مردِ مسلمان اور کامل درویش ھے۔ حبیب نے جب یہ دیکھا کہ اس کی یہ تدبیر ناکام ھوگئی تو اس نے ایک اور چال چلی۔ وہ بارہ ھزار روپے لے کر جانس خاں کے پاس آیا اور اس سے کہا یہ بارہ ھزار روپے میری طرف سے قبول کیجیے۔ لیکن جانس خاں نے خونِ ناحق گوارا نہیں کیا۔ وہ مایوس ھوکر کابل پہنچا اور اس نے میرزا حکیم کے وزرا کو رشوت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ وہ میرزا کو کسی طرح پیر بایزید کے قتل پر آمادہ کریں۔ وزرا نے موقع پاکر میرزا سے کہا کہ پشاور میں ایک آدمی ھے کہ جو دعویٰ کرتا ھے کہ میں مہدی ھوں اور مجھ پر وحی آتی ھے۔ اگر آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا تو اندیشہ ھے کہ وہ آئندہ چل کر آپ کا مقابل ھوگا۔ میرزا حکیم نے یہ سن کر حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں بلایا جائے ، تاکہ میں اسے

دیکھوں اور اگر وہ واقعی گردن زدنی ھے تو میں اس کی گردن ماروں۔ چناں چہ جانس خاں حاکمِ پشاور کو لکھا گیا۔ جانس خاں، میرزا حکیم کے فرمان کو لے کر پیر بایزید کے پاس آیا۔ بایزید نے اس فرمان کو دیکھ کر کہا کہ میں کابل جاؤں گا۔ آخر وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کابل روانہ ھوئے۔ راستے میں قبیلۂ توئی کے ایک سردار عبدالحکیم نامی نے بیعت کی اور توئی میں وہ ایک خلیفہ کو چھوڑ کر کابل پہنچے۔ حبیب وھیں ٹھہرا ھوا تھا۔ اس نے وزرا سے کہا کہ میرزا حکیم کو کہیں کہ وہ بایزید کی تعظیم نہ کریں۔ آخر بایزید میرزا حکیم کے دربار میں پیش ھوئے اور میرزا حکیم ان کا ادب بجا لایا۔ میرزا حکیم نے ان سے کہا کہ لوگ آپ کے حق میں کچھ چیزیں کہتے ھیں۔ بہتر ھے کہ آپ قاضی خاں سے مذاکرہ کریں۔ قاضی خاں سے جو ان کا مذاکرہ ھوا وہ ھم گزشتہ اوراق میں کہیں نقل کر آئے ھیں۔ میرزا حکیم نے جب قاضی خاں سے ان کا یہ فیصلہ سنا کہ پیر بایزید مردِ کامل و مکمل ھے اور حاسدوں نے اس پر افترا کیا ھے تو اس نے کہا کہ میں اس کا مرید ھونا چاھتا ھوں۔ مگر اس کے وزرا نے روکا اور کہا کہ افغان ھمارے محکوم ھیں اور ھمارا ان سے ھمیشہ لڑائی جھگڑا رھتا ھے۔ اگر آپ اس کے مرید ھو گئے تو ھم افغانوں سے کس طرح خراج لے سکتے ھیں۔ میرزا حکیم نے مجبور ھو کر پیر بایزید سے کہا کہ اے شیخ! تم اس قوم میں کیوں رھتے ھو، جو تمھیں نہیں چاھتی اور تم سے نفع نہیں حاصل کرسکتی۔ پھر بایزید کو خلعت گھوڑا اور رخصتانہ دے کر رخصت کیا اور پیر بایزید وھاں سے رخصت ھو کر جلال آباد آئے اور حاکمِ جلال آباد سے ان کی گفتگو ھوئی، پھر وہ پشاور آئے۔ اس وقت جانس خاں جا چکا تھا اور اس کی جگہ تبادلہ ھو کر معصوم خاں آیا تھا۔ ان کے حاسد اسے بھی بھڑکا رھے تھے۔ پیر بایزید حالات سے مایوس ھو کر پشاور سے ھشت نگر آئے۔

قبائلِ مہمند زئی میں آمد :

پھر وہ قبائلِ مہمند زئی میں آئے اور اس علاقے کو تبلیغ کا مرکز بنایا۔ یہیں انھوں نے اپنی صاحبزادی کمال خاتون کی شادی، پایندہ خاں

کے لڑکے جوان خان سے اور اپنے صاحبزادے عمر خان کی شادی بہار خان کی لڑکی سے کی اور یہیں انھوں نے اپنے دوسرے صاحبزادے جلال الدین (جلالہ) کے لیے محمد خان کی لڑکی مانگی اور ایک عورت دتّی نامی سے جو ان کی مرید ہوئی تھی خود شادی کی (۱) ۔

خلفاء کا تقرر :

یہیں انھوں نے اپنے تبلیغی پروگرام کو وسعت دی ۔ اپنے خلیفہ مودود (۲) کو قندھار پر مقرر کیا ۔ اپنے دوسرے خلیفہ دولت کو اکبر بادشاہ کے پاس اپنی کتاب ''صراط‌التوحید'' کے ساتھ بھجوایا ۔ حالنامے میں ہے کہ :

> ''جب اکبر نے ''صراط‌التوحید'' کو دیکھا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی قبول کی اور جو خدمت وہ کہیں ، میں بجا لانے کے لیے تیار ہوں ، پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحائف بایزید کے لیے بھجوائے اور خلیفہ دولت کو بھی خلعت سے نوازا ۔
>
> اپنے ایک اور خلیفہ یوسف نامی کو اپنی کتاب ''فخرالطالبین'' کے ساتھ میرزا سلیمان کے پاس بدخشاں بھجوایا اور وہ مطیع و منقاد ہوا ۔ میرزا سلیمان نے بھی کچھ تحائف پیر دستگیر کے لیے بھجوائے اور ایک خط پیر بایزید کو لکھا کہ مجھے اپنے طالبوں اور مریدوں میں جانیے ۔

---

۱ - یہ تمام حالات حالنامے کے مختلف اوراق سے اخذ کرکے ترتیب دیے گئے ہیں ۔

۲ - خلیفہ مودود بہت دن مردم کاسی میں رہے اور وہیں انھوں نے شادی کی ۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر سرزمینِ سندھ اور بلوچ میں آئے اور چند دن شہر سید پور میں رہے ۔ بہت سے لوگ اُن کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور سندھ اور علاقہ بلوچ میں شاہ یوسف علی اور عمر کو خلیفہ بنایا (حالنامہ ۔ صفحہ ۳۶۱)

کچھ خلفاء کو انھوں نے بلخ اور بخارا بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں (۱) -

سماع مع مزامیر :

ایسا معلوم ہوتا ھے کہ پیر بایزید سماع مع مزامیر کے قائل تھے - حالنامے میں ھے کہ :

''ایک رات پیر بایزید نے خواب میں دیکھا کہ ھندوؤں کی ایک جماعت زنّار بند ، گلوبستہ ان کے گھر میں آئی - اس خواب کے دوسرے دن صبح کو چالیس آدمی پیر بایزید کے گھر آئے اور ھر ایک رباب ، دائرہ اور چار تارہ لیے ہوئے تھا - انھوں نے کہا بایزید ! عالم کہتے ھیں کہ مزامیر کا سننا حرام ھے - تمھاری اس کے متعلق کیا رائے ھے ؟ پیر بایزید نے کہا میں نے حدیث میں دیکھا ھے کہ مزامیر کی تین نوعیتیں ھیں - حرام ، مباح ، حلال - حدیث قدسی میں ھے کہ جو کسی چیز کی آواز محبتِ دنیا کے لیے سنتا ھے وہ حرام ھے اور جو محبتِ جنّت کے لیے سنتا ھے وہ حلال ھے - پھر درویشوں نے کہا کہ اگر اجازت ھو تو ھم آپ کے سامنے مزامیر بجائیں ؟ پیر بایزید نے جواب دیا بجاؤ ، بشرطیکہ تمھارا بجانا محبتِ خدائے تعالیٰ کے لیے ھو - (۲)

دو خزانے :

حالنامے کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ھے کہ :

''پیر بایزید اور ان کے مریدوں نے اس علاقے کی موسیقی کے فروغ میں بھی بڑا حصہ لیا تھا - حالنامے میں ان دو خزانوں کا تذکرہ کیا گیا ھے جو پیر بایزید کے ذریعے سے افغان قوم کو ملے - حالنامے میں ھے کہ :

---

۱ - حالنامہ قلمی - صفحہ ۳۶۱ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۱ -

۲ - حالنامہ قلمی - صفحہ ۱۱۳ -

روزے ... یاران خود میفرمود
که دو گنج از افغانان حق تعالیٰ
پوشیده داشت ، به طفیل دو کس
آن هر دو گنج ظاهر ساخت ، یکے
از آن گنج علم توحید است
که از افغانان پوشیده بود ،
حق تعالیٰ از طفیل پیر روشان
بر ایشان مکشوف گردایند -
سخن گنج دوم که مذکور شده
بود ، آن گنج علم موسیقی است که
از طفیل حاجی محمد خلیفه میر فضلاله
ولی برافغان کشف نمود ، زیرا که
پیشتر در افغانان بر غنچگیں سرتارا
می نواختند ، و بر رباب پنج تار
یعنی سرمد دو تار مینواختند و دوتار
میگفتند ، واز تعلیم و طفیل حاجی محمد
سازندهائے ایشان تارهائے بسیار
بر سازهائے انداختند و نغمهائے
نونواخراج نمودند ، اما اکثر نغمهائے
رقص و غیر ملائم می نواختند ، چوں
آن سازندهائے در خدمت پیر دستگیر
قدس سره رسیدند ، واز برکت و
صحبت و طفیل پیر دستگیر سرود و
سلوک و نغمهائے ملائم نواختند ،
و شش مقام بستند ، یکے ناصری ،
دوم پنج پرده ، سوم چهار پرده ،
چهارم سه پرده ، پنجم پردۂ چنگ

ایک روز اپنے دوستوں ...سے
فرماتے تھے کہ دو خزانے حق تعالیٰ
نے افغانوں سے پوشیدہ رکھے تھے -
دو شخصوں کے طفیل سے وہ دونوں
خزانے افغانوں پر ظاہر کیے - ایک
خزانہ ان میں سے علم توحید ہے -
جس کو خدائے تعالیٰ نے پیر روشان
کے طفیل سے افغانوں پر ظاہر کیا -
دوسرا خزانہ جو ظاہر کیا گیا ،
وہ خزانہ علم موسیقی کا ہے ، جو
حاجی محمد خلیفہ میر فضلالہ ولی
(مرید پیر روشان) کے طفیل سے
افغانوں پر ظاہر ہؤا - اس لیے کہ
پہلے افغان غنچگیں ، (ساز) پر اکتارہ
بجاتے تھے اور پانچ تار کے رباب
پر یعنی سرمدہ دو تار بجاتے تھے اور
اسے دو تار کہتے تھے -

حاجی محمد کی تعلیم اور طفیل سے
ان کے سازندوں نے کئی کئی تار
سازوں میں ڈالے اور نئے نئے نغمے
نکالے لیکن وہ اکثر نغمے غیر
ملائم بجاتے تھے -

جب یہ سازندے پیر دستگیر
(پیر روشان) کی خدمت میں پہنچے ،
تو پیر دستگیر کی صحبت و برکت
اور طفیل سے نغمۂ ملائم بجانے لگے
اور چھ نغمے ایجاد کیے - ایک ناصری ،

که در وقت جنگ مینوازند ، ششم مقام شہادت است ، و دریں مقام بسیار بندها و نغمہا نواخته میشود ، و دیگر پیشتر در افغانان از دو ، سه بیت شعر زیاده نبود ، و پیر دستگیر قدس سره بزبان افغانی قصیدها و غزلہا و رباعیہا و قطعہا و مثنویہا ساختند ، و از طفیل پیر دستگیر قدس سره فرزندان و مریدانش دیوانہا گفتند (۱)

دوسرے پنج‌پرده ، تیسرے چار پرده ، چوتھے تین پرده ، پانچویں پردۂ جنگ که جو جنگ کے وقت بجاتے ھیں ، چھٹے مقام شہادت اور اس نغمے میں بہت سے نغمے اور بندگائے جاتے ھیں۔ اس کے علاوہ اس سے پہلے افغان (شاعری) میں شعر دو تین قسم سے زیاده نه تھے ۔ پیر دستگیر نے افغانی زبان میں قصیدے ، غزلیں ، رباعیاں ، قطعے اور مثنویاں کہیں اور پیر دستگیر کے طفیل سے ان کے فرزندوں اور مریدوں نے دیوان کہے۔

حالنامے کے اس اقتباس سے معلوم ھوتا ھے که ”حاجی محمد مرید میر فضل‌الله ولی متوفی ۷۹۲ھ (۱۳۹۳ع) نے رباب میں چند تاروں کا اضافه کیا تھا اور ان کی اس ایجاد پر افغان موسیقاروں نے چند نئے نغمے اضافه کیے تھے ۔ لیکن موسیقار ان نغموں کو غیر متوازن بجاتے تھے ۔ پیر بایزید نے ان نغموں میں اصلاح کی ۔ ان کی رهنمائی میں موسیقار اس قابل بنے که سرود و سلوک اور دوسرے حسب ذیل طربیه نغمات کا سرود بنا سکیں ۔

ناصری (دھناسری) پنج پرده ، چہار پرده ، سه پرده ، جنگی آهنگ ، مقام شہادت ۔ سرود کا ذوق پیر بایزید میں شروع ھی سے تھا ۔ جب سرود ھوتا تو وہ وجد میں آ جاتے تھے ۔ ان کے بیٹے اور پوتے بھی ماهر موسیقار تھے ۔

مغلوں سے مخالفت :

یه صحیح ھے که پیر بایزید کی تحریک ایک مذهبی اور ملی تحریک تھی اور اس خاندانی چشمک کی بنا پر جو ان کے اسلاف میں اور مغل فرمانرواؤں

۱- حالنامه قلمی صفحه ۴۵۳—۴۵۴ ۔

میں چلی آتی تھی ان میں مغلوں کے خلاف ایک ضرور جذبہ پایا جاتا تھا جس کا تذکرہ ہم ڈاکٹر جہانگیر کے مضمون کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں کر آئے ہیں - اسی طرح ہم اس قرینے کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ افغانوں کی حکومت کا زوال جو مغلوں کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا - اس نے بھی ان کے قلب میں مغلوں کے خلاف عصبیت کے جذبے کو ابھارا ہوگا - لیکن ہم اپنے آپ کو اس سے متفق نہیں پاتے کہ ان کی نفرت کا یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ وہ مغلوں کی بساطِ سلطنت آلٹ کر اس علاقے میں اپنی داخلی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے - رہا یہ امر کہ انھوں نے مغلوں کے خلاف لڑائیاں کیوں لڑیں تو ان لڑائیوں کے کچھ محرکات اور تھے - وہ یہ کہ ان کی ملّی اور مذہبی تنظیم کو دیکھ کر مغلوں کو یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ پیر بایزید کی تنظیم مغل حکومت کے لیے ایک خطرہ ہے - اتفاق سے بعض ایسے واقعات پیش آئے - جس نے مغلوں کی اس غلط فہمی کو اور بھی قوی کر دیا اور آیندہ چل کر اس کا نتیجہ مسلسل جنگوں کی صورت میں برآمد ہوا جو اکبر کے عہد سے شاہجہاں کے عہد تک اس خاندان میں اور مغلوں میں ہوتی رہیں -

پیر بایزید اور اکبر کی مخالفت کے اسباب کیا تھے ، کس طرح ان میں اور اکبر میں مخالفت کی ابتدا ہوئی اور کس طرح اس مخالفت نے جنگ کی صورت اختیار کی - ہم ان علل و اسباب کو ان جنگوں کی کیفیات کو جو بایزید اور اکبر کے درمیان ہوئیں ، حالنامے سے جو ان کی زندگی پر سب سے موثق کتاب ہے پیش کرتے ہیں -

مغلوں اور پیر بایزید میں مخالفت کی وجوہ :

صاحبِ حالنامے نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے جس کے ذیل میں مغلوں کے اور پیر دستگیر کے لوگوں کے درمیان عداوت و نقیض پیدا ہونے کے اسباب لکھے ہیں - حالنامے میں ہے کہ :

> ''جب قبیلہ توئی اپنے سردار عبدالکریم کے ساتھ پیر دستگیر کا مرید ہوا تو چند دنوں میں اس قبیلے میں ایک عجیب حالت رونما ہوئی اور 'جذبۂ حق تعالیٰ' اس قبیلے پر وارد ہوا -

اس قبیلے کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھے اور آپس میں مشورہ کیا کہ قیامت کبریٰ قریب ہے اور اس کا کوئی وقت معین نہیں اور موت قیامت صغریٰ ہے اور ہم خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں اور توشۂ راہِ آخرت کو فراموش کیے ہوئے ہیں - پھر انہوں نے کہا آؤ ، ہم سب دنیا سے ہاتھ کھینچ لیں اور جو کچھ مال و غلہ ہم رکھتے ہیں ، ایک جگہ جمع کرکے افطار کے وقت کام میں لائیں اور پاسِ انفاس کریں ، پھر اس قبیلے کے تمام مرد اور عورتیں ایک مسجد میں جمع ہوگئے اور ذکرِ خفی میں مشغول ہوگئے - ان میں ایک بوڑھی عورت تھی ، جس نے چالیس دن تک کچھ نہ کھایا اور ذکرِ حق میں مشغول رہی - یہ لوگ اس کو مریم ثانی کہتے تھے - اسی زمانے میں اس قبیلے میں ایک لڑکا پیدا ہؤا اس کو اس قبیلے کے لوگوں نے عیسیٰ ثانی کا لقب دیا -

چند دنوں کے بعد ایک قافلہ ہندوستان سے ان کی طرف آیا ، کسی نے کہا یہ کارواں ہے اور اس میں سوداگر ہیں ، جو ہندوستان سے سامان لے کر کابل جا رہے ہیں اور وہاں غلاموں کو فروخت کریں گے - پھر انہیں میں سے کسی نے پوچھا کہ فروخت کرکے پھر کیا کریں گے ؟ کسی نے کہا کہ وہاں سے گھوڑے خرید کر ہندوستان لائیں گے - پھر اس نے پوچھا کہ پھر کیا کریں گے ؟ پھر کسی ایک نے ان میں سے جواب دیا کہ وہ پھر کابل آئیں گے اور پھر یہاں سے گھوڑے خریدیں گے ان کا کام یہی ہے - پھر سب کہنے لگے کہ افسوس ہے ان پر کہ اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قیامت قریب ہے ، آخر یہ آخرت کے لیے کب کام کریں گے - پھر ان میں سے چند مجذوب جمع ہو کر کارواں پر حملہ آور ہوئے - قافلے والوں نے یہ سمجھا کہ تمام افغان متفق ہوگئے ہیں اور پیر روشان نے ان کے

خلاف تلوار اٹھائی ھے ۔ قافلے کے تمام لوگ اپنا سامان چھوڑ کر کابل کی طرف بھاگ گئے اور ان مجذوبوں نے ان کا تمام سامان اٹھا کر ایک میدان میں پھیلا دیا اور اس جگہ ایک نشان نصب کیا اور کہنے لگے آج قیامت کا دن ھے اور یہ مریم کا نشان ھے جو ھم نے نصب کیا ھے ، پھر وہ چند روز اسی مشغلے میں رھے ۔

قافلے کے لٹے پٹے لوگ کابل پہنچے ۔ انھوں نے میرزاحکیم سے فریاد کی کہ تمام افغانوں نے متحد ھوکر پیر روشان کی سرکردگی میں تلوار اٹھائی ھے اور قبیلۂ توئی نے ھمیں لوٹا ھے ۔ میرزا حکیم نے پانسو سواروں کا ایک دستہ مقرر کیا کہ وہ جا کر کیفیتِ حال معلوم کریں ۔ یہ دستہ وھاں پہنچا تو قبیلۂتوئی کے پندرہ سو سواروں نے مغلوں کے اس دستے سے مقابلہ کیا ، مغل ان کو مار کر ان کے بچوں کو پکڑ کر کابل لے گئے ۔

پیر روشان (بایزید) کو جب یہ واقعہ معلوم ھوا تو متفکر ھوئے اور حکیم کو لکھا کہ یہ مجذوبوں کی جماعت ھے اور یہ لوگ مسلوب العقل ھیں اور اپنی اس دیوانگی کی سزا کو پہنچ چکے ھیں ، ان کے بال بچّے بے گناہ ھیں ان کو چھوڑ دیا جائے تو بڑا کرم ھوگا ۔

جب میرزا حکیم کے وزرا کو پیر روشان کے اس خط کا علم ھوا تو انھوں نے میرزا حکیم سے کہا کہ ھم نے پہلے ھی عرض کیا تھا کہ شیخ (بایزید) کب اس کو پسند کرے گا کہ ھم افغانوں کو قید میں رکھیں اور افغانوں نے جو یہ حرکت کی ھے محض پیر روشان کے بل بوتے پر کی ھے ۔ ھم نے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا کہ اس کا علاج کرنا چاھیے ۔ مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی ۔ اب مناسب ھے کہ حاکم پشاور کو لکھا جائے کہ وہ پیر روشان پکڑ کر قید

کرے یا قتل کرے - میرزا حکیم نے اپنے وزرا کے مشورے کے مطابق معصوم خاں حاکمِ پشاور کو لکھا -

جب یہ حکم معصوم خاں کو پہنچا تو پاینده خاں اور بہار خاں جو اس کے ملازموں میں در پردہ پیر روشان کے ہوا خواہوں میں تھے ، انھوں نے چپکے سے اس کی اطلاع پیر روشان کو دی - اس اطلاع کے بعد پیر روشان مہمند زئیوں کے مشورے سے علاقۂ یوسف زئی میں چلے آئے ، اور قبیلۂ مہمند زئی بھی آن کے ساتھ تھا -

جنگ:

ادھر معصوم خاں نے پیر روشان پر لشکر کشی کی اور افغانوں کے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی لے کر ان کا تعاقب کیا ، جیسے ہی اس کی اطلاع پیر روشان کو ملی تو وہ پائینِ کوہ سے نکل کر بالائے کو پر آ گئے ، مغل لشکر نے ان کا محاصرہ کر لیا ، پیر روشان نے معصوم خاں سے کہلا کر بھیجا کہ آپ نے جو مجھ پر لشکر کشی کی ہے مجھ سے کون سی تقصیر خلافِ شرع ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ مجھ پر حملہ آور ہوئے ہیں معصوم خاں نے کہا کہ تم سے کوئی تقصیر نہیں ہوئی - مگر مجھے میرزا حکیم کا حکم ملا ہے کہ یا تو میں تمھیں قید کروں یا تمھارا سر اس کے پاس بھیجوں - اس کے بعد پیر روشان نے اپنے یاروں سے مشورہ کیا اور کہا کہ اب ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو بھوکے مریں یا دشمنوں سے تلوار سے مقابلہ کریں - یاروں نے کہا تلوار سے لڑنا بہتر ہے ، اس وقت پیر روشان کے ساتھ تین سو تیرہ آدمی تھے ، جنھوں نے تلوار اٹھائی اور جو تلوایں نہ رکھتے تھے ، انھوں نے پتھر اور لکڑی ہاتھ میں لی -

دعا:

جنگ کے شروع ہونے سے قبل پیر روشان نے وضو کرکے

دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا ، ''اے خدا ! تو جانتا ہے کہ میں کوئی حیلہ اور راہِ گریز مغلوں لشکر سے نہیں پاتا ، مجبوراً تلوار ہاتھ میں لیتا ہوں، تو میرا معین و مددگار ہو اور ظالموں کے ہاتھ سے اہل و عیال اور میرے یاروں کو محفوظ رکھ۔

شکست :

اس کے بعد پیر روشان نے اپنے لڑکوں اور یاروں کے ساتھ مغل لشکر کا مقابلہ کیا اور ان کے یاروں نے اللہ اکبر نعرہ لگا کر ھلہ بول دیا ، اس مقابلے میں مغلوں کو شکت ہوئی ، بعض مارے گئے اور بعض بھاگ کر پشاور آئے۔

پیر روشان نے اس جگہ کا نام آغاز پور رکھا اور اس جنگ کے ساتھیوں کو آغاز پوری کا لقب دیا اور ان کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ یہ ایک حصہ مالِ غنیمت میں دوسروں سے زیادہ پائیں گے۔

تیراہ میں آمد :

پھر وھاں سے پیر روشان تیرہ آئے۔ اسی زمانے میں میرزا سلیمان ، اکبر کو دیکھنے کے لیے جا رہا تھا۔ جب وہ خیبر کے قریب پہنچا تو آفریدیوں نے اس کے لشکر کو لوٹ لیا۔ پیر روشان کو یہ حال معلوم ہوا تو آن کو آفریدیوں کی اس حرکت پر بہت افسوس ہؤا اور انھوں نے اس لوٹنے والے گروہ کو ڈانٹا۔

مغلوں کی دوسری شکست :

اس کے بعد حاکمِ پشاور لشکر کو لے کر تیراہ پر حملہ آور ہوا ، اس جنگ میں بھی مغل کامیاب نہ ہوسکے اور واپس چلے گئے ، مگر اس جنگ نے مغلوں میں اور ان میں عداوت کو شدید کر دیا ، پیر روشان نے اپنے یاروں سے کہا کہ اب ہم میں اور مغلوں میں جنگ یقینی ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اس علاقے

کو چھوڑ کر یوسف زئیوں کے علاقے میں چلے جائیں - چناں چہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر علاقہ یوسف زئیوں میں آ گئے اور چند دن علاقہ یوسف زئیوں میں گزارے -

وصیت و وفات :

ان جنگوں کے شروع ہونے کے دو ڈھائی سال بعد ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ع) میں پیر روشان نے وفات پائی - جب دردِ سر غالب ہوا اور وفات کا وقت قریب پہنچا ، تو آن کے یاروں نے ان سے کہا کہ وقت نازک ہے ، حضرت کچھ فرمائیں ؟ پیر روشان نے کہا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کیا تھا وہ میں نے خیر البیان میں لکھ دیا اور میں نے اس میں ذرا بھی بخل روا نہیں رکھا (۱) تجہیز و تکفین کے بعد ان کے جسد کو صندوق میں رکھ کر اسی نواح میں دفن کر دیا گیا -

اولاد :

حالنامے سے پیر روشان کے سات صاحبزادوں کا اور ایک صاحبزادی کا پتہ چلتا ہے - صاحبزادوں کے نام یہ ہیں - (۱) شیخ عمر (۲) کمال الدین (۳) خیرالدین (۴) نورالدین (۵) جلال الدین (۶) اللہ داد (۷) دولت - اللہ داد اور دولت جوانی کے قریب حالتِ بلوغ میں غزائے کلاں میں شہید ہوگئے - ان دونوں کا سنہ وفات ۹۸۹ھ تھا (۲) ان کی صاحبزادی کا نام بی بی کمال خاتون تھا -

خلافت :

پیر روشان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عمر خلیفہ ہوا اور سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ، لیکن کسی وجہ سے شیخ عمر اور اور اس کے

---

۱ - مغلوں اور پیر روشان میں عداوت کے اسباب کی تفیصل ان کی وفات تک ''حالنامہ'' قلمی - بضمن بیان سبب افتادن عداوت و نقیض میانِ مردم مغل و پیر دستگیر ، صفحہ ۴۷۱ تا ۴۷۸ سے ماخوذ ہے -

۲ - ایضاً - صفحہ ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۸

بھائی خیرالدین میں شکر رنجی پیدا ہوئی اور خیرالدین نے بی بی شمسو سے کہا کہ اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں اور وہ تیرہ چلا آیا ۔ شیخ عمر نے کمال الدین کو اس کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مغل ہمارے دشمن ہیں ، ہمیں اختلاف کو بھلا کر متحد رہنا چاہیے ۔ بھائی کے کہنے پر خیرالدین ، عمر کے پاس آ کر رہنے لگا(۱) ۔

یوسف زئیوں اور شیخ عمر میں عداوت :

شیخ عمر کی خلافت کے بعد خاندانِ روشانیہ علاقۂ یوسف زئیوں میں آرام سے رہتا تھا اور جو کچھ ان کو ملتا تھا اپنے یاروں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔ اچانک گوجر جمع ہوئے اور انھوں نے قبر سے پیر بایزید کا صندوق نکالنا چاہا ۔ خواب میں پیر بایزید نے شیخ عمر کو گوجروں کے ارادے سے مطلع کیا ، وہ آدھی رات کو قبر پر پہنچا ۔ گوجر جو قبر سے صندوق نکالنے کے لیے جمع ہوئے تھے اسے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ شیخ عمر نے اپنے باپ کے صندوق کو قبر سے نکالا اور اپنے ساتھ لے گیا ۔ جو چور اس نے پکڑے انھوں نے بتایا کہ ہم حمزہ خاں یوسف زئی کی رعیت اور اس کے ہمسائے ہیں اور اسی کے اشارے سے ہم اس ارادے سے آئے تھے ۔ شیخ عمر کے مریدین کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حمزہ خاں کے مویشی لوٹ لیے اور حمزہ خاں اور شیخ عمر میں معرکے ہوئے ، آخر وہاں سے شیخ عمر کوچ کرکے قبیلۂ مندنڑ کی طرف روانہ ہوا ۔ اس وقت بھی حمزہ اور شیخ عمر میں لڑائی ہوئی ، یہاں تک کہ وہ خانپور پہنچے ۔ ان کے ساتھ بایزید کا صندوق بھی تھا جو انھوں نے قبر سے نکالا تھا ۔ ابھی کچھ دور چلے تھے کہ ایک جگہ ''خیر البیان'' بھول گئے ۔ انھوں نے ''خیرالبیان'' کی تلاش کے لیے آدمی بھیجا اور جب تک ''خیرالبیان'' نہیں ملی وہ آگے نہیں بڑھے ۔ آخر مشورے کے بعد دلّازاک قبیلے کی طرف روانہ ہوئے ۔ جب دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو انھوں نے دلّازاک قبیلے کو کہلایا کہ ہم نے کبھی تمھارے ساتھ کوئی عداوت نہیں کی ، ہم تمھارے

---

۱ - ایضاً - صفحہ ۴۸۴ تا ۴۹۲

پاس آنا چاھتے ھیں - دلّازاک قبیلے کے لوگوں نے غداری سے جواب دیا کہ پہلے پیر روشان کے بیٹے اور ان کے بعض ساتھی ہمارے پاس آئیں - آخر دلّازاک قبیلے نے ان کے ساتھ غداری کی اور دلّازاک اور یوسف زئیوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا (۱) -

پیر بایزید کے صندوق کی غرقابی اور شیخ عمر کی وفات :

اسی کشمکش میں شیخ عمر مارے گئے اور پیر روشان کے یاروں میں سے مُلّا زکریا مُلّا عمر خویشگی اور ایوب نے دشمنوں کے ھاتھوں وفات پائی، اور دشمنوں نے پیر روشان کے صندوق کو دریا میں غرق کر دیا (۲) -

بی بی شمسو کی پیشین گوئی :

بی بی شمسو زوجۂ پیر روشان نے جب یہ خبر سنی تو پیشین گوئی کی کہ دلّازاک اور یوسف زئی تباہ ھوں گے - چناں چہ چند دن بعد ھی یوسف زئیوں میں قحط پڑا اور اکبر نے زین خاں کے ذریعہ سے انھیں قتل کرایا (۳) -

پیر بایزید کے صندوق کی بازیابی اور تدفین :

جب دلّازاکوں نے پیر روشان کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو وہ صندوق بہتا ھوا ساحل پر جا لگا - بعض یاروں نے اسے دریا سے نکالا اور ایک اچھی جگہ پر محفوظ کر دیا ، جب جنگ و جدل موقوف ھوئی تو اس کی اطلاع پیر روشان کے بیٹے جلال الدین (جلالہ) کو دی گئی ، اس نے حکم دیا کہ اس صندوق کو بمیتور (بھت پور) لے جاؤ اور محمد کمال کی قبر کے قریب اسے دفن کرو - لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی - پیر روشان کی قبر ابھی تک وھیں ھے - صاحبِ ''حالنامہ'' کا بیان ھے کہ اکثر لوگ جمعہ کی شب میں اس قبر کی زیارت کے لیے جاتے ھیں اور اپنی مرادیں حق تعالیٰ سے پاتے ھیں ، خصوصاً دونوں عیدوں میں - اِس قبر پر

۱ - ''حالنامہ''قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری -صفحہ ۵۰۷

۲ - ایضاً - صفحہ ۵۱۲

۳ - حالنامہ قلمی - صفحہ ۴۲۴

اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی اپنے گھر میں رہتا ہو۔ مزار کے سامنے جو میدان ہے ، نوجوان وہاں گھوڑے دوڑاتے ہیں اور کھیلتے اور دن کے آخری حصے میں گھر جاتے ہیں (۱) ۔

جلال الدین جلالہ کی مسندنشینی :

حالنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین (جلالہ) یوسف زئیوں کے ہاتھوں قید ہؤا ۔ اکبر جب لاہور سے اٹک آیا تو اس نے پیر بایزید کے یاروں کو قید سے چھڑایا اور قبائل دلّازاک اور قبائل یوسف زئی کو جلا وطن کیا اور قید میں رکھا اور جلال الدین (جلالہ) کو اپنے ساتھ لے گیا اور سیاسی مصالح کی بنا پر اسے نہایت عزت و احترام سے رکھا ۔ لیکن شیخ محمد خلیل جو غالباً پیر روشان کا مرید خاص تھا وہ تنہائی میں جلالہ سے کہا کرتا تھا کہ اکبر کی اس ظاہری مدارات کے دھو کے میں نہ آنا ۔ اس کی نیت تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ۔ مناسب ہے کہ تم یہاں سے بھاگ نکلو ۔ لیکن جلالہ اس پر راضی نہ ہوتا تھا ۔ آخر پیر روشان کے ان مریدوں نے جو اس کے ساتھ تھے جب یہ دیکھا کہ وہ اکبر کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا اور اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتا تو انھوں نے باہمی مشورہ کرکے جلالہ کو بےہوشی کی دوا پلائی اور مشہور کیا کہ وہ بیمار ہے ۔ وہ بےہوشی کی حالت میں اسے اٹھا کر چپکے سے کوھستان لے گئے۔ جلالہ کو جب ہوش آیا تو اس نے اکبر کے احسانات گنوا کر واپس جانا چاہا مگر ان مریدوں نے ایک نہ سنی ۔ آخر وہ شیخ عمر کی جگہ اپنے باپ کی مسند پر بیٹھا اور پیر روشان کے مریدوں میں تنظیم کرکے مغلوں کے خلاف معرکہ آرا ہوا ۔ اس کی پانچ جنگوں کا تذکرہ حالنامے میں ملتا ہے ۔ اس کی پہلی اور دوسری جنگ راجا مان سنگھ سے ہوئی ۔ تسیری جنگ حامد بخاری سے ہوئی ، جو ان دنوں پشاور کا صوبہ دار تھا ، چوتھی جنگ

---

۱ - حالنامہ قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۵۳۰

پھر راجا مان سنگھ(۱) سے ہوئی ، پانچویں جنگ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں عبدالمطلب خان ولد شاہ بداغ سے ہوئی ۔

---

۱ ۔ راجا مان‌سنگھ راجا بھگوان داس کا بیٹا تھا ۔ اس کی بہن سے اکبر نے ۹۹۳ھ(۱۵۸۵ع)میں شادی کی ۔ اکبر نے کنور مان‌سنگھ کو اس کے باپ کی زندگی میں منصب عالی سے سر فراز فرمایا اور جماعت روشنائی کی مدافعت کے لیے جنھوں نے ہندوستان اور کابل کے راستے کو مسدود کر دیا تھا ، مقرر کیا اور کابل اس کی جاگیر میں دیا ، کنور مان سنگھ نے ان کو سخت تنبیہ کی ۔ اس کے بعد وہ قتلو خان افغان کے مقابلے کے لیےمقرر کیا گیا ۔ اور ولات بنگالہ واڑیسہ اس کے تصرف میں دی گئی آخر دکن میں اس نے اجل طبعی سے وفات پائی ۔ ساٹھ افراد مرد اور عورتیں اس کے ساتھ ستی ہوئے رماخوذ از ذخیرۃالخوانین ۔ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۱ ۔

پیر بایزید اپنے موافقین اور مخالفین کی نظر میں

پیر بایزید کے متعلق شیخ فرید بکھری صاحب ذخیرۃالخوانین کا اظہار خیال :

ہم پیر بایزید کے حالات زندگی ، ان کی تعلیمات اور تحریک روشنائی کے مختلف پہلو گذشتہ اوراق میں تفصیل سے پیش کرچکے ، اب ہم مختلف تاریخوں سے مؤرخین کے وہ اقتباسات پیش کرتے ھیں جن میں انھوں نے پیر بایزید کے متعلق موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کیا ھے ، تاکہ اس نوعیت سے بھی پیر بایزید کی زندگی کا عکس واضح طور پر سامنے آسکے ۔

ہم سب سے پہلے عہد جہانگیر کے مؤرخ شیخ فریدبکھری صاحب ''ذخیرۃالخوانین'' کی رائے بایزید کے متعلق ان کی کتاب ''ذخیرۃالخوانین'' سے ترجمے کی صورت میں یہاں نقل کرتے ھیں ۔ ''ذخیرۃالخوانین'' ۱۰۶۰-۶۱ ھ میں لکھی گئی اور اس کتاب کو مغل عہد پر بڑی تاریخی اھمیت حاصل ھے ۔ شیخ فرید بکھری لکھتے ھیں :

> ''بایزید نے (افغانوں میں پہنچ کر) اس جگہ کے اکثر افغانوں کو اپنا مرید بنایا اور جس نے اس کی شکل دیکھ لی وہ گرویدہ ھوگیا ۔ اس نے پشتو زبان میں ''خیرالبیان'' کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی اور اسے ان لوگوں میں نشر کیا ، یہ مسئلۂ وحدت الوجود پر مدلل کتاب ھے ، اس میں دلائل و براھین قاطع از روئے نص (قرانی) اور احادیث اور بزرگان سلف کی تاویلوں سے کام لیا ھے اور حقیقتاً یہ کتاب ایسی نادر ھے کہ اگر اس پر کوئی شخص انصاف کی نظر سے غور کرے تو اس سے فیض یاب ھوسکتا ھے ۔ وہ خود جس پر نظر ڈالتا اسے اپنا مطیع بناکر مبداء تک پہنچا دیتا ، صاف دل باشندگان کوھستان اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ھوئے

اور تا دمِ حیات عبادتِ حق اور ترویجِ سنت نبوی برحق کرتے رہے ۔ امر معروف اور نہی سے انکار نہ کرتے تھے اور لوگوں (افغانوں) کو جو حد شمار سے باہر تھے ، اس نے دین نبوی پر قائم رکھا اور اکثروں کو واصلِ حق کردیا ۔ اس کے سلسلے کی برکت اس وقت تک باقی ہے ۔ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اپنے پیچھے خلفائے موحد کو چھوڑ گیا کہ ان میں ہر ایک اسلام کا ستون ہے ، اور اس وقت تک ان سے ایک دنیا ہدایت حاصل کر رہی ہے ۔''

پھر بایزید کے بیٹے جلال الدین (جلالہ) کے مغل اکبر بادشاہ کے ھاتھوں سے نکل بھاگنے پر لکھتے ہیں کہ :

''اس نے اپنے والد کے افغان مریدوں میں پہنچ کر علمِ بغاوت بلند کیا اور اپنے والد کے مریدین کی بھاری اکثریت کے ساتھ ہندوستان اور کابل کے درمیان آمد و رفت کو معطل کر دیا چناں‌چہ اس کے پیدا کردہ مصائب و آلام کی روداد تاریخ کے اوراق پر درج ہے ۔ جسے دنیا جانتی ہے اور یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ۔ حضرت شاہنشاھی خلیفۂ الٰہی (اکبر) نے بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر راجہ مان سنگھ کچھواچھ کو کابل جاگیر میں دے دیا ، تاکہ وہ اس طائفے کو رفع دفع کر دے ۔''

آگے چل کر اس تحریک کے آخری قائد احداد کے متعلق شیخ فرید اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اس کی شجاعت و بہادری کی ایسی کہانیاں ہیں کہ انہیں میں لکھنے سے قاصر ہوں ۔ اس نے اپنی ساری زندگی پہاڑوں میں شاہی لشکر سے جنگ و جدل میں کاٹ دی ، کبھی غالب ہوا ، کبھی مغلوب ۔''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :

''افغانوں کے دوسرے گروہ کو مذہبی اختلاف اور کمزوری

۰۰۰ نے حسد پر آمادہ کیا تو انھوں نے اسے عداوت کا
نام دیا ۔''

عبدالشکور صاحب ، مصحح کتاب ''صراط التوحید''کا بایزید کے متعلق اظہار خیال :

رسالہ ''صراط‌التوحید'' کے مصحح عبدالشکور صاحب متہمم‌عجائب گھر پشاور نے اسی کتاب کے دیباچے میں بایزید کے متعلق لکھا کہ :

''بیسویں صدی کے اکثر محققین اور روشن خیال مفکرین کا خیال ہے کہ بایزید انصاری (جو پیر روشن یا پیر تاریک کے ناموں سے مشہور ہیں) درحقیقت ایک صحیح مبلغ ، رہنما اور سیاست داں اور ادیب تھے ، حضرت اخوند درویزا رحمۃاللہ‌علیہ نے مذہبی تعصب ، ذاتی عناد اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انھیں ملحد اور زندیق ٹھہرایا ۔''

صاحبِ ماثر الامرا کا بیان :

رشید خاں کے حالات کی کچھ اور تفصیل ہمیں ''ماثر الامرا' جلد ثانی میں ملتی ہے ۔ صاحب ''ماثر الامرا'' کا بیان ہےکہ رشید خاں کا نام الہ داد تھا ، جو جلال‌الدین‌روشنائی کا لڑکا ہے ، جس نے افغانوں میں اپنی سرداری کا علم بلند کیا ، اور زنبورِ خانۂ فساد کو شورش میں لایا ۔ عرش آشیانی (اکبر) کے عہد سے اور شاہجہان کے عہد تک ولایتِ کابل کی لڑائیاں اسی فرقے کے استیصال کے لیے تھیں ۔ یہ اکبری عہد سے 'تاریکی' سے موسوم ہیں ۔ پس ان کے بزرگوں میں جن لوگوں نے غبارِ فتنہ کو ہوا دی مختصراً ان کا ذکر ضروری ہے ۔ جلال الدین جو جلالہ کے نام سے مشہور ہے ، اس کا باپ شیخ بایزید خلف شیخ عبداللہ جو پیر روشان یا پیر روشنائی سے مشہور ہے ، اس کا سلسلۂ نسب سات واسطوں سے شیخ سراج‌الدین انصاری تک پہنچتا ہے ، وہ فردوس مکانی (بابر) کے ہندوستان پہنچنے سے چند سال پہلے قصبۂ جالندھر میں پیدا ہوا ۔ حصولِ کمال کے بعد جب اس نے مغلوں کا تسلط نمایاں طور پر دیکھا تو وہ اپنی ماں بیبن نامی کے ساتھ جو اسی قبیلے سے تھی کانی گرام علاقۂ کوھستان میں کہ جہاں اس کا باپ

مقیم تھا چلا گیا - ۹۴۹ ھ (۱۵۴۳ء) میں اس کی شہرت ہوئی اور اس نے اپنے خوارق اور کرامات کے اظہار سے کچھ افغان قبائل کو اپنے حلقۂ مریدی میں داخل کرلیا اور اس نے ایک کتاب ''خیر البیان'' کے نام سے مدلل اثبات وحدت الوجود پر پشتو میں لکھی - کہتے ہیں کہ وہ ایک نسخہ ہے جس میں اکابر سلف کے منتخب اقوال ہیں - بعض طبقوں نے اس کو الحاد و زندقہ سے نسبت دی ہے، اور اسی حیثیت سے اس کو دیکھا ہے (ص ۲۴۳)

کہتے ہیں کہ جب پیر روشان کو مجلس میرزا محمد حکیم میں لایا گیا، علماء اس سے مناظرہ کرنے سے عاجز رہے - جب اس نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی تو بھتہ پور میں جو کوھستان میں واقع ہے اسے دفن کیا گیا - اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی - اس کے لڑکوں میں سے شیخ عمر، نورالدین کہ اس کا لڑکا مرزائی نامی شاہی ملازمت میں منسلک ہوکر دولت آباد کی جنگ میں مارا گیا، اور جلال الدین و جمال الدین اور کمال خاتون قلیچ خاں اکبر شاہی کی قید میں آئے، لیکن باپ کی جانشینی جلال الدین کو ۹۸۹ھ میں ملی - جب اکبر سیر کابل سے لوٹا اور یولم میں مقیم تھا تو جلال الدین چودہ سال کی عمر میں اس کی ملازمت میں پہنچا اور عواطف شاہانہ کا مورد بنا، لیکن اس نے انسلاک ملازمت شاہی میں کوئی بہتری نہیں دیکھی - بغیر اجازت شاہی وہ اپنے باپ کے مریدوں میں بھاگ آیا جواورک زئی، آفریدی اور شنواری قبیلے سے تھے اور ان سے اس کی قرابت بھی تھی -

جب جلوس شاہی کے اکتیسویں سال مہمند اور غریہ خیل کے قبیلے کے لوگوں نے سید حامد بخاری کے کارپردازوں کی ستم رانی سے تنگ آ کر بغاوت کی تو جلالہ کو اپنی سرداری کے لیے منتخب کرکے حملہ کیا اور سید حامد کو قتل کرکے جنوبی قندھار جاکر جو نشیب و فراز زیادہ رکھتا ہے، خیبر کا راستہ بند کردیا راجا مان سنگھ صوبہ دار کابل کو معلوم ہوا تو اس نے تیراہ میں آکر آفریدیوں کو تاخت و تاراج کیا، اور علی مسجد میں قیام کرکے جلالہ کی بھی گوشمالی کی، آدھر سے اکبر کی طرف سے

زین خان کو جلالہ کی گوشمالی کے لیے مقرر کیا گیا ، سال ۳۲ جلوس میں اس نے علاقۂ یوسف زئی میں پناہ لی - زین خان اس کوهستان میں بھی آیا اور ایک زبردست لڑائی کے بعد قریب تھا کہ وہ جلالہ کو گرفتار کرلے وہ اپنی تدبیر سے تیراہ کی طرف بھاگ گیا - جلوس کے سینتیسویں سال پھر جلالہ نے شورش پیدا کی ، آصف خان جعفر دربار شاہی سے اس کی سرکوبی کے لیے متعین ہوا ، پھر بھی وہ کسی طرح بچ نکلا - آصف خان نے اس کے اہل و عیال کو وحدت علی نامی ایک شخص کے ساتھ گرفتار کرلیا - ۱۰۰۷ھ میں جلالہ نے غزنی پر قبضہ کرلیا ، لیکن وہ اس قبضے کو باقی نہ رکھ سکا - ۱۰۰۹ھ میں وہ لوحانی قبیلے کی مدد سے شادمان ہزارہ کی آویزش کے لیے نواح غزنی کی طرف گیا ہوا تھا ، کوہ رباط میں اسے ایک زخم لگا - مراد بیگ نے شریف خان کے نوکروں کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا ، اور اس کا کام تمام کردیا -

اس کے بعد احداد بن شیخ عمر کہ اس کا چچا زاد بھائی اور اس کا داماد بھی تھا اس کا جانشین ہوا وہ اتنا شجیع و بہادر تھا کہ اس نے اپنی بہادری سے رستم و افراسیاب کی داستانوں کو بھلا دیا ، اور اس نے جنت مکانی کے عہد میں شاہی لشکر سے سخت لڑائیاں لڑی تھیں - ان لڑائیوں میں کبھی وہ غالب اور کبھی مغلوب رہا تھا ، یہاں تک کہ ۱۰۳۵ھ میں ظفر خان پسر خواجہ ابو الحسن تربتی کہ اپنے باپ کے انتظام میں صوبۂ کابل کا نگراں تھا اس نے احداد پر عرصۂ حیات تنگ کردیا (۲۴۷) یہاں تک کہ وہ مجبور ہوکر نواک میں محصور ہوگیا تھا - ایک روز یورش میں اس کے بندوق لگی ، اور وہ اسی میں گزر گیا -

کہتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک روز پہلے اس نے نسخۂ خیر البیان کو پڑھ کر کہا ، کل ہمارا یوم وصال ہے ، چناں چہ ایسا ہی ہوا -

اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالقادر احداد کا جانشین ہوا ، اور ظفرخان پر یورش کرکے اس کا سامان لوٹ لیا - آخر سعید خان بہادر ناظم کابل کی کوشش سے ، وہ ملازمین اعلیٰ حضرت (شاهجہان) میں شامل ہوگیا

اور منصب هزاری سے ممتاز هوا - ۱۰۴۳ھ میں جب که وه کابل کی تعیناتی کے زمانے میں زندگی بسر کر رها تھا ، سعید خاں بهادر نے بی بی الائی ، احداد کی بیوی کو جوجلاله کی دختر تھی ، اس کے دو دامادوں محمد زماں صاحبداد اور قادرداد پسر محمد زماں کو عبدالقادر کے دوسرے همراهیوں کے ساتھ ۱۰۴۷ھ کے شروع میں حضور کی بارگاه میں بھیجا - اعلیٰ حضرت نے مراحم خسروانه کی بنا پر انهیں رشید خاں صوبه دار تلنگانه کے پاس بھجوا دیا -

اور اسی سال کریم داد جو جلاله کا چھوٹا بیٹا تھا اور ادبار و ذلت میں مبتلا هوکر حدودِ لوحانی میں زندگی بسرکر رها تھا ، ۱۰۴۸ھ میں موقع پاکر تیراه میں آتا اور شورش برپا کرتا تھا ، سعید خاں کو جب اس کی خبر هوئی تو اس نے راجا جگت سنگھ کو اس کی تادیب پر مقررکیا - اس کے پهنچنے پر تمام شورش پسندوں نے اطاعت کی مگر قبیلۂ (لکن ؟) اور دوسرے دو قبیلوں نے که جن میں کریم داد رهتا تھا سرکشی کی راه اختیار کی ، آخر جب انهوں نے اپنی نجات کریم داد کے سپرد کر دینے میں دیکھی تو انهوں نے اس کو اور اس کے متعلقین کو گرفتار کرکے راجا جگت سنگھ کے حوالے کردیا - سعید الملک نے ان کو بیاسا میں پهنچا دیا -

اس کے بعد دختر کریم داد کو جملة الملک سعد الله خاں کے عقد میں لایا گیا ، لطف الله خاں وغیره اسی خاتون کے بطن سے هیں -

جلاله کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں الهداد اپنے دوسرے بھائیوں کی اور اپنی کمزوری اور افغانوں کی عداوت دیکھ کر روه کی سکونت چھوڑ کر هندوستان آیا ، اور ملازمانِ جنتِ مکانی میں شامل هوگیا اور اپنی کارگزاری کی وجه سے منصبِ عالی اور رشید خاں کے خطاب سے ممتاز هوا ، اور اپنی عمده خدمات کی بنا پر اختصاص حاصل کرتا رها یهاں تک که اعلیٰ حضرت (شاهجهان) کے عهد میں چهار هزاری کے منصب اور تین هزار سواروں سے سرفراز هوا -

شاهجهانی جلوس کے چوتھے سال دریائے مانجرا کے قریب ، (جب که عادل شاهیه اور نظام الملکیه آویزشوں میں رشید خاں کے بهت سے بھائیوں

نے موت کا جام پیا تھا ، رشید خاں بھی میدانِ جنگ سے اعظم خاں صوبہ دار دکن کے پاس زخمی حالت میں لایا گیا ، ۱۲۵۰ع میں آخرِ عمر میں وہ نانڈیڑ کے انتظام پر تھا اور اب تک اس کی اولاد اور بھائی ہادی داد خاں وہاں متعین ہے ۔

ہادی داد خاں نے ۱۰۵۸ھ ، شاہجہانی جلوس کے بائیسویں سال ، صوبہ داری نانڈیڑ کے زمانے میں وفات پائی ۔ اس نے شمس آباد مئو میں ایک گاؤں آباد کیا ، اور باغ لگایا تھا ، وہیں اس کی نعش کو لے جا کر دفن کیا گیا ۔

کہتے ہیں کہ وہ چنداں علم نہ رکھتا تھا ، لیکن ہر جگہ سے باخبر تھا ، اور تاریخ میں بے نظیر تھا اور مذہب حنفی میں متعصب تھا ، اس نے عیدگاہ برھانپور کو جو تنگ تھی وسیع کرایا تھا ۔

اس کے دو لڑکے تھے الہام اللہ اور دوسرا اسداللہ[۱] ۔

صاحب ''دبستانِ مذاهب'' کا اظہار خیال

صاحبِ ''دبستانِ مذاهب'' نے پیر بایزید کے حالاتِ زندگی اور ان کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

> ''حالنامے میں (جو اس کے قلم سے لکھا ہوا) ہے کہ بایزید انصاری خلف شیخ عبداللہ کا نسب ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین سے جا ملتا ہے ، وہ افغانوں کی حکومت کے آخری زمانے میں شہر جالندھر میں پیدا ہوا ، اسی کے چند دن بعد بابر بادشاہ ۹۳۶ھ (۱۵۲۶ ع) میں افاغنہ پر مسلط ہوا اور اس نے ہندوستان کو فتح کیا ۔
>
> ''حالنامے میں ہے کہ بایزید کی ماں کا نام بیبن تھا اور اس کا باپ اور عبداللہ کا دادا دونوں بھائی تھے ۔ میاں بایزید وہیں پیدا ہوا ، اور عبداللہ کے باپ نے بیبن بنت محمد امین کو

۱۔ ماخوذ از ''ماثر الامرا'' جلد دوم ۔ تالیف شاہ نواز خاں مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۸۹۰ع

عبداللہ کے لیے مانگا اور عبداللہ کا باپ کانری گرام کا تھا ، جو کوھستان افغانان میں واقع ھے - جب مغلوں کا تسلط ھوا تو بیبن اور عبداللہ نہایت تکلیفیں اٹھا کر کانری گرام آئے - عبداللہ کی بیبن سے موافقت نہ ھوئی اور اس نے بیبن کو طلاق دے دی اور عبداللہ اور اس کی دوسری بیوی کی دشمنی سے بایزید نے سخت تکلیفیں اٹھائیں - بچپن ھی سے میاں بایزید کی طبیعت یہ تھی کہ جب بھی وہ اپنی کھیتی کی دیکھ بھال کے لیے جاتا تو دوسروں کی کھیتی کی بھی نگہبانی کرتا - شروع سے اس کا رجحان خدا کی طرف تھا ، وہ لوگوں سے پوچھتا کہ آسمان و زمین تو موجود ھے ، لیکن خدا کہاں ھے ؟ جب خواجہ اسمعیل سے اس نے مرید ھونا چاھا ، جو اس کے رشتے داروں میں تھا اور صاحبِ ریاضت و مجاھدات تھا تو عبداللہ مانع ھوا اور اس نے بایزید سے کہا کہ تیرے لیے باعثِ شرم ھے ، تو شیخ بہاءالدین کے لڑکوں کا مرید ھو - بایزید نے کہا کہ پیری وراثت پر نہیں ، آخر بایزید ریاضت کرکے مراتبِ شریعت ، حقیقت ، معرفت ، قربت ، وصلت اور سکونت سے گزرا اور لوگ اس سے وابستہ ھوگئے اور اس نے اپنے حاسدوں اور لوگوں کو دعوت دی اور وہ حق کو آشکارا دیکھتا اور اکثر اسے الہام ھوتا -

وہ اپنے آپ کو نبی جانتا تھا اور لوگوں کو ریاضت کے لیے کہتا اور نماز چھوڑ دیتا اور کہتا کہ جہتِ تعین درمیان سے اٹھ گئی ، فاینما تولوافثم وجہ اللہ' اور کہتا تھا کہ غسل کی حاجت نہیں ، اس لیے کہ جو شخص اس (ذات باری) تک پہنچ جاتا ھے اس کا تن پاک ھوجاتا ھے ، کیوں کہ چاروں عنصر پاک چیزوں سے ھیں اور کہتا تھا کہ جو کوئی خدا اور خود کو نہیں پہچانتا وہ آدمی نہیں ، وہ اگر موذی ھے تو حکم بھیڑیے ، پلنگ ، سانپ اور بچھو کا رکھتا ھے اور اس کا مارنا جائز ھے اور پیغمبر عربی نے کہا ھے کہ اقتلِ

المـوذی قبـل الایـذا اور اگر نیکوکار اور نماز پڑھنے والا ہے وہ گائے اور بکری کا حکم رکھتا ہے اور ان کا مارنا جائز ہے ۔ اس بنا پر اس نے مخالفینِ خود شناسی کو قتل کرنے کے لیے فرمایا ، کیوں کہ یہ حیوان ہیں ، چناں چہ قران میں ہے : اولـئـک کالانـعـام بـل ہـم اضـل اور اس نے کہا کہ جو کوئی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور زندگی اور حیاتِ ابدی سے خبر نہیں رکھتا ، وہ مردہ ہے اور ایسے مردے کا مال جس کے وارث بھی مردہ ہیں زندوں کو پہنچتا ہے ۔ اس لیے اس نے نادانوں کے قتل کا حکم دیا ۔ اگر وہ ہندو کو خود شناس پاتے اسے مسلمان پر ترجیح دیتے تھے ۔ وہ اپنے لڑکوں کے ساتھ مدتوں راستہ لوٹتا تھا اور مسلمانوں کا مال لے کر خمس مال بیت المال میں رکھتا تھا ۔ جب ضرورت ہوتی اہلِ استحقاق پر تقسیم کر دیتا ۔ وہ اور اس کے لڑکے فسق سے مجتنب اور زنا اور اعمال ناشائستہ سے پرہیز کرتے تھے ۔ لیکن موحدوں کے مال لے جانے اور یگانوں پر ظلم کرنے میں بے حد بڑھے ہوئے تھے ۔

اور اس کی عربی ، فارسی ، ہندی اور افغانی میں بہت سی تصانیف ہیں ، ''مقصودالمومنین'' عربی میں ہے ، کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس سے بغیر واسطۂ جبریل کے بات کرتا تھا ۔ اور اس کی ایک کتاب ہے ، جس کا نام ''خیرالبیان'' ہے ، وہ چار زبانوں میں ہے ۔ اول عربی ، دوسرے فارسی ، تیسرے ہندی ، چوتھے پشتو لغت افغانی ، ایک ہی مطلب کو ان چار زبانوں میں ادا کیا ہے اور اس میں خطاب ہے حق تعالیٰ کی جانب سے خاص بایزید کو اور وہ اس کو صحیفۂ الٰہی جانتا ہے اور ''حالنامہ'' نامی ایک کتاب رکھتا ہے کہ جس میں اس نے اپنے حالات لکھے ہیں ۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ عامی تھا اور قرآن کے معنی بیان کرتا تھا اور ایسی حقائق آموز باتیں

کہتا تھا کہ جن کو سن کر عقل مند لوگ حیران ہوجاتے تھے ، کہتے ہیں کہ وہ خدا ناشناسوں کے قتل پر مامور ہوا تھا اور تین مرتبہ متواتر حق نے اس کو یہ حکم دیا تھا کہ تلوار ہاتھ میں لو ، جب کئی مرتبہ یہ حکم اس کو ملا ، ناچار کمر جہاد پر باندھی میرزا محمد حکیم ابن حضرت ہمایوں بادشاہ نے میرزا محمد شاہ مخاطب بہ غزنی خاں سے سنا جو معاصر تھا پیر روشان کا کہ وہ کہتا تھا کہ پیر روشان نے ۹۴۹ ھ میں قوت حاصل کی اور اسی زمانے میں اس کے مذہب نے رواج پایا - میرے باپ شاہ بیگ خان ارغون مخاطب بہ‌خان‌دوراں نے اس کو دیکھا تھا - وہ کہتا تھا کہ بغاوت سے پہلے اس کو میرزا محمد حکیم کی مجلس میں لائے ، علماء اس کے ساتھ مناظرے سے عاجز رہے ، مجبوراً اس کو رخصت کر دیا گیا - ۹۹۳ھ میں خبر وفات میرزا محمد حکیم حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو کابل سے پہنچی اور قبر میاں بایزید کی بھتہ پور میں ہے ، جو کوہستان افغانان میں واقع ہے -"

پیر روشان کا اس قدر تذکرہ کرنے کے بعد صاحب "دبستان مذاہب" نے ان کی اولاد کے حالات لکھتے ہوئے لکھا کہ :

"پیر بایزید کے چار لڑکے شیخ عمر ، شیخ کمال الدین ، نورالدین ، جلال الدین اور ایک لڑکی کمال خاتون تھی -

بایزید کے بعد جلال الدین کو خلافت ملی ، وہ باپ کے نقش قدم پر تھا - ۹۸۳ ھ میں وہ اکبر کی ملازمت میں چند روز رہ کر فرار ہوا ، . . . ۱ھ میں اکبر نے جعفر بیگ قزوینی جس کا خطاب آصف خانی تھا ، جلالہ (جلال الدین) کے استیصال پر مقرر کیا - اسی سال جلالہ (جلال الدین) کو مع اس کے اهل و عیال کے وحدت علی کے ساتھ قید کر کے لایا گیا- ۱۰۰۷ھ میں جلالہ نے غزنی کو تاخت و تاراج کیا اور غزنی کو لے لیا مگر وھاں قیام نہ کرسکا اور ہزارہ و افغان کے

درمیان اس سے لڑائی ہوئی اور جلال الدین سلطان ہزارہ کے ہاتھ سے زخمی ہؤا اور کوہ رباط کی طرف بھاگ گیا ۔ مراد بیگ ، شریف خاں کے ملازموں میں سے اس تک پہنچا اور اس کا کام تمام کر دیا ۔

اس کے بعد عمر کا بیٹا احداد مسند ارشاد پر بیٹھا۔ وہ صاحب انصاف تھا اور اپنے آبا کے ضوابط پر چلتا تھا ، مال جمع نہ کرتا تھا اور لوگوں کا حق کوشش کرکے ان کو دیتا تھا اور مال کا خمس جو جہاد میں ملتا اسے بیت المال میں رکھتا تھا اور غازیوں کو دیتا تھا - ۱۰۳۵ھ میں جہاں گیر کے عہد میں احسن اللہ خاں ظفر پسر خواجہ ابوالحسن تربتی نے اس پر کام کو تنگ کر دیا اور نواغر نامی قلعے میں قلعے پر یورش کے موقع پر کسی کی بندوق سے وہ مارا گیا ۔ مرنے سے ایک روز پہلے اس نے ''خیرالبیان'' کو کھولا اور مطالعہ کرتا رہا اور اپنے مخلصین سے کہا کہ کل ہمارے وصال کا دن ہے ۔

کہتے ہیں کہ احداد کے مرنے کے بعد احداد کے بیٹے عبدالقادر کو پکڑ کر پہاڑ میں چھوڑ دیا گیا ۔

احداد کی لڑکی جو اسی قلعے میں تھی بھاگ نہ سکی ، لشکریوں نے اسے پکڑنا چاہا ، لڑکی نے چادر منہ پر لپیٹی قلعے کی دیوار سے چھلانگ لگائی اور ہلاک ہوگئی ۔

احداد کے بعد اس کا بیٹا عبدالقادر مسند خلافت پر بیٹھا اور اس نے ظفر خاں پر تاخت و تاراج کیا یہاں تک کہ وہ بھاگ کھڑا ہؤا ۔ اس کا تمام سامان افغانوں کے ہاتھ لگا ، لیکن ظفرخاں کی بیوی نے بہادر اور جواں حوصلہ لوگوں کی کوشش سے نواب سعید خاں بن احمد بیگ سلطان ذوالقدر مخاطب ذوالفقار خاں کو عبدالقادر خاں کے خاندان میں بھیجا کہ وہ کھانے پینے کی نہایت عمدہ چیزیں ہر آدمی کو دیں تاکہ وہ اس پر فریفتہ ہوں ۔ اس پر عمل کیا گیا ، ایک دن ایک بوڑھے

افغان نے حلوا چکھنے کے بعد عبدالقادر سے کہا تیرے بزرگوں سے لے کر آج تک مغلوں کے قدم یہاں تک نہیں آ پائے، یہ آدمی جو آیا ہے چاھتا ہے کہ اچھے اچھے لباس پہنا کر اور عمدہ کھانے کھلا کر کہ جو درویشوں کے مسلک کے خلاف ہے تجھے فریب دے، میرا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کو مار دوں تاکہ دوسرا نہ آنے پائے - لیکن عبدالقادر کی ماں بی‌بی علائی جو جلالہ کی دختر تھی اس پر راضی نہ ہوئی -
مغلوں اور عبدالقادر میں تعلقات بڑھے اور عبدالقادر کی آمد و رفت سعید خاں کے لشکر میں شروع ہوگئی - ایک روز عبدالقادر سعید خاں کے لشکر میں جا رہا تھا کہ نقارے اور کرنا کی آوازوں سے اس کا گھوڑا ڈرنے لگا اور وہ لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگا - ایک افغان نے کہا کہ جو کچھ حضرت میاں روشن نے فرمایا تھا گھوڑا اس کی تعمیل کر رہا ہے اور تم نہیں کرتے تم اس کی سزا بھگتو گے - عبدالقادر نے پوچھا میاں نے کیا فرمایا تھا ؟ - افغانوں نے کہا مغلوں سے دوری اور اجتناب -

عبدالقادر شاھجہان کے زمانے میں منصب بزرگانہ پر فائز ہوا اور ۱۰۴۳ ع میں وفات پائی - پشاور میں مدفون ہے -

اس کا بیٹا نورالدین عہدِ شاھجہانی میں تھا، جنگ دولت‌آباد میں مارا گیا - کریم داد ابن‌جلال الدین کو قوم جلالیان نے محمد یعقوب کشمیری وکیل سعید خاں ترخان نژاد کے سپرد کیا۔ وہ ۱۰۴۸ھ میں مقتول ہوا -

اور اللہ داد خاں ابن‌جلال الدین خان رشید خانی کے خطاب سے سرفراز ہوا اور دکن میں منصب چہار ہزاری سے کامیاب ہوا - اس نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی -

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''دبستان‌مذاھب'' مطبوعہ نول کشور تعلیم نہم صفحہ ۳۰۴ تا ۳۱۱ سے ماخوذ ہے -

افغان نے حلوا چکھنے کے بعد عبدالقادر سے کہا تیرے بزرگوں سے لے کر آج تک مغلوں کے قدم یہاں تک نہیں آ پائے، یہ آدمی جو آیا ہے چاہتا ہے کہ اچھے اچھے لباس پہنا کر اور عمدہ کھانے کھلا کر کہ جو درویشوں کے مسلک کے خلاف ہے تجھے فریب دے، میرا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کو مار دوں تاکہ دوسرا نہ آنے پائے ۔ لیکن عبدالقادر کی ماں بی‌بی علائی جو جلالہ کی دختر تھی اس پر راضی نہ ہوئی ۔

مغلوں اور عبدالقادر میں تعلقات بڑھے اور عبدالقادر کی آمد و رفت سعید خاں کے لشکر میں شروع ہوگئی ۔ ایک روز عبدالقادر سعید خاں کے لشکر میں جا رہا تھا کہ نقارے اور کرنا کی آوازوں سے اس کا گھوڑا ڈرنے لگا اور وہ لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگا ۔ ایک افغان نے کہا کہ جو کچھ حضرت میاں روشن نے فرمایا تھا گھوڑا اس کی تعمیل کر رہا ہے اور تم نہیں کرتے تم اس کی سزا بھگتو گے ۔ عبدالقادر نے پوچھا میاں نے کیا فرمایا تھا ؟ ۔ افغانوں نے کہا مغلوں سے دوری اور اجتناب ۔

عبدالقادر شاہجہان کے زمانے میں منصب بزرگانہ پر فائز ہوا اور ۱۰۴۳ع میں وفات پائی ۔ پشاور میں مدفون ہے ۔

اس کا بیٹا نورالدین عہدِ شاہجہانی میں تھا ، جنگ دولت‌آباد میں مارا گیا ۔ کریم داد ابن‌جلال الدین کو قوم جلالیان نے محمد یعقوب کشمیری وکیل سعید خاں ترخان نژاد کے سپرد کیا ۔ وہ ۱۰۴۸ھ میں مقتول ہوا ۔

اور اللہ داد خاں ابن‌جلال الدین خان رشید خانی کے خطاب سے سرفراز ہوا اور دکن میں منصب چہار ہزاری سے کامیاب ہوا ۔ اس نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی ۔

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ''دبستان‌مذاہب'' مطبوعہ نول کشور تعلیم نہم صفحہ ۳۰۴ تا ۳۱۱ سے ماخوذ ہے ۔

صاحبِ ''تاریخ فرشتہ'' کا بیان

'معارف' میں حضرت پیر روشان کے عنوان سے مولوی نیازالدین خان دانشمند انصاری کا مضمون شائع ہوا تھا، جو خود بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس مضمون کے ابتدا میں ہندوستان کے چند ناموَر مؤرخوں کی پیر روشان کے متعلق رائیں درج کی ہیں۔ وہ صاحب ''تاریخ فرشتہ'' کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں:

''اکبر نے کنور مان سنگھ پسر راجا بھگوان‌داس کو بغرض اخراج افغانان روشنائی کہ ظلمت و کفر و زندقہ میں شہرت رکھتے تھے روانہ کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشان مشہور کیا تھا، اس نے افغانوں میں جا کر ان کو اپنا مرید بنا لیا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جلالہ چودہ برس کا تھا، وہ بادشاہ کی ملازمت میں آیا اور کچھ عرصے بعد بھاگ کر افغانوں میں جا ملا اور خلق کثیر کو اپنے ساتھ متعلق کرکے اس نے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا۔ راجہ مان سنگھ افغانان‌روشنائی سے بمقام کتل خیبر لڑا اور ایک کثیر جماعت کے خون سے زمین کو رنگین کر گیا۔ ۹۹۶ھ (۱۵۸۷ع) میں جب جلالہ نے غلبہ پایا تو سید حامد بخاری کو قتل کیا، پھر علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، اس پر بادشاہ نے عبدالمطلب خاں مع قلی بیگ وحمزہ بیگ ترکمان کو جلالہ کے تدارک کے لیے متعین کیا، جنھوں نے جلالہ کو زیر کر لیا، اور اس گروہ کے بہت لوگ قتل ہوئے، اسی سال شاہزادہ خسرو پیدا ہوا۔''

ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کا بیان:

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ میں ۹۹۳ھ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

آج سے پچیس برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لیے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا، اور افغانوں میں جا کر

بہت سے احمقوں کو اپنا مرید بنا لیا اور اپنی بے دینی اور بدمذہبی کو رونق دی اور ایک کتاب تصنیف کرکے "خیرالبیان" نام رکھا ۔ اس میں اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا اور چند روز میں سر کے بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا ۔ ایک لڑکا چودہ سالہ جلالہ نامی چھوڑ گیا ۔ ۹۸۹ھ میں جب اکبر کابل سے آ رہا تھا ، جلالہ ملازمت میں حاضر ہوا ، اور مرحمتِ شاہنشاہی سے معزز ہوا ۔ شقاوتِ ذاتی اور موروثی لڑکے کی پیدائش میں تھی اور خود بھی پیدا کی تھی ۔ اس لیے کچھ عرصے کے بعد بھاگ گیا اور انھیں افغانوں میں جا کر پھر رہزنی شروع کر دی اور جمِ غفیر کو اپنے ساتھ متعلق کرکے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا ۔ فرقۂ روشنائی حقیقت میں عین تاریکی تھی ، اس کے تدارک کے لیے بادشاہ نے کابل کو مان‌سنگھ کی جاگیر کرکے صوبہ‌دار کابل بنایا کہ ان شوریدہ سروں کو تنبیہ کرے ۔ سعید خاں گھکڑ ، بیربر ، شیخ فیضی اور شیخ فتح اللہ شیرازی کو بھی بھجوا دیا ۔ اس مہم کا انجام شاہی لشکر کی تباہی پر ہوا ۔ آخر اکبر نے راجہ ٹوڈرمل کو بہت سے سپاہی دے کر روانہ کیا ، راجا نے نہایت ہوشیاری سے کام کیا اور اس نے افغانوں کو تنگ اور پریشان کرکے چھوڑا ، موسم گرما ۹۹۴ھ میں راجا مان‌سنگھ بھی فوج لے کر چڑھا ۔ درۂ خیبر کے نواح میں سخت لڑائی ہوئی اور فرقۂ مذکور کے ہزاروں آدمی مارے گئے ، بہت سے قید ہوئے ، جلالہ علاقۂ بنگش کی طرف بھاگ گیا ۔ بارھہ کے سیّد عبدالمطلب نے اس کا تعاقب کیا ، وہاں پھر جلالہ نے فوج جمع کرلی ، اور ایک خوں ریز جنگ کی ۔ جلالہ پھر بھاگ گیا ، چند روز پہاڑوں میں مارا مارا پھرا ، پھربدخشاں ہوتا ہوا عبداللہ‌خاں اوزبک کے پاس پہنچا ، مگر اس نے جلالہ کی امداد نہ کی ۔ یہ واقعہ ۱۰۰۱ھ کا ہے ، پھر واپس

آ کر جلا له ملک کے امن میں بذریعهٔ راه زنی خلل انداز هوا ۔ کابل ، هندوستان کا راسته مسدود کر دیا ، پھر اکبر نے آصف خاں کو سالار بنا کر روانه کیا ۔ جلاله پھر بھاگ گیا ، اس کا بھائی وحدت علی (۱) اور اهل وعیال اور خویش واقارب که قریباً چار سو هوں گے گرفتار هو کر آئے ۔ قریب بیس سال کے اس کا فساد جاری رها ۔ لشکر شاهی ان لوگوں کو برابر پریشاں کرتا رها ۔ ۱۰۲۰ھ میں جلاله نے غزنی پر قبضه کر لیا تھا اور اس کا آخری جاه و جلال یہی تھا ۔ وهاں بھی جنگ هوئی ، جلاله مارا گیا ۔ فرقهٔ روشنائی کے لوگ مدت تک اس کے نام پر چراغ جلاتے رهے ، اب بھی کوهستانِ مذکور میں جو وهابی هیں ، ان کوسنت و جماعت مذهب کے ملا خفا هوکر فرقهٔ روشنائیه کا بقیه کہا کرتے هیں ۔

یه هیں هندوستان کے مختلف مؤرخین کی ان کے متعلق . موافق اور مخالف آرا ۔ ان آرا کے بعد بھی همارا ان کے متعلق یه خیال هے که وه ایک مغلوب الحال انسان تھے اور وه غلبهٔ حال کی وجه سے اس منزل پر پہنچ چکے تھے که جہاں انسان کو مطعونِ خلائق بننا پڑتا هے ، اور یہی غلبهٔ حال ان کو اس منزل میں لے آیا تھا که اگر وه ذرا اور آگے بڑھ جاتے تو ان کی سرحدیں کفر سے جاملتیں ، هم پیر روشان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار آینده اوراق میں حضرت اخوند درویزا کے تذکرے کے ضمن میں کریں گے ۔

بایزید کی تصانیف :

پیر بایزید کی جن کتابوں کا اب تک پته چل سکا وه حسبِ ذیل هیں :

---

۱ ۔ وحدت علی نام کا جلاله کا کوئی بھائی نہیں تھا ، یه سهوِ کتابت معلوم هوتا هے (مؤلف

۱- **خیر البیان :**— یہ کتاب بایزید کی سب سے اہم تضیف ہے - اس کتاب کو ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں جابجا اس کتاب کو زیادہ اہمیت دی ہے اور ان کے بعد ان کے مریدین بھی اپنے پیر کی تعلیمات میں اس کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے -

حالنامے میں ہے کہ جب پیر بایزید کی وفات کا وقت آیا تو یاروں نے ان سے پوچھا کہ وقت نازک ہے ، حضرت کچھ فرمائیں - بایزید نے ان سے کہا کہ جو کچھ حق تعالی نے میرے دل پر الہام کیا تھا ، میں نے ''خیر البیان'' میں لکھ دیا ، اور اس میں ذرا بھی بخل نہیں کیا (۱)-

حالنامے میں ان کے مریدین کے سلسلے میں ہے کہ :

وہر روز دو وقت درمیان زناں و مرداں جائے بلند می ساختند ، و خلیفہ برآں می نشست خیر البیان را مقصود المومنین پیش ایشاں مینحواند ، و یعنی آں را بیان میکرد و زن و مرداں می شنیدند ، چوں جملہ باتمام رسیدے ہر یکے بقدر استعداد از خانۂ خود گوسفند و آرد و روغن و برنج طلبیدے ، و درخانۂ خلیفۂ طعام بیسار پختے و مردم دیہ و شہر را استدعا نمودے وطعام خوردانیدے (۲) -

اور ہر روز دو وقت عورتوں اور مردوں کے درمیان ایک بلند جگہ بنائی جاتی اور خلیفہ اس پر بیٹھتا ، اور ان کے سامنے ''خیر البیان'' یا 'مقصود المومنین پڑھتا' ، اور اس کے معنی بیان کرتا ، اور عورت‌ومرد سنتے- جب یہ کتاب پوری ہو جاتی ، ہر آدمی اپنی استعداد کے مطابق اپنے گھر سے بکری ، آٹا ، گھی اور چاول منگواتا اور خلیفہ کے گھر میں بہت‌سا کھانا پکوایا جاتا ، اور گاؤں اور شہر کے لوگوں کو دعوت دی جاتی اور کھانا کھلایا جاتا -

بایزید کے مریدین اور ان کے خلفاء اس کتاب کو اس قدر عزیز

---

۱ - ''حالنامہ'' قلمی مملوکہ پنجاب یونی ورسٹی ، لاہور -

۲ - ایضاً - صفحہ ۵۷۰ تا ۵۷۱

رکھتے تھے کہ حالنامے میں ہے کہ جب پیر بایزید کے بعد ان کا بیٹا عمر خلیفہ ہؤا ، اور یوسف زئیوں اور شیخ عمر میں عداوت پیدا ہوئی[۱] اور شیخ عمر مجبور ہوکر وہاں سے کوچ کرکے مندنڑ کے قبیلے میں آنے کے لیے روانہ ہؤا تو اس نے اپنے والد کی میت کے صندوق کو قبر سے نکالا اور اپنے ہمراہ لیا ۔ پھر وہ کوچ کرکے خان پور آیا اور بایزید کا صندوق بھی ان کے پاس تھا ، ابھی کچھ دور چلے تھے کہ راستے میں ایک جگہ 'خیرالبیان' کا نسخہ بھول گئے، اس کے رہ جانے سے سخت پریشانی ہوئی اور اس نے 'خیرالبیان' کی تلاش کے لیے آدمی بھیجے (۱)

دبستانِ مذاہب میں ہے کہ جب عمر کا بیٹا احداد مسندِ ارشاد پر بیٹھا جو صاحبِ انصاف تھا اور اپنے آباء کے ضوابط پر چلتا تھا ، ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کے عہد میں احسن اللہ خاں ظفر نے اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور نواغر نامی قلعے پر یورش کے موقع پر وہ کسی کی بندوق سے مارا گیا ، مرنے سے ایک روز پہلے اس نے خیرالبیان کو کھولا اور مطالعہ کرتا رہا ، اور اپنے مخلصین سے کہا کہ کل ہمارا یوم وصال ہے (۲)

عجب بات یہ کہ ان کے مخالفین نے بھی اپنے استناد میں اس کتاب کو سب سے زیادہ موردِ طعن و الزام ٹھہرایا ہے ، بلکہ حضرت اخونددرویزا نے تو اس کی مخالفت اس شدت سے کی ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو بجائے ''خیرالبیان'' کے ''شرُالبیان'' اور ''خرِ بیان'' کے نام سے موسوم کیا ہے ، وہ اس کتاب سے اس درجہ متنفر ہیں کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لہجے کی تلخی انتہا کو پہنچ جاتی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ :

ایں ملعون کتابے را تصنیف کردہ ۔	اس ملعون نے ایک کتاب تصنیف کی ۔
بعضے کلمات او را بزبان عربی بلا	اس میں بعضے کلمات عربی بغیر
ادراکِ ترکیب و ترتیب جمع آورد،	نا واقفیت ترکیب نحوی اور ترتیب

۱ - حالنامہ قلمی مملکوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔ صفحہ ۵۱۲ -
۲ - ''دبستانِ مذاہب'' ۔ صفحہ ۳۰۹

و بعضے را بزبان فارسی ، و بعضے را بزبان افغانی و بعضے را بزبان ھندی، اما ھر کدام ازیں کلمات ناموزوں و ناموافق افتاد ، بحدے کہ طبائع اھل علم از آں متنفر میگردد ، و آں را خیر البیان نام بردہ ، و چوں مملو از کفر و الحاد و مشحون از افترا و فساد بودہ ، فقیر آں را ''شرالبیان'' نا میدہ واگر ''خر بیان'' نامند ھم مناسب است و دعوی نمود کہ ایں بر وفق مدعی من از جانب اللہ تعالی نزول یافتہ ۔ نعوذ باللہ من کفرھم (۱) ۔

کے جمع کر دیے ھیں ، اس کے بعضے کلمات فارسی میں ، بعضے افغانی اور بعضے ھندی میں ھیں ، لیکن ان میں سے تمام کلمات اس حد تک ناموزوں اور ناموافق ھیں کہ ان سے اھل علم کی طبیعت متنفر ھوتی ھے اور اس کا نام ''خیر البیان'' رکھا اور چوں کہ وہ کفروالحاد اور افترا اور فساد سے بھری ھوئی ھے ، فقیر نے اس کا نام ''شرالبیان'' رکھا اور اگر ''خربیان رکھیں تو وہ بھی مناسب ھے اور اس نے دعوی کیا کہ یہ اس کے دعوے کی دلیل میں اللہ تعالی کی جانب سے نازل ھوئی ھے ۔ نعوذ باللہ من کفر ھم ۔

پھر انھوں نے آگے چل کر اس امر کو بھی منکشف کیا ھے کہ یہ ساری تصنیف پیر با یزید ھی کی نہیں بلکہ اس کی اس تصنیف میں اس کے مرید خاص مُلا ارزانی(۲)کا بھی ھاتھتھا جو بڑا ذھین اور فصیح شاعر تھا ۔

---

۱ ۔ ' تذکرۃ الابرار والا شرار'' ۔ صفحہ ۱۳۸ ۔

۲ ۔ پختانہ شعرا میں ھے کہ مُلا ارزانی پیر روشان کے مریدوں میں تھا اور قوم خویشگی سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کے دو بھائی اور تھے، مُلا عمر اور مُلا علی ، یہ دونوں بھائی بھی پیر روشان کے مرید تھے ۔ ارزانی ایک تیز فہم ، فصیح البیان شاعر تھا ۔ پشتو ، فارسی، عربی اور ھندی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا ۔ س نے ایک اورکتاب بھی لکھی ھے ، جو ''چھار رسہ'' کے نام

(باقی حاشیہ ۱۸۳ صفحے پر)

اس نے فارسی ، هندی ، افغانی اور عربی میں گمراهی اور ضلالت کے اشعار کہے هیں -

---

(بقیه حاشیه نمبر۲ صفحه ۱۸۲ کا)
سے مشهور هے ارزانی بعد میں پیر روشان سے علیٰحده هو کر هندوستان چلا گیا - باقی دونوں بھائی پیرروشان کے ساتھ رهے- ارزانی کے معاصرین شعرا میں دولت لوحانی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر هے اور دولت لوحانی جا بجا خود اس کے ادبی بلندی کے مقام کی طرف اشاره کرتا هے - پشتو کے مشهور صوفی شاعر رحمان بابا بھی اپنے اشعار میں ارزانی کے اشعار کی طرف اشاره کرتے هیں ، جس کا مطلب یه نکلتا هے که ان بزرگوں کے زمانے تک ارزانی کے اشعار مشهور تھے - ارزانی پیر بایزید کے معاصرین میں هے ، اس لیے هم اس کا عهد ۱۰۰۰ھ کے قریب متعین کرتے هیں - راورٹی ، قاسم علی آفریدی کے ایک قصیدے کے حوالے سے ارزانی کا تذکره کرتا هے (ماخوذ از ''پختانه‌شعرا'' جلد اول صفحه ۲۳ تا ۲۵ -

''ورکه خزانه'' میں همیں ملا ارزانی کے متعلق کچھ اور تفصیلات‌ملتی هیں، صاحبِ ''ورکه خزانه'' کا بیان هے که: ''ملا ارزانی ، تحریک روشنائی کے سب سے پہلے علمبرداروں میں هے اور اس کا شمار پیر روشان کے ممتاز ترین خلفاء میں هے - وه افغانوں کے قبیلۂ خویشگی سے تعلق رکھتا تھا -'' خود کہتا هے که :

یه خویشگی میں عزیز هے اور اس کے والد کا نام برهان هے ارزانی کے دو بھائی اور بھی تھے ان میں ایک کا نام علی محمد مخلص اور دوسرے کا نام ملا عمر تھا - یه دونوں بھائی بھی پیر روشان کے خلفاء میں تھے -

(باق حاشیه ۱۸۴ صفحے پر)

''خیرالبیان'' کا وہ قلمی نسخہ جو پاک و ہند میں صرف ایک نسخہ ہے اور جو پشتو اکیڈیمی ، پشاور کا مملوکہ ہے ۔ خوش قسمتی سے ہمیں

(صفحہ ۱۸۳ کا باقی حاشیہ)

مخلص ، پشتو کے متقدمین شعراء میں ایک عظیم المرتبت شاعر ہے ۔ اس کا اعتراف میرزا خان انصاری جیسے پشتو کے بلند پایہ شاعر نے بھی کیا ہے ۔

ارزانی بھی علم و فضل کے ساتھ ساتھ ایک صحیح و بلیغ شاعر تھا ۔ اس نے پشتو ، فارسی ، عربی اور ھندی میں کافی اشعار کہے ھیں ، بلکہ ان زبانوں میں اس کے دیوان موجود ھیں ۔ ان کے علاوہ ارزانی نے ایک اور کتاب بھی لکھی تھی ۔ آقائے عبدالحی حبیبی نے اس کتاب کا نام ''چھار رمہ'' لکھا ہے اور صدیق اللہ خان رشتن نے اس کا نام ''چار رسالہ'' لکھا ہے اور ارزانی اور اس کے بھائی تحریک روشنائی میں شرکت سے پہلے پنجاب کے مشہور شہر قصور میں آباد تھے ۔

اخوند درویزا نے اپنی کتاب ''تذکرۃالابرار والاشرار'' میں مُلا ارزانی کی عقل و فہم و قابلیت کی ستائش کی ہے ، بلکہ اخوند درویزا کا خیال ہے کہ ''خیرالبیان'' کی تحریر میں ارزانی کا بہت بڑا ھاتھ ہے ۔ ارزانی خود اپنے اشعار میں ''خیرالبیان'' کے متعلق کہتا ہے کہ :

''یہ فقیر کا پشتو دیوان ہے ، یہ دیوان حقانی دسترخوان ہے یہ دسترخوان ان کا اپنا ہے ، جو دینِ حقانی کے خواھاں ھیں۔اغیار کو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ، یہ ہر ایک کے دل کے لیے صیقل ہے ۔ یہ چار زبانوں میں لکھا گیا اور اس کا بیان رنگین ہے ۔ یہ شریعت کا جامہ ہے اور حقیقت کا ایک دیوان ہے ۔

(باقی حاشیہ ۱۸۵ صفحے پر)

دیکھنے کا اتفاق ہؤا ۔ یہ نسخہ رجسٹر سائز کے ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے پر ۲۳ سطریں ہیں ۔ اس کتاب کا طرزِ تحریر مُلہمانہ انداز میں ہے ۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں انشائی اور ادبی خوبیاں مطلقاً نہیں ، بلکہ قواعد اور عربی ادب کے اعتبار سے اس میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں ۔

(صفحہ ۱۸۴ کا باقی حاشیہ)

فقیر کا قول ثابت ہے ، حدیث و قرآن کی رو سے۔ قرآن میں کوئی شک نہیں ۔ یہ قرآن کے حق کا فرمان ہے ۔ جو اس بات میں شک کرے گا اس کا دل بدگمانی کی سیاہی سے سیاہ ہے ۔"

"فقیر کا کہنا پوشیدہ نہیں ، بلکہ وہ آفتاب کی طرح روشن اور ماہتاب کی طرح منور ہے ۔"

ارزانی کی حیات کا زمانہ اسی کے ایک شعر کے مطابق ۱۰۰۹ ھ (۱۶۹۷ ع) تک یقینی ہے ، ایک شعر میں وہ کہتا ہے :

ارزانی نے یہ کلام لکھا ہے ۱۰۰۹ ھ میں ۔

زندگی کے آخری ایام میں وہ پیر روشان سے علیحدہ ہوکر قصور چلاگیا تھا ۔ ارزانی پشتو کا پہلا صوفی‌منش اور سالک مزاج شاعر ہے ۔ اس نے خالص ادبی رنگ میں شعر کہے ۔ اس کی شاعری عوام کی سطح سے بلند ہے اور اس کی شاعری پر وحدت‌الوجود کا رنگ غالب ہے ۔ اس کی شاعری کا نمونۂ کلام یہ ہے :

فقیر کی پشتو باتیں ، موتی جیسی آبدار ہیں ۔

یہ کسی دوسرے کی ثنا وصفت نہیں کرتا ۔ اس کی تمام ثنا و صفت قادر مطلق کے لیے ہے ۔

(ماخوذ "ورکہ خزانہ" جلد اول ۔ صفحہ ۳۸۹)

اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے ۔

یا با یزید! کتب علی بدایة اللکتاب بتعظیم الحروف بسم‌الله اتمام انی لا یضیع اجر الذین ان یکتبون ثم تخربون حرفاً او نقطة ، ثم یکتبون لا جل صحیح البیان ۔

پھر اسی عبارت کا فارسی ترجمہ اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

یا بایزید بنویس بر آغازِ کتاب ببزرگی و درستی حروفہا ، بسم‌الله تمام ، من کم نمی کنم مُزدِ آن کساں کہ مینویسند باز خراب می کنند یک حرف یا نقطہ باز مینویسند برائے درست شدن بیان ۔

اس کے بعد بھی یہی عبارت پشتو میں ہے ، آخر میں یہی عبارت ہندی (اردو) میں ہے ، جسے ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں ۔ جس سے اس دور میں اردو کی ابتدائی نشو و نما کا اندازہ ہوسکے گا ۔ اور اردو کے اس مسئلے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی کہ اردو کا مولد پاک و ہند کا کون سا حصہ ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آ سکے گی کہ اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں اس عظیم شخصیت کا بھی کتنا بڑا حصہ ہے اور وہ اُردو کے ان محسنین میں ہے کہ جس نے ابتدا میں اپنے قلم سے اردو کے دامن کو مرصع و زرنگار بنایا ۔ اس کتاب کا ہندی (اردو) حصہ اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

"اے بایزید ِلک کتاب کے آغاز کے بیان جس کے سارے اکھرسہن بسم الله تمام ، میں نہ گنواؤں مزدوری انھن جے لکھن ، پرن ، بگارن اکھر کے تم کہنے پرن لکھن اس جے صحیح ہوے بیان ۔

پھر اس کتاب کی اہمیت کو پیر بایزید نے واضح کرتے ہوئے لکھا :

یابایزید ! بنویس آں حروفہا کہ بسازند بھر زبان برائے منفعت آدمیان ، توئی دانا من نمیدانم بجز حروفہا قرآن ، یا سبحان ۔ یا بایزید ! نوشتنِ حروفہا بر تو آسانِ است، و نمودنِ و آمرزانیدنِ نا مہا و حرفہا بر من است ۔

بنویس بفرمان من بمانند حروفہا قرآن و بنه بر بعضے حروفہا نقطه یا جزم ، یا دیگر نشان برائے آں که حروفہا بشناسند آدمیان یعنی حروفہا چار چار بنویس عیان ، زود بیاموزند ، چوں بخوانند و دم بیروں کنند ببعضے دو حروف آدمیان - (۱)

پھر اسی عبارت کا ترجمہ ہندی (اردو) میں اس طرح درج ہے :

''اے بایزید ! لکھ وہ اکھر جسے سب جیب سہن جڑتھیں (جوڑیں) اس کارن جے نفع پاویں آدمیاں کچ کا ، میں ناھیں جانتا بن قرآن کے اکھر اے سبحان ! اے بایزید لکھنا اکھر کا تجھے ہے ، دکھلاونا اور سکھلاونا مجھے ہے ، لکھ میرے فرمان سہن ، جیوں اکھر قرآن کے پھن کے پھن ، لکھ اکھر اوپر تکنا کے جزم اور نشان ، جیواکھر پچھانن آدمیاں لکھ کوئی اکھرچار چار عیاں در حال سکھنے جے پڑھن آدمیاں -

بایزید کی اس تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں القائی طور پر یہ حکم تھا کہ وہ اس کتاب کو قرآنی رسم الخط میں لکھیں اور اعراب دیں - پھر انھوں نے اس کتاب کے لیے چار چار حروف کا ایک رسم الخط بھی ایجاد کیا تھا ، جسے انھوں نے اس رسم الخط کے سکھانے کے لیے چار چار حروف کی پٹیاں اس کتاب میں تعلیماً اس طرح دی ہیں ، جنھیں ہم نموتاً ذیل میں نقل کرتے ہیں :

الف یکے ست عیاں . . . . . الف ایک ہے اعیاں

ب بابا بہ ، پ پاپا پہ - ت تاتا تہ - ٹ ٹاٹا
ث ثاثا ثہ - ج جا جا جہ (۲)

بالکل اسی طرح چار حرفی پٹیاں آخری حرف تہجی تک دی گئی ہیں - اس کے بعد اصل کتاب صفحہ ۴ سے اس طرح شروع ہوتی ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - تفسیر بسم اللہ کان باللہ عیان ،

---

۱ - ''خیرالبیان'' قلمی مملوکہ پشتو اکیڈیمی پشاور - صفحہ ۱ - ۲

۲ - ایضاً صفحہ ۳ -

کل امر ذی بال لم یبدیٔ باسم اللہ فهو ابتر۔ (۱) -

حمد و صلواۃ کے بعد پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے ، کچھ اوراق کے بعد اس نسخے میں چار زبانوں کا التزام جو شروع میں تھا وہ چھوٹ گیا ہے ، بقیہ کتاب پشتو میں ہے اور اس کے حواشی فارسی میں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب نے چوں کہ یہ نسخہ ایک خاتون کے لیے لکھا تھا ، جس کی زبان پشتو تھی ، اس نے بقیہ زبانوں کو چھوڑ کر صرف پشتو کے حصے کو نقل کر لیا -

اصل کتاب چوں کہ پشتو میں ہے ، اس لیے ہماری رسائی اس کے اصل مضامین تک اس قدر نہ ہوسکی ، جیسا کہ اس کو ایک اہل زبان سمجھ سکتا ہے ، ایکن جہاں تک اس کتاب کی ورق گردانی کے بعد ہم سمجھ سکے اس کتاب کا موضوع فقہ ہے اور اس میں نماز ، روزہ ، پاکی و طہارت ، نماز جنازہ اور دوسرے ان مسائل کا ذکر ہے جن کا تعلق مسلم معاشرے سے ہے - ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ حضرت اخوند درویزا نے اس کتاب کو کن اسباب کی بنا پر اس قدر مطعون کیا ہے -

آخر میں پیر بایزید نے لکھا کہ جو کوئی ''خیرالبیان'' کو پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اسے چار زبانیں نہیں بتاؤں گا اور اس کو خبر نہیں دوں گا عمل کرنے نہ کرنے کی اور وہ پناہ نہیں پائے گا دنیا کی زندگی میں نفس کی بدی سے اور نہ شیطان کے مکر سے اور زندگی ان کی گناہوں کی ہوگی ، جس کے سبب وہ پائیں گے عذاب جان کنی کا ، گور کا، قیامت کا اور آگ کا اور قسم قسم کے عذاب -

یہ مخطوطہ اس آیت پر ختم ہوتا ہے -

ذالک بان اللہ نزل الکتاب بالحق و ان الذین اختلف فی الکتاب لہ فی شقاق -

آخر میں اس مخطوطے پر سنہ کتابتِ ۱۰۶۱ ھ درج ہے - اس کے کاتب مُلاّ بہار تولبی ہیں ، جنھوں نے کسی بی‌بی خیر خاتون نامی کے لیے اس کو نقل کیا تھا -

---

۱ -'خیرالبیان' قلمی مملوکہ پشتو اکیڈمی ، پشاور صفحہ ـــ

۲ - **صراط‌التوحید:** پیر با یزید کی دوسری تصنیف ''صراط‌التوحید'' ہے ، جو فارسی اور عربی میں ہے اس کتاب کو ادارۂاشاعت سرحد ، پشاور نے ۱۹۵۲ ع میں شائع کیا تھا - اس کی تصحیح عبدالشکور صاحب مہتمم عجائب گھر پشاور نے کی ، اس کتاب میں پیر بایزید نے اپنے حالات زندگی اور حال و مقامات ، سلوک اور نصائح اور ریاضتوں کے مختلف مدارج بیان کیے ھیں - انھوں نے یہ بھی لکھا ھے کہ انسانی روح کے ھر ارتقاء کے لیے پیر کامل کی رھنمائی بے حد ضروری ھے - پھر پیر کامل کے ھاتھ پر توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ھے ، پھر اپنے مریدوں کو جنھوں نے ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ھوکر ریاضتیں اور مجاھدے کیے ھیں ، ان کو یہ بشارت دی ھے کہ ان کو حسب استعداد قرب الٰہی حاصل ھے ، اس لیے کہ روحانی ارتقاء کے لیے استعداد اور اخلاص شرط ھے - اس کے آخر میں وہ رسالہ ھے ، جس میں انھوں نے شاھان وقت اور آمرا سے مخاطب کرتے ھوئے انھیں پند و موعظت اور مختلف نصیحتیں کی ھیں -

یہ کتاب انھوں نے ۹۷۸ ھ (۱۵۷۰-۷۱ ع) میں تالیف کی - اس کا مطبوعہ نسخہ (۱۱۶) صفحات پر مشتمل ھے -

حالنامے میں ھے کہ :

''پیر بایزید نے اپنے خلیفہ دولت کو ''صراط التوحید'' کا ایک نسخہ دے کر اکبر بادشاہ کے پاس بھجوایا تاکہ وہ اسے اکبر کے سامنے پیش کرے چناں چہ اس نے یہ کتاب اکبر کے سامنے پیش کی ، اکبر نے جب ''صراط‌التوحید'' کو دیکھا تو بہت خوش ھوا اور کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی کی اور جو خدمت کہیں وہ میں بجا لاتا ھوں - پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحفے بایزید کے لیے بھجوائے اور ان کے خلیفہ دولت کو بھی خلعت بخشا (۱) -

۱ - **فخرالطالبین :** ''فخرالطالبین'' بھی پیربایزید کی ایک تصنیف ھے ، جس کا کوئی نسخہ ابھی تک کہیں نہیں ملا - البتہ اس کتاب کا تذکرہ

---

۱ - ''حالنامہ'' قلمی ، مائیکرو فلم ، مملوکہ پشتو اکیڈمی صفحہ ۶۸

''حالنامے'' میں ملتا ھے ، حالنامے میں ھے کہ :

''پیر بایزید نے اپنے ایک خلیفہ یوسف کے ھاتھ اپنی کتاب ''فخرالطالبین'' کا ایک نسخہ مرزا سلیمان کے پاس بدخشان بھیجا اور وہ بھی مطیع و منقاد ھوا ۔ میرزا سلیمان نے بھی کچھ تحائف پیر بایزید کے لیے بھجوائے اور خط میں لکھا کہ مجھے اپنے طالبوں اور مریدوں میں جانیے ۔ (۱)

۴ ۔ **مقصودالمؤمنین** : یہ پیر بایزید انصاری کا ایک مختصر رسالہ عربی میں ھے ، جس کا اصل خطی نسخہ ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے (لاھور) میں موجود ھے ۔ میں نے اس کی ایک فوٹو گراف کاپی اپنے قیام پشاور کے زمانے میں ولی محمد خاں صاحب پروفیسر شعبۂ عربی یونی ورسٹی پشاور کے پاس دیکھی تھی ، جو اس رسالے کو ایڈٹ کر رھے ھیں ۔

''مقصودالمومنین'' پیر بایزید نے اپنے بیٹے شیخ محمد عمر کی فرمائش پر لکھی ، اس کا تذکرہ اس کتاب کے صفحۂ اول پر کرتے ھوئے وہ لکھتے ھیں :

قال اصغر و اعجز و اضعف من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم با یزید انصاری رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ قاضی ، قال لی ابنی شیخ عمر رضی اللہ عنہ الہ الاکبر ، ان کان رضاءک اکتب لا جلی و ابناء اصل عیالک بآیۃ القران و باحادیث الانبیاء و با قوال الاولیاء . . . اولئک نصیحۃ ، ثم احببت قولہ وارید ان یکتبھا مفصلا بہ مقدار علمی و ادراکی بالعنایۃ بالمدد و بتوفیق اللہ با حدی و عشرین فصلہ و سمیۃ مقصودالمؤمنین ، و اکتب فیھا موافق الحدیث والاتاۃ لاجل ان یقراء ویذکر و یعمل بھا المؤمنون و المؤمنات (۲) ۔

---

۱ ۔ حالنامہ قلمی ، مائیکروفلم ، مملوکہ پشتو اکیڈمی ، صفحہ ۳۶۸ ۔

۲ ۔ ''مقصودالمومنین'' عکسی صفحہ ۱ ۔

ترجمہ : سب سے زیادہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا ، عاجز اور ضعیف با یزید انصاری رحمۃاللہ علیہ بن عبداللہ قاضی کہتا ہے کہ مجھ سے میرے بیٹے شیخ عمر نے جس سے اللہ راضی ہوا کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میرے لیے اور اپنے خاندان کے لیے آیات قرآن ، احادیث انبیاء اور اقوال اولیاء سے کچھ نصیحتیں لکھ دیجیے - مجھے اس کا قول پسند آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اپنے علم و ادراک کے مطابق اللہ کی عنایت ، اس کی مدد اور توفیق سے اسے مفصل اکیس فصلوں میں لکھ کر دوں اور اسے حدیث اور آیات کے موافق لکھوں ، تاکہ مؤمن اور مؤمنات اسے پڑھیں اور اس سے نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں -

یہ رسالہ حسب ذیل فصول پر مشتمل ہے -

الفصل الاول - بیان العلم و معرفة و منفعة الوعظ والنصیحة
الفصل الثانی - بیان العلم و معرفة العقل نور و درجات
الفصل الثالث - بیان العلم و معرفة الایمان و ما کان فیہ اصل وفرع
الفصل الرابع - بیان العلم و معرفة الخوف و العقوبة
الفصل الخاس - بیان العلم و معرفة الرجاء و عطاء
الفصل السادس - بیان العلم و معرفة النفس و عداوتها
الفصل السابع - بیان العلم و معرفة الشیطان و کیده وضلالته
الفصل الثامن - بیان العلم و معرفة القلب و خصاله
الفصل التاسع - بیان العلم و معرفة الروح و راحته
الفصل العاشر - بیان العلم و معرفة الدنیا اصولها و فروعها
الفصل الحادی عشر - بیان‌العلم و معرفة الآخرة بقا و نعمة
الفصل الثانی عشر - بیان العلم و معرفة التوکل و القناعة
الفصل الثالث عشر - بیان العلم و معرفة التوبة والاجتناب عن النواهی

الفصل الرابع عشر - بیان العلم و معرفة الشریعة اوامر والنواهی
الفصل الخامس عشر - بیان العلم و معرفة الحقیقة والاستقامة وتزکیة النفس
الفصل السادس عشر - بیان العلم و معرفة الحقیقة والذکر والیقین و تصفیة القلب
الفصل السابع عشر - بیان العلم و معرفة العمل والبصیرة وتجلیة الروح -
الفصل الثامن عشر - بیان العلم و معرفة القربة و السماع والفرحة
الفصل التاسع عشر - بیان العلم و معرفة الوصلة و ذکر وصاله
الفصل العشرون - بیان العلم و معرفة الوحدة و اسرارها
الفصل الواحد والعشرون - بیان العلم و معرفة الکونة و فضیلة مرو راحة

اس رسالے میں زبان کے اعتبار سے غلطیاں پائی جاتی ھیں ، اس کی وجه شاید یه ھے که بایزید انصاری نے اکابر علماء سے تعلیم نہیں پائی تھی -

۵ - **حالنامه** - یه پیر بایزید کی فارسی میں خود نوشت سوانحِ حیات ھے ، جو آن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک اھم دستاویز کی حیثیت رکھتی ھے - اس کتاب کے بڑے حصے کو ھم نے اپنے دورانِ قیام پشاور میں پشتو اکیڈیمی پشاور میں پڑھا جو فلم کی صورت میں اکیڈیمی میں محفوظ ھے - اس کا آخری حصه لاھور آ کر پنجاب یونی ورسٹی کی لائبریری میں دیکھا - پشتو اکیڈیمی کا فلم اسی نسخے سے لیا گیا ھے - کہا جاتا ھے که اس کا ایک نسخه علی گڑھ میں سبحان اللہ اورینٹل لائبریری نمبر ۷ ۳-۹۲ میں موجود ھے - پنجاب یونی ورسٹی کا نسخه اسی علی گڑھ کے نسخے کی نقل ھے -

یه کتاب خود پیر با یزید نے لکھی تھی ، لیکن بعد میں ان کے ایک مرید و خادم خاص علی محمد بن ابابکر قندھاری نے اسے دوباره مرتب کیا ، اور اضافے بھی کیے - یه اضافے ان کے صاحبزادوں اور پوتوں کے حالات کے متعلق ھیں - انھوں نے اس کتاب میں ان لڑائیوں کے حالات بھی بڑھائے جو مغلوں اور پیر بایزید میں پشاور ، تیراه اور کابل میں پیش آئیں - چناں چه وه اس کی دوباره تیب کے وجوه و اسباب بیان کرتے ھوئے لکھتے ھیں :

بعد ازیں فقیر حقیر علی محمد بن ابابکر قندھاری(۱) مرید و خادم خاندان ، بایزیدانصاری مگوید کہ بعضے از محبان مخلصان کہ رعایت خاطر عاطر ایشاں از جملۂ لوازمات و واجبات دانستہ ، چوں ازیں فقیر التماس داشتند کہ حالنامہ پیر دستگیر کہ از تدابیر دوراں و تسامح ناسخاں تغیر و تبدل بعبارتش روے راہ یافتہ و صحتش بسقامت بدل گشتہ ، و نیز سوانح و و حقائق فرزنداں و احوال نبیرگان پیر دستگیر قدس سرہ و دیگر از احوالات کہ در منصۂ ظہور جلوہ گر آمدہ ، چناں چہ شمشیر گرفتن و رفتن ایشاں بجانب پشور و تراہ و کابل و غیراز سوانحات کہ در انضباط نیامدہ ازیں نسخہ شریفہ زائل

اس کے بعد یہ فقیر حقیر علی محمد بن ابا بکر قندھاری ، جو با یزید انصاری کے خاندان کا مرید اور خاص خادم ہے ، عرض کرتا ہے کہ بعض مخلص دوستوں نے کہ جن کے پاس خاطر کو میں واجبات میں سے جانتا ہوں ، اس فقیر سے کہا کہ پیر دستگیر (پیر روشان) کے حالنامے کی عبارت میں زمانے کی طوالت اور نقل کرنے والوں کے تسامح سے بہت کچھ تبدل و تغیر ہوگیا ہے ، اور آس کی صحت سقم سے بدل گئی ، اس کے علاوہ اس میں ان کے فرزندوں اور ذُرّیت کے حالات ، اور دوسرے واقعات جو ظہور پزیر ہوے جیسا کہ مسلح ہوکر پیردستگیر کا پشاور، تراہ اور کابل وغیرہ جانے کے

۱ - علی محمد کے باپ ابابکر نے بچپن میں جلال الدین (جلالہ) کی خدمت کی تھی ، بعد میں احداد کے زیر نگرانی لشکر کی سپہ‌سالاری کا کام انجام دیا تھا ، پھر با یزید کا خاندان جب ہندوستان میں منتقل ہوا تھا تو یہ بھی ان کے ہمراہ ہندوستان چلا آیا تھا - علی محمد مصحح حالنامہ بایزید کے نواسے رشید خاں کا دکن میں ملازم تھا ، پھر اس نے رشید آباد میں مستقل قیام اختیار کرلیا تھا - رشید آباد آگرے کے قریب شمس آباد کے مواضع میں ایک گاؤں تھا (حالنامہ - ماثر الامرا جلد ۲ - ص ۱۵۰ جالندھر گزٹ ص ۹۹)

گشته واز طبع زکی شما که مفتح ابواب معانی متعلقه و کاشف اسرار دفاتر مسدوده است ، بعید نیست که تعمق عمیق و تطابق داده تصحیح نمایند ، و ارادت و تقاضاے ایشاں بسمع قبول و اصغا نمود بموقف اجابت مقرون گشت ، بامید توفیق حق ، وما توفیقی الاباللہ العلی العظیم وھو حسبی ونعم الوکیل ۔

وانچه از کتاب و ناقلان معتبر استماع گشته بسمط تحریر و در نظم تقریر آورده شد ، معرا از بمنت سخن پیرائی ، مبرا از تکلیف کلام آرائی و در حیز ارقام مرتسم گشت تا بفہم مبتدیان و در ذہن متعلمان صورت معانی روشن و مبرہن نماید و بثواب آں ایں ناقل بہره مند گردد الثواب من عند اللہ واللہ عنده من الثواب و السلام علی من اتبع الہدیٰ (۱)۔

واقعات تحریر میں نہیں آئے ، اور جو اس نسخۂ شریفہ سے زائل (غائب) ہوگئے ہیں ، آپ کی جودتِ طبع سے جو متعلقہ ابواب کے معانی کو کھولنے والی ، اور سر بستہ دفاترِ اسرار کی کاشف ہے ، بعید نہیں ہے کہ فکرِ عمیق سے اس کا تطابق کرکے اس کی تصحیح کریں ، توفیقِ حق کی امید پر ان کی ارادتمندی اور اُن کے تقاضے کو سامعہ نے قبولیت کا درجہ دیا ، وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم وھو حسبی ونعم الوکیل ۔

اور میں نے جو کچھ کے کتاب میں دیکھا تھا ، اور معتبر ناقلوں سے سنا تھا اسے سادگی کے ساتھ تحریر میں لایا ، جو بناوٹ اور عبارت آرائی سے بالکل پاک ہے ، تاکہ مبتدیوں اور طالب علموں کے ذہنوں میں اس کے معانی و مطالب واضح طور پر آسکیں ، اور اس کے ثواب سے یہ نقل کرنے والا بہرہ مند ہو ، الثواب من عنداللہ واللہ عندہ حسن الثواب ، والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔

آگے چل کر اس نے لکھا کہ یہ داستان اورنگ زیب کی تخت نشینی

---

۱ ۔ ”حالنامہ“ قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔ ص ۱ - ۲

تک مکمل ہوئی ہے(۱)

علی محمد نے اگرچہ اس کتاب میں میں بعض جگہ نظم و نثر میں غیرضروری طوالت سےکام لیا ہے ، یہ نظمیں خود اس کی ہیں، لیکن ان تمام کوتاہیوں کے باوجود اس کی ادبی قدر و قیمت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور اس کی اس حیثیت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب پیربایزید کی زندگی کے مختلف ایسے گوشوں کو ہمارے سامنے لاتی ہے ، جو ہمیں کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے ، اور ان کے حالات پر ہمیں اس سے زیادہ کوئی اور معتبر کتاب نہیں ملتی ۔

اس کتاب میں جو کمی محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ فاضل مؤلف نے واقعات کے اندراج میں سنین اور تاریخ کو نظر انداز کردیا ہے ، اور اس میں ہمیں آن جنگوں کی تفصیلات نہیں ملتیں جو پیر با یزید نے اپنی آخری عمر میں ڈھائی سال تک مغلوں کے خلاف لڑیں ، لیکن ہماری نظر میں جو امر اس کتاب کی اہمیت کو بڑھاتا ہے وہ یہ ہے کہ پیر با یزید کی اولاد کے متعلق اس میں معمولی سے معمولی تفصیلات کو نظر انداز نہیں کیا گیا ۔

یہ حقیقت بھی اسی کتاب سے سامنے آتی ہے کہ پیر با یزید کا افغان قوم کے ادبی اور ثقافتی ارتقا میں ایک اہم کردار ہے ۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے پشتو قصائد ، غزلیات ، قطعات ، رباعیات اور مثنوی کو رواج دیا ہے ۔ پشتو کی ادبی تاریخ کو دیکھتے ہوئے اگرچہ یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے ، مگر یہ امر یقینی ہے کہ پشتو دیوان ، ان کے ادبی ذوق کی بناپر ان کے مریدوں نے مرتب کیے ۔ ان کے مریدوں میں مُلاارزانی ، میرزا خان انصاری(۲) اور دولت لوحانی(۳)جیسے نامور شاعرتھے،

۱۔ ''حالنامہ''قلمی ۔ صفحہ ۲۹

۲۔ میرزا خان انصاری پشتو کے متقدمین شعرا میں صفِ اول کا شاعر ہے ۔ اس کی صحیح تاریخِ ولادت معلوم نہیں ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹٦ پر)

جنھوں نے اپنی شاعری میں پشتو ادب اور شاعری کو بلند مقام عطا کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۱۹۵ کا)

لیکن تاریخِ وفات ۱۰۴۰ھ ہے ۔ وہ جنگ دکن میں شہید ہوا ۔ پشتو کا مشہور شاعر دولت خاں لوحانی اس کے معاصرین میں تھا ، میرزا کے معتقدین نے اس کی تاریخِ وفات اسی طرح نظم کی ہے :

هادی کے دل میں جو بات کئی سال سے پنہاں تھی
میرزا کی زبان اس علم کا مظہر تھی ۔
وہ دکن کی لڑائی میں شہید ہوا
۱۰۴۰ھ کو چل بسا ۔

میرزا کے کلام سے اس کی جائے سکونت کا جو اندازہ ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ خیبر ، کچھ زمانے تیراہ اور کچھ مدت علاقۂ یوسف زئی میں مقیم رہا ۔

میرزا کے کلام میں پیر روشان کا تذکرہ متعدد جگہ ملتا ہے ، وہ ان کا ذکر نہایت عقیدت و احترام سے کرتا ہے ، ایک جگہ کہتا ہے کہ :

میرزا کے کلام میں حلاوت
پیر روشان کی برکت سے ہے۔

ایک اور جگہ وہ انھیں شمس تبریز سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ :

اے میرزا ! روشان ہر جگہ جلوہ گر ہے
گویا تبریز کا آفتاب بنیر سے طلوع ہوا ۔

میرزا پشتو کے متقدمین شعرا میں پشتو شاعری کا استاد اور امام سمجھا جاتا ہے ۔ دولت لوحانی جو اسی دور کا عظیم المرتبت شاعر ہے ، اور اس کی استادی اور عظمتِ بزرگانہ کو تسلیم کرتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷ پر)

حالنامے کے اندراجات سے یہ بھی معلوم ہے کہ پیر بایزید پشتو کی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۱۹۶ کا)
اپنے اشعار میں کہتا ہے :
میرزا نے ایک ایک خزانہ میرے آگے رکھ دیا
اب میں غنی ہوچکا ہوں ، اب میں کسی کی
بے ہودہ قصیدہ گوئی کیوں کروں ۔
وہ تصوف کا محقق اور وحدت کا ایک مخزن ہے
اس نے مجھے تمام علوم کے رموز سے شناسا کیا ۔
بعض محققین میرزا کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ پشتو کا پہلا شاعر ہے جس نے مکمل دیوان چھوڑا ، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ، کیوں کہ وہ خود مخلص شاعر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے
میرزا پاک سے پاک شعر کہتا ہے ۔
لیکن مخلص کا کلام اس سے زیادہ معتبر ہے ۔
پشتو شاعری میں میرزاهی پہلا شاعر ہے ، جس نے عربی اوزان و بحور کو پشتو شاعری میں رواج دیا ، میرزا کی تعریف و توصیف میں پشتو کے متاخر شعراء بھی رطب اللسان ہیں، پشتو شاعری کے ادیب و نقاداس کی صوفیانہ شاعری کو حکیم سنائی کے همرتبہ بتاتے ہیں ، وہ فلسفۂ وحدت الوجود کا قائل تھا ، اور اس نے وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنے اشعار میں بڑی خوبی سے سمویا ہے ۔ اگر میرزا کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس نے پشتو شاعری میں تصوف کی شاعری کی بنیاد رکھی تو کچھ بےجانہ ہوگا ۔ اس کےعلاوہ بھی اصناف سخن میں اس کی شاعری کے جو نمونے ملتے ہیں وہ بجائے خود ایک شاہکار ہیں (ماخوذ از ''تاریخ پختانہ شعرا'' جلد اول بضمن میرزا خان انصاری)
۳ ۔ دولت لوحانی کا اصل نام دولت اللہ تھا ، لیکن وہ عوام میں دولت کے نام سے مشہور تھا ، شاعری میں بھی دولت تخلّص
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۸ پر)

موسیقی کے ارتقا میں امیر خسرو ثانی تھے - انھیں موسیقی سے غیر معمولی

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)
کرتا تھا ، دولت اپنی والدہ کی جانب سے قبیلۂ وردک اور اپنے والد کی جانب سے روحانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور لوحانیوں میں بھی اس کی شاخ حسن خیل تھی - راورٹی کا خیال ہے کہ دولت اصلاً ہندو تھا اور بعد میں مسلمان ہوا تھا ، لیکن اس دعویٰ کی دلیل اس نے کوئی پیش نہیں کی - راورٹی کا یہ دعویٰ اس لیے بھی درست نہیں کہ دولت نے اپنے بعض اشعار میں خود اپنے آپ کو لوحانی لکھا ہے - دولت کی ولادت اور وفات کی تاریخ کا بھی اب تک صحیح تعین نہیں ہوسکا ، البتہ اس کے اشعار میں جہاں میرزا خان انصاری کی وفات اور جنگِ دکن اور الہ داد کی وفات کی تاریخوں کا تذکرہ ہے ان کی روشنی میں ہم اس کا تعین کرسکتے ہیں - اس کے دیوان سے جو آخری سنہ ہمیں ملتا ہے ، وہ ۱۰۵۷ ھ (۱۶۴۷ء) ہے - اس کے قیام اور اصل وطن کا بھی صحیح پتہ نہیں چلتا ، لیکن اس کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رشید آباد میں متوطن تھا ، دولت کچھ زمانے جلال آباد میں بھی رہا - یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے علومِ ظاہری کی تکمیل کس حد تک کی تھی ، لیکن اس کے دیوان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علومِ ظاہری سے بالکل نابلد نہ تھا ، کیوں کہ اس کے دیوان میں بعض ایسے اشعار ملتے ہیں ، جو اس کے علم و فضل کے شاہد ہیں -

دولت ، پیر روشان (بایزید) کا مرید تھا، وہ اپنے ایک شعر میں اپنی اس عقیدت و نسبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے :

میں دولت ، میاں روشان کا مرید ہوں
میں آسانی سے ان کا دامن نہیں چھوڑوں گا -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹ پر)

شغف تھا اور انھوں نے اور ان کے مریدوں نے اس علاقے کی موسیقی کو غیر معمولی ترقی دی ۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

دولت خان کے معاصرین میں میرزا خان انصاری اور پیر روشان کے صاحبزادے نورالدین تھے مذہبی اعتبار سے دولت اہلِ السّنۃ و الجماعت میں سے تھا ۔

دولت ، صاحب دیوان شاعر تھا ۔ اس کا "قلمی دیوان" جو دو جلدوں میں ہے ، ہزار اشعار پر مشتمل ہے ، اس کے علاوہ متفرقات مثلاً رباعیات ، قصائد ، قطعات اور مثنویات کا ایک بڑا ذخیرہ اس کے دیوان میں موجود ہے ۔

اس کے دیوان کا ایک نسخہ سنہ کتابت ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) ہے برٹش میوزیم میں موجود ہے ، جس کا نمبر ۴۲۲۸ ہے اور ایک نسخہ بغیر نمبر و تاریخ کے تاریخ پشتو ٹولنہ کابل میں موجود ہے ۔ اس کے چند اشعار کا ترجمہ نمونۃً ہم یہاں درج کرتے ہیں :

میں پہلے بھی دیوانہ تھا اور اب تک دیوانہ ہوں ۔ دل‌دار کےساتھ ہم‌خانہ‌تھا اور دل‌دار کےساتھ ہم‌خانہ‌ہوں ۔ جب میں اپنے محبوب پر عاشق ہؤا تو غیروں سے کنارہ کیا میرے سر کے بال سفید ہوئے اب تک کنارہ کیے ہوئے ہوں۔ جب یار کی صف میں داخل ہؤا تو غیروں کے تہمت کے تیر کا نشانہ بنا ۔ عوام و خواص ہر دو مجھے نشانہ بنائے ہوئے تھے اور اب تک نشانہ بنائے ہوئے ہیں ۔ اپنے پیارے دل بر کے ہاتھوں سے میں نے عشق کی بے اندازہ شراب نوش کی اور کچھ اس انداز سے پی ہے کہ میں اب تک فرزانہ ہوں ۔ فقیر دولت ایک مست ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۲۰۰ پر)

اس کتاب سے ہمیں پیر بایزید کی ایک اور اہم خدمت کا بھی پتہ چلتا ہے ، وہ یہ ہے کہ انھوں نے پشتو رسم الخط کو بھی رواج دیا تھا۔

پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کا یہ نسخہ (۲۴۵) اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا سلسلہ نمبر۴۹۹۰ ے ہے ۔ ان کے علاوہ محمدعبدالشکور صاحب مصحح صراط‌التوحید نے ''صراط التوحید'' کے دیباچے میں پیر بایزید کی ایک کتاب ''رسم الخط پشتو'' کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ یہ کتاب دولت لوحانی کے قول کے مطابق پیر بایزید نے پشتو کے مخصوص رسم الخط کو رواج دینے کے لیے لکھی تھی ۔

پشتو ادب اور شاعری پر پیر روشان کے اثرات

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پیر روشان ایک صاحبِ طرز ادیب اور انشاء پرداز تھے ۔ ان کے طرزِ نگارش اور انشائی خوبیوں نے نہ صرف ان کے معتقدین کو بلکہ ان کے مخالفین کو بھی متاثر کیا تھا ۔ حضرت اخوند درویزا جو ان کے سخت ترین مخالفین میں تھے وہ ان کی انشائی خوبیوں کو اپنائے بغیر نہ رہ سکے ۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ''خیر البیان'' کے اسٹائل پر پشتو شعر کہے ہیں ، کیوں کہ ''خیرالبیان'' کا طرز بے حد مقبول ہے ۔ خود پیر روشان کے طرز پر حضرت اخوند درویزا نے پشتو میں مخزن اسلام اور فارسی میں تذکرہ الابرار والا شرار لکھیں ۔ مولانا عبدالکریم با کریم داد صاحبزادہ حضرت اخوند درویزا نے بھی اسی طرز کو اپنایا اور مخزن کے مختلف نسخوں کو یک جا کرکے پیر روشان کے طرزِ تحریر کے انداز میں بہت کچھ لکھا ۔ بایزید کے متبّعین میں اس دور کے پشتو شعراء کا ایک مستقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

یار کی محبت میں مست ہے ۔ ازل میں جو شراب پی تھی اس کے نشے میں مست ہوں ۔

ماخوذ از پختانۂ شعرا جلد اول ۔ مؤلفہ آقائے عُبدالحی حبیبی پشتو ٹولنہ کابل صفحہ ۸۴ تا ۹۴)

اسکول ملتا ھے ، جنھوں نے اپنے اشعار میں پیر روشان کے طرزِ نگارش کی تقلید کی ھے ، ان میں مُلا ارزانی ، میرزا خان انصاری اور دولت لوحانی خاص طور پر قابل ذکر ھیں - اس کے بعد کے مصنفین میں جنھوں نے پیر روشان کے طرز نگارش کو اپنایا ، ان میں پشتو کا مشہور مصنف عبدالسلام اور عبدالحلیم بن عبداللہ بن اخونددرویزا خاص طور پر قابل ذکر ھیں - پیر روشان کے طرز تحریر کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ھوتا ھے کہ ابوالقاسم نے جو اکبر کا ھم عصر تھا اپنی پشتو کی مشہور کتاب ''فوائد الشرعیہ'' ، تصنیف ۱۵۶۰ ع (۹۶۸ھ) کو خیرالبیان ھی کے طرز پر لکھا - (۱)

---

۱ - یہ تمام تفصیل پختانہ شعراء جلد اول مطبوعہ عمومی پریس ، کابل صفحہ ۱۸ سے ماخوذ ھے -

(۵)

حضرت اخوند پنجو بابا

نام و وطن :

دسویں صدی ھجری کے صوفیہ میں جن بزرگوں نے صحیح مذھبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی ، اور اصلاحِ باطن بر خاص طور پر زور دیا اور ان تمام آلودگیوں کے دور کرنے کی کوشش کی جنھوں نے روحانی زندگی کو گندہ کر دیا تھا ان میں سے ایک اخوند پنجو بابا بھی تھے جنھوں نے مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں سلسلۂ چشتیہ کے چراغ کو روشن کرکے اس سر زمین کے لوگوں کو عرفان و ھدایت کی روشنی دکھائی اور ان کی خانقاہ سابق صوبۂ سرحد کے مسلمانوں کی دینی اصلاح وتربیت کا مرکز بنی -

آپ کا اصل نام تو سید عبدالوھاب تھا ، لیکن آپ عوام میں اخوند پنجو بابا مشہور ھوئے- کہتے ھیں کہ آپ چوں کہ بنیادی طور پر ارکان خمسۂ اسلام کی تعلیم دیتے تھے، اس لیے ابتداءً کے مخالفین نے آپ کو استہزآء ''پنجو بابا'' کہنا شروع کیا ، جب آپ کو معلوم ھوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو استہزاءً ''پنجو بابا'' کہتے ھیں تو آپ نے فرمایا کہ میری خوش نصیبی اس سے بڑھ کر کیا ھو گی کہ میرا نام پانچوں بنائے اسلام کی تبلیغ کی بنا پر میرے مخالفین نے ''پنجو بابا'' رکھا ھے ، خدا کرے کہ قیامت تک میرا یہی لقب ھو - چناں‌چہ اسی وقت سے آپ ''پنجو بابا'' کے نام سے مشہور ھیں (۱)

'آئینِ اکبری' میں ابوالفضل (۲) نے آپ کو شیخ پنجو سنبھلی لکھا

---

۱ - ماخوذ از ''تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد'' - صفحہ ۱۶

۲ - ابوالفضل ، شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا تھا ، جو ۶ محرم ۹۵۸ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳ پر)

ہے ، یہ اس بنا پر کہ آپ کے اجداد سنبھل کے رہنے والے تھے - جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲)

(۱۵۷۴ع) کو آگرے میں پیدا ھوا - بچپن ھی میں لوگ اس کی غیر معمولی ذکاوت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ، اس نے اپنے والد شیخ مبارک اور اپنے بڑے بھائی فیضی سے تعلیم حاصل کی اور پندرہ ھی سال کی عمر میں علومِ رسمیہ کی تکمیل کرلی ، پھر اس نے فلسفہ و حکمت میں شیخ حسن علی سوصلی سے استفادہ کیا ، اور اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار علماء میں اس کا شمار ھونے لگا - ۹۸۱ھ میں وہ بڑے بھائی فیضی کی سفارش پر اکبر کے دربار میں باریاب ھوا ، اور اکبر کے سامنے آیت الکرسی کی تفسیر پیش کی ، جسے اکبر نے بے حد پسند کیا - اسی زمانے میں اکبر سہمِ بنگالہ پر روانہ ھو رھا تھا ، ۹۸۲ھ میں اکبر کی واپسی پر ابوالفضل نے اکبر کے سامنے سورۂ فتح کی تفسیر پیش کی جسے اکبر نے بے حد پسند کیا - اس کی اس تفسیر نے اکبر کی نظر میں اس کی وقعت کو کئی گنا بڑھا دیا اور اس نے بادشاہ کی نظر میں اس قدر تقرب حاصل کیا کہ منصبِ بستی سے لے کر منصب پنج ھزاری تک پہنچا ، اور شاھی ''میرمنشی'' مقرر ھوا ، تمام احکام شاھی اس کے قلم سے نکلتے تھے اور جملہ آئین و اصلاحات اس کی رائے سے مرتب ھوتی تھیں ، لیکن افسوس ھے کہ اس نے دنیادی جاہ واعزاز کو اپنا مقصد بنا کر ھر اس گمراھی کو اختیار کیا ، جس میں اکبر کی خوشنودی حاصل ھوتی تھی ، اکبر نے جب مذھب دین الٰہی کی بنیاد رکھی تو دین الٰہی کے عقائد وضوابط ابوالفضل نے گھڑے اور دینِ الٰہی کا خلیفۂ اول ٹھہرا -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

۱۰۰۶ھ میں ابوالفضل اکبر کے ساتھ قلعۂ اسیر گڑھ کی فتح میں شریک تھا ، جب اسیر گڑھ کی فتح کے بعد اکبر شمال کی طرف مڑا تو خانخاناں عبدالرحیم نے جو ان دنوں دکن کے کی مہم پر مامور تھا ، اکبر سے درخواست کی کہ ابوالفضل کو میری مدد کے لیے چھوڑ جایے ، اکبر نے خان خاناں کی یہ درخواست منظور کرلی اور ابوالفضل کو خان‌خاناں کے حوالے کرکے اکبرآباد روانہ ہو گیا۔ اب خانخاناں سپہ‌سالار تھا اور ابوالفضل اس کے ماتحت تھا ۔ خانخاناں نے ابوالفضل کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ زندگی سے بیزار نظر آنے لگا ، اس نے بادشاہ کے نام دکن سے کئی خطوط اور عرضیاں روانہ کیں ، لیکن وہ خط اور عرضیاں اکبر تک پہنچنے نہیں پاتے تھے ۔ جب الہ آباد میں جہانگیر نے بغاوت کی تو اکبر نے ابوالفضل کو لکھا کہ تم اپنا کام اپنے بیٹے عبدالرحمان کے سپرد کرکے فوراً اکبرآباد پہنچو ۔ جہانگیر کو معلوم ہوا تو اس نے سوچا اگر ابوالفضل دربار میں پہنچ گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا ، اس نے بندھیلہ کے نرسنگھ دیو کو لکھا کہ ابوالفضل کو یقیناً تمھارے علاقے سے گزرنا ہے ، جیسے ہی وہ تمھارے علاقے میں پہنچے تم اسے قتل کر دو ، چناں چہ جب ابولفضل اس کے علاقے سے گزرا تو نرسنگھ دیو نے جو اس کی گھات میں تھا ، دو تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا ۔ ابوالفضل یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ع) کو مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا قتل کیا گیا ۔ اس کا سر جہانگیر کو بھیج دیا گیا اور دھڑ گوالیار کے قریب انتری میں دفن ہوا ۔

ابوالفضل کی تصانیف میں 'آئین اکبری'، 'اکبرنامہ'، 'رقعات ابوالفضل'، 'عیار دانش' اور انجیل کا فارسی ترجمہ اور دوسری کتابیں ہیں ('نزھۃ الخواطر' جلد ۵ صفحہ ۲۵-۲۶ رودکوثر' صفحہ ۱۳۹)

ابراهیم لودھی (۱) نے پانی پت کے میدان میں بابر (۲) کے هاتھوں سے شکست کھائی اور افغان آمرا اور فوجی افسروں کا زوال شروع هوا تو ان

---

۱ - ابراهیم لودھی ، سکندر لودھی کے بعد ۹۲۳ھ میں تخت نشین هوا اور ۹۳۲ھ میں جنگ ِ پانی پت میں مارا گیا [فٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۸٦

۲ - بابر کا اصل نام ظہیرالدین محمد تھا ، اس کے والد کا نام میرزا عمر شیخ اور والدہ کا نام قتلوہ نگار خانم بنت یونس خاں تھا ۔ بابر ٦ محرم ۸۸۸ھ کو پیدا هوا ۔ خواجہ عبداللہ احرار نے اس کا نام ظہیرالدین محمد رکھا ، لیکن یہ نام چوں کہ ترکوں کی زبان پر چڑھتا نہ تھا ، اس لیے بابر کے نام سے مشہور هوا ۔ ۸۸۹ھ میں بابر بارہ سال کی عمر میں اندجان میں موروثی تخت ِسلطنت پر بیٹھا ، اور پانچ دفعہ اس نے هندوستان پر حملے کیے - پہلی مرتبہ ۹۱۰ھ میں وہ بادام چشمے کی راہ سے جمرود خیبر سے گزرتا هؤا دریائے سندھ کو عبور کرکے قصبہ تربیلا جو درایئے سندھ کے کنارے علاقۂ ملتان میں ھے آیا ۔
دوسری دفعہ ماہ جمادی الاولیٰ ۹۱۳ھ میں براہ کابل هندوستان کی طرف متوجہ هوا ، اسی سال ۴ ذیقعد کو همایوں پیدا هوا
تیسری دفعہ یکم محرم ۹۲۵ھ میں باجوڑ کی طرف متوجہ هوا ، اور قلعۂ با جوڑ کو جواب پشاور کے شمال میں ھے فتح کرکے یکم ربیع الاول کو کابل لوٹ آیا ۔
چوتھی مرتبہ غالباً ۹۳۰ھ میں اس نے پھر هندوستان پر حملہ کیا اور دیبال پور اور لاهور کو فتح کر لیا ۔
پانچویں مرتبہ ۹۳۲ھ میں وہ پھر هندوستان کی طرف متوجہ هوا اور یکم ربیع الاول کو کچھ کوٹ کے قریب سے دریائے سندھ کو عبور کر کے بھلول پور آیا اور ۲۴ ربیع الاول کو اس

(باق حاشیہ صفحہ ۲۰٦ پر)

میں سے اکثر ترک وطن پر مجبور ہوئے ۔ اسی افراتفری کے زمانے میں آپ کے والد محترم حضرت غازی بابا بھی براہ ہزارہ یوسف زئی کے علاقے میں تشریف لائے، اور وہاں علاقۂ مندنڑ میں گجو خاں بانڈہ کے قریب موضع ترکی میں سکونت اختیار فرمائی ۔ حضرت غازی بابا بھی صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ تھے ، انھوں نے جناب صالح محمد صاحب معروف بہ دیوانہ بابا کی خالہ سے شادی کی ۔

ولادت

صاحب تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد کا بیان ہے کہ ۹۴۵ھ میں حضرت اخوند پنجو بابا کی ولادت باسعادت موضع الکائے علاقۂ یوسف زئی میں ہوئی ۔ یہ ملک گجو خاں(۱) کی سرداری کا زمانہ تھا ۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

نے قلعۂ ملوت فتح ۔ کیا ۱۳ جمادی الاول کو اس نے انبالے سے کوچ کیا اور جمعرات کے روز ۲۵ جمادی الآخر کو پانی پت پہنچا ۔ ۸ رجب ۹۳۲ھ کو جمعہ کے دن سلطان ابراہیم لودھی سے اس کی جنگ ہوئی ، جس میں سلطان ابراہیم مارا گیا ۔ بابر نے ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں اڑتیس سال کی حکومت کے بعد پچاس سال کی عمر میں آگرے میں وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق کابل میں مدفون ہوا ، جو اب ''باغ بابر'' کے نام سے مشہور ہے ۔

(ماخوذ از مقالات الشعراء صفحہ ۸۲ تا ۸۹ و فٹ نوٹس 'مقالات الشعرا' مرتبۂ سید حسام الدین راشدی صفحات مندرجہ بالا)

۱ ۔ گجوخاں قبیلہ مندنڑ کی شاخ بیزاد خیل سے تھا ۔ اس نے ملک احمد خاں کی وفات کے بعد غالباً ۱۵۳۰ع میں قبیلۂ یوسف زئی کی سرداری حاصل کی ۔ وہ نہایت مدبر، عالم اور بہادر تھا ۔ اس

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۷ پر)

کچھ زمانے کے بعد حضرت غازی ، اکبر بادشاہ کے دور میں علاقۂ مندنڑ سے دریائے کابل کو عبور کرکے پشاور آ گئے ، اور پھر موضع چوھا گجر میں سکونت اختیار کی - غازی بابا نے موضع ترکی سے کیوں ترک وطن کیا ؟ اس کا سبب کیا تھا ؟ صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا ، صرف ''تاریخ یوسف زئی پٹھان'' کے ایک فٹ نوٹ سے پتہ چلتا ھے کہ ملک گجو خاں نے جو عوام پر ٹیکس عائد کر رکھے تھے ان میں سے ایک ٹیکس بچے کی پیدائش پر بھی پانچ روپے تھا - جب اخرند پنجوبابا کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ٹیکس دینے کی بجائے اس علاقے ھی کو خیرباد کہہ دیا - گجوخاں کے سپاھیوں نے ان کا تعاقب کیا ، لیکن وہ دریائے کابل کو پار کرچکے تھے(۱) -

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۲۰۶ کا)

نے شیخ ملیؒ کے دفتر کا تکملہ بھی لکھا تھا - اسے ''نولکھے بابا'' کے نام سے پکارا جاتا تھا - ملک گجو خاں کی پختہ قبر تحصیل صوابی میں گوھاٹی سے تین میل کے فاصلے پر جنوبی جانب ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ھے (ماخوذ از یوسف زے پٹھان - صفحہ ۲۳۰)

۱ - جلال الدین اکبر اپنے والد ھمایوں کی جلا وطنی کے زمانے میں ۲ ربیع الاولیٰ ۹۴۹ ھ میں جب کہ ھمایوں ، شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ میں مقیم تھا حمیدہ بانو کے بطن سے عمر کوٹ ضلع تھرپارکر (سندھ) میں پیدا ھوا- ۹۶۳ھ(۱۸۵۶ع) میں جب ھمایوں نے وفات پائی تو اکبر کی تاج پوشی کلانور ضلع گورداسپور میں ھوئی - اس وقت اکبر کی عمر ۱۳ سال کی تھی - کم عمری کی وجہ سے بیرم خان اس کا اتالیق اور وکیل سلطنت مقرر ھوا - جب اکبر سن شعور کو پہنچا تو اس نے زمام سلطنت کو اپنے ھاتھ میں لے لیا - ۵۱ سال کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

چوھاگجر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اس موضع کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ھاتھ پر بیعت کی ۔

تعلیم :

حضرت اخوند پنجو بابا نے علوم ِ ظاھریہ میں کن اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا تذکروں میں اس کی تفصیل نہیں ملتی ، صرف اتنا پتہ چلتا ھے کہ ان دنوں موضع چوھاگجر میں ایک بڑے عالم رھتے تھے جو قاضی بھی تھے ۔ حضرت غازی بابا نے اس گوھر ِ ولایت کو ابتدائی تعلیم کے لیے ان بزرگ کے سپرد کیا اور انھیں بزرگ سے اخوند پنجو بابا نے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ پھر آپ حصول ِ تعلیم کے لیے ھندوستان تشریف لے گئے اور تعلیم کے سلسلے میں آپ کا قیام روھیل کھنڈ میں زیادہ رھا اور وھیں کے علماء سے آپ نے علوم ِ ظاھریہ کی تکمیل کی ، نصراللہ خاں صاحب نصر نے اپنے رسالے ''سلسلۂ اولیائے سرحد'' نمبر ۱۸ میں لکھا ھے کہ آپ وھاں افغانی نوسلجامی کے لقب سے مشہور ھوئے ۔ نوسلجام روھیل کھنڈ میں ایک موضع کا نام ھے ، شاید وھاں زیادہ قیام کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کو افغانی نو سلجامی کہنے لگے ھوں ۔

وطن کو واپسی :

علوم ِ دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ شاہ ڈھنڈ تشریف لائے ۔ اس اثنا میں آپ کے والد موضع گوجر سے ترک ِ سکونت کرکے شاہ ڈھنڈ تشریف لے آئے تھے ، جو پشاور بالاحصار کے قریب گھاس کا ایک وسیع جنگل تھا اوریہاں مویشیوں کے لیے چارہ کافی تھا ۔ یہیں حضرت غازی بابا نے وفات پائی ۔ آج بھی آپ کا مزار قلعۂ بالاحصار کے نیچے وائرلیس گراؤنڈ میں موجود ھے ۔ ترکۂ پدری سے جو نقدی اور بھینس حضرت اخوند پنجو بابا کو وراثت میں ملی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷ کا)

حکومت کے بعد اکبر نے جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) کو وفات پائی اور آگرے کے قریب سکندر آباد میں مدفون ھوا ۔ (ماخوذ از ''نزھۃ الخواطر'' جلد ۵ صفحہ ۷۴ تا ۸۰)

تھیں وہ سب آپ نے خیرات کر دیں ۔ تھوڑے دن کے بعد آپ کی والدۂ ماجدہ نے بھی وفات پائی اور ان کی میراث کو بھی جو آپ کو ملی تھی وہ بھی راہِ خدا میں آپ نے دے دی ، صرف کتابیں رہنے دیں ۔

اکبر پورہ میں تشریف آوری :

پینتالیس سال کی عمر میں حضرت اخوند پنجو بابا نے ۹۹۰ھ میں شاہ ڈھنڈ کی سکونت ترک کرکے موضع اکبرپورہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔

رشد و ھدایت :

اسی موضع میں مقیم ھوکر آپ رشد و ھدایت اور درس و تدریس میں مشغول ھوگئے اور اس سرچشمۂ علم و معرفت سے ھزاروں طالبانِ علم و معرفت فیض یاب ھوئے۔

درس و تدریس :

درس و تدریس حضرت اخوند پنجو بابا کا خاص مشغلہ تھا ۔ قاضی میر احمد شاہ رضوانی صاحبِ "تحفۃالاولیاء" کا بیان ھے کہ آپ ھمیشہ درس دینے میں مشغول رھتے ۔ آپ کی درس گاہ سے تقریباً تین سو علماء علم کا آفتاب بن کر نکلے جنھوں نے اپنی تبلیغی ضوفشانیوں سے اس علاقے کی سر زمین کو منور کر دیا (۱) ۔

تبلیغ و اصلاح :

کہتے ھیں کہ آپ کے تشریف لانے سے پہلے موضع اکبرپورہ چالیس محلوں پر مشتمل تھا ۔ ھر محلے میں ایک بیٹھک تھی جس میں لوگ بھنگ اور چرس پی کر گانے بجانے میں مصروف رھتے ۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابلِ ذکر مسجد نہ تھی ۔ اس گاؤں کے لوگ عیش و سرمستیوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ھوچکے تھے ، آپ نے سب سے پہلے یہاں تشریف لا کر ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آیندہ چل کر کھجور والی مسجد کے نام سے مشھور ھوئی ۔ اسی مسجد میں آپ نے نمازِ جمعہ کا اھتمام

۱ ۔ ماخوذ از "تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد" بہ حوالۂ "تحفۃ الاولیاء" صفحہ ۱۸ ۔

کیا اور ان بگڑے ہوئے لوگوں میں اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا ، امر بالمعروف کے لیے اطراف و اکناف میں تبلیغی وفود بھیجے ، عوام کو ابتداًء اسلامی عقائد یعنی ارکانِ خمسۂ اسلام سے واقفیت کرانے کی کوشش کی ، مواعظ کے ذریعہ سے اخلاق قدروں کو بلند کیا اور اس خرابے میں علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کھنچ آپ کے گرد جمع ہونے لگے (۱) ۔

بیعت :

اتفاق سے ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع) میں حضرت میر ابوالفتح قنپاچی جو کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری(۲) کے مرید وخلیفہ تھے پشاور ہوتے ہوئے

---

۱ ۔ ماخوذ از تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد بحوالہ تحفۃالاولیاء ص ۱۸۔

۲ ۔ حضرت شیخ جلال تھانیسری ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ھے ۔ آپ کے والد کا اسمِ گرامی قاضی محمد عمری تھا ۔ صاحبِ ''خزینۃالاصفیاء'' نے آپ کے بزرگوں کا وطن بلخ بتایا ھے ، لیکن شیخ عبدالحق محدّث دھلوی نے ''اخبارالاخیار'' میں آپ کو کابلی لکھا ھے ۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علومِ ظاھری کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ھو گئے اور درس و تدریس و افتاء میں مشغول ہوئے ۔ آخر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے دستِ حق پرست پر بیعت ھو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا اور تصوف و عرفان کی اعلٰی منازل پر فائز ہوئے ۔
صاحب ''اخبارالاخیار'' شیخ عبدالحق محدّث دھلوی نے آپ کے علم و فضل و جلالت شان کو بیان کرتے ہوئے لکھا ھے کہ:
''شیخ جلال الدین تھانسیری الکابلی رحمۃاللہ علیہ مرید و

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۱ پر)

اکبر پورہ تشریف لائے ، اخوند پنجو بابا نے سلسلۂ چشتیہ میں انھیں بزرگ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحے کا)

خلیفۂ شیخ عبدالقدوس ست ، از مشاہیر و مشائخ وقت بود ، مرید و عامل و مستقیم و شیخ کامل ، از اول عمر تا آخر بطاعت و عبادت و درس و ذکر و سماع و ذوق و حالت گزرانید ۔ سن طویل یافتہ بود ، و بر حفظ ادب و و نوافل و رعایت اوراد اوقات تا آخر حیات مستقیم بود۔''

(''اخبارالاخیار'' ۔ صفحہ ۲۸۵)

مُلاّ عبدالقادر بدایوانی جنھوں نے حضرت جلال تھانیسری سے ملاقات بھی کی تھی ، انھوں نے ان کے محامد و اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

''شیخ جلال تھانیسری ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے خلیفہ تھے ۔ علوم ظاھری و باطنی کے جامع تھے ، علوم دینیہ کی اشاعت اور معارف یقینیہ کے پھیلانے میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے ، آخر میں علوم رسمیہ سے اعراض فرما کر ، جلوت سے کنارہ کش ہو کر خلوت اختیار فرمائی ۔ آپ کے اکثر اوقات تلاوت قرآن ، ادائے نوافل ، درود اور دعا میں گزرتے تھے ۔ ترانوے سال کی عمر میں بالکل ضعیف ہوچکے تھے ۔ یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا اور حرکت کرنا بھی مشکل تھا ۔ کم قوتی اور ضعف کی وجہ سے تکیے کا سہارا لے کر غنودگی میں رہتے ۔ لیکن جس وقت اذاں کی آواز سنتے فوراً ھی بغیر دوسرے سے مدد لیے اٹھتے اور جوتا پہن کر عصا ھاتھ میں لے کر خود طہارت اور وضوء سے فارغ ہوتے اور نماز ادا فرماتے ۔ نماز ادا فرما کر پھر حسب عادت

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۲ پر)

کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢١١ کا)

بستر پر لیٹ جاتے ۔ اس فقیر نے بھی دو مرتبہ آن سے شرفِ ملاقات حاصل کیا تھا ۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ وہ ٩٦٩ھ (١٥٦١ع) میں ائمہ تھانیسر کی تنظیم اور سفارش کے لیے تھانیسر سے آگرے آئے تھے ، دوسری مرتبہ ٩٨١ھ (١٥٧٣ع) میں حسین خان کے ساتھ جب کہ وہ یلغار کرتا ہوا الغ میرزا کے تعاقب میں جا رہا تھا ، میں تھانسیر سے گزرتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ۔ میں نے ان کو دیکھا سراپا نور معلوم ہوتے تھے ۔''

("منتخب التواریخ" جلد ٣ ۔ صفحہ ٣ ۔ ٤)

دارا شکوہ نے "سفینۃالاولیاء" میں لکھا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں "مشائخ متاخرین" میں آپ سے زیادہ بزرگ نہیں ہوا ۔

"خزینۃ الاصفیاء" میں ہے کہ حضرت شیخ جلال تھانیسری پر استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی ، نماز کے وقت مریدین اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے باہر آ کر نماز ادا فرماتے ۔

("خزینۃ الاصفیاء" جلد اول ۔ صفحہ اول ۔ ٤٤٩)

سماع سے ذوق رکھتے تھے ، "اخبارالاخیار" میں ہے کہ :

"حضرت شیخ جلال کے ایک صاحبزادے کی وفات ہوگئی جب تک ان کو اس کا غم رہا آپ نے سماع نہیں سنا ، یہاں تک کہ وہ درد حق کی محبت میں تبدیل ہوگیا ۔"

("اخبار الا خیار" ۔ صفحہ ٢٨٥)

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت شیخ جلال کا مرتبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔

رباضتیں اور مجاهدے :

عبادات و ریاضت اور کیفیات میں بھی آپ پر سلسلۂ چشتیہ کے اکابرشیوخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲ کا)

بہت بلند تھا ۔ آپ عہدِ اکبری کے علمائے کبار میں سمجھے جاتے تھے ، ''اقبال نامہ جہانگیری'' میں ہے کہ :

''جب اکبر نے اپنے بھائی میرزا عبدالحکیم پر فوج کشی کی تو راستے میں تھانیسر پڑا ۔ اکبر نے حضرت جلال تھانیسری کی زیارت کی ۔ ملاقات کے وقت حضرت جلال تھانیسری نے توحید کی وضاحت کرتے ہوئے یہ رباعی پڑھی :

آفتابے در ہزاران آبگینہ تاختہ
پس برنگے ہر یکے تابِ عنان انداختہ
جملہ‌یک نورست امارنگہائے مختلف
اختلافے درمیان این و آں انداختہ

اکبر آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا ، لیکن آپ نے گوشۂ فقر کو چھوڑ کر کبھی دربار سے وابستگی پسند نہ کی (''رودِ کوثر'' بحوالۂ ''اقبال نامہ جہانگیری'' و ''انوارالعارفین''صفحہ ۳۴۶)

حضرت شیخ جلال صاحبِ تصنیف و تالیف تھے ، 'اراضی‌الہند'' اور ''ارشادالطالبین'' آپ کی مشہور تصانیف ہیں ۔ اس کے علاوہ آپ کے مکاتیب بھی ہیں ، ان مکاتیب کا طرز نگارش اور اسلوب آپ کے پیر شیخ عبدالقدس کے طرز پر ہے ۔ بعض کتب متداولہ پر آپ نے حاشیے بھی لکھے تھے ۔

حضرت شیخ جلال تھانیسری نے ۱۳ ذالحجہ ۹۸۹ھ (۱۵۷۱ع) میں وفات پائی ۔ (''خزینۃالاصفیاءِ'')

یعنی حضرت احمد عبدالحق ردولوی(۱)حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی(۲)

---

۱ - حضرت شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی ''صاحبِ توشہ'' کا نام سب سے زیادہ جلی نظر آتا ھے - ان کے دور میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی وسعت و ترقی حاصل ھوئی - آپ ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ھوئے - آپ کے والد کا اسم گرامی عمر اور آپ کے دادا کا اسم گرامی داؤد ھے - آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ھے - آپ کے دادا نے قصبۂ ردولی میں سکونت اختیار کی اور حضرت چراغ دھلی سے بیعت ھوکر تعلیم و تربیت حاصل کی اور ردولی ھی میں واصل بحق ھوئے شیخ داؤد کے صاحبزادے عمر کے دو صاحبزادے ھوئے - ایک شیخ تقی الدین ، دوسرے حضرت شیخ احمد عبدالحق - شیخ تقی الدین نے دھلی میں سکونت اختیار کی اور شیخ احمد عبدالحق ردولی ھی میں مقیم رھے ، بارہ سال کی عمر میں آپ تحصیل علم کے ارادے سے دھلی پہنچے - آپ کے بھائی تقی الدین جو دھلی میں مقیم تھے انھوں نے خود آپ کو تعلیم ظاھری دینی چاھی ، آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ، مجھے تو آپ معرفت کے علوم سکھلایے - آخر وہ عاجز ھو کر آپ کو دھلی کے مشہور اساتذہ کے پاس لے کر گئے ، ان حضرات نے آپ کے سامنے ''میزان الصرف'' رکھی اور پڑھانا چاھا - جب ضرب یضرب کی گردان پر پہنچے اور انھوں نے ضرب کے معنی مارا بیان کیے تو آپ نے فرمایا ، ''راہِ خدا میں مرنا اور مارنا عوام اور خواص کے لیے بڑی فضیلت کی بات ھے ، بشرطیکہ وہ اللہ کے لیے ھو اور انتقام کے لیے نہ ھو'' ، پھر فرمایا ، ''مجھے تو آپ حضرات معرفتِ الٰھی کا درس دیجیے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۵ پر)

اور حضرت جلال تھانیسری کا رنگ غالب تھا ۔ حضرت جلال تھانیسری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴ کا)

تاکہ میں اسے پہچانوں اور دوست رکھوں"۔ پھر آپ وہاں سے اٹھے اور اپنے کام میں مشغول ہوگئے ۔

("دُرّ مکنون" ترجمہ "انوارالعیون" صفحہ ۱۰)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کا بیان ھے کہ پھر شیخ احمد عبدالحق پیر طریقت کی تلاش میں نکلے اور مختلف مقامات پر ھوتے ھوئے پانی پت تشریف لائے اور حضرت شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے دست حق پرست پر بیعت کی ۔ حضرت جلال پانی پتی نے اپنی ٹوپی آپ کے سر پر رکھی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا ۔ ایک مدت تک ریاضتیں اور مجاھدے کر کے آپ اپنے مرشد سے رخصت ھوئے اور مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ھوئے اپنے وطن ردولی تشریف لائے اور آپ کی خانقاہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا اھم مرکز بنی ۔ "انوارالعیون" میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی تحریر فرماتے ھیں کہ :

"حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات بے نام و نشان ھے ۔ جو نام اس کی طرف منسوب کیے جاتے ھیں ان میں اسم حق سے بہتر کوئی نام نہیں ، اسم حق کی نسبت ، بہ نسبت اور تمام ناموں کے بہتر ھے"۔

خود حضرت شیخ احمد عبدالحق اور آپ کی خانقاہ کے تمام رھنے والے پاس انفاس کرتے تھے ، چناں چہ کسی ساعت بھی یاد الٰہی سے غافل نہ رھتے تھے ۔ نماز کے اول و آخر میں تین بار باآواز بلند حق حق حق کہتے ، یہاں

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۶ پر)

کے حالات کس گذشتہ فٹ نوٹ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ ان پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵ کا)
تک کہ خرید و فروخت میں بھی جمال حق میں مستغرق رهتے - یہی وجہ تھی کہ آپ کے سلسلے میں یہ طریقہ تھا کہ حق حق آپ کے طالبوں اور مریدوں کی زبان پر جاری رهتا اور هر دم ، هر سانس اور هر هر قدم پر حق کے سوا کچھ نہ کہتے تھے ، یہاں تک کہ سلام کے بجائے اور چھینکنے والے کے جواب میں بھی حق حق کہتے ، خط کے شروع میں بھی تین مرتبہ کلمۂ حق لکھتے ، نماز ، تکبیر اور فاتحہ کے بعد ، خرید و فروخت اور تمام کاموں میں تین مرتبہ حق حق حق کہتے - یہ علامت آپ کے مریدوں کی تھی ، اسی وجہ سے آپ کو حقّانی اور حق گو بھی کہتے هیں -

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوهی نے اس کتاب میں آگے چل کر تحریر فرمایا کہ شیخ المشائخ شیخ احمد عارف اور حضرت شیخ احمد عبدالحق کے اکثر مرید اس جہان فانی سے حق حق کہتے تشریف لے گئے ، اور سب کا خاتمہ بالخیر هوا - حضرت شیخ احمد عبدالحق ۱۵ جمادی الثانی ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ع) کو سلطان ابراهیم شرقی کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ هوئے - آپ کا مزارپر انوار ردولی میں مرجع زیارت خاص و عام هے - (یہ تمام حالات ''در مکنون'' ترجمہ ''انوارالعیون'' تصنیف حضرت شیخ عبدالقدوس اور ''اخبارالاخیار'' صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۰ سے ماخوذ هیں)

۲ - آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالقدوس ، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور دادا کا نام قاضی صفی الدین دانشمند تھا ، آپ کا سلسلۂ نسب تیئیس (۲۳) واسطوں سے حضرت امام ابوحنیفہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر)

استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی ، نماز کے وقت ان کے مریدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶ کا)

سے جا ملتا ہے ۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی حضرت شیخ محمد ردولوی بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے ۔ سلسلۂ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ حضرت شیخ ردولی میں پیدا ہوئے ، وہیں تعلیم‌وتربیت حاصل کی ، ۹۱ - ۱۴۹۰ع میں جب ردولی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا ، شعار اسلام مٹائے گئے ، یہاں تک کہ سور کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترکِ وطن کرکے شاہ آباد تشریف لائے ، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ، جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا اور شاہ آباد ویران و برباد ہوا تو ملک عثمان کرّانی کی تحریک پر آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگوہ ضلع سہارنپور تشریف لائے ۔ آپ کی گنگوہ میں تشریف آوری ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے ایک سال پہلے ہوئی ۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ابتدآء سیاست میں حصہ نہ لیتے تھے ، لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا ۔ آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا ۔ ''مکاتیب قدوسیہ'' کے مطالعے سے معلوم‌ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابُر جیسے شاہان وقت کو خطوط لکھے ، جن میں ان کو غم خواریٔ خلق ، علماء کا احترام ، عدل و انصاف اور احکام شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی ۔ بابر کو ایک خط میں نصیحت فرماتے ہوئے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحے کا)
لکھتے ہیں:

''باید و سزد کہ نعمت برائے منعم سایۂ عدل بر عالمیان چناں کشند کہ ہیچ کس بر ہیچ کس ظلم نظر نکند، و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ بامرونواہی شرع مستقیم و مستدیم بوند، نماز بجماعت بگردند و علم و علماء را دوست دارند، و در بازار ہر شہرے محتسباں بگردند، تا شہر و بازار بہ حال عدل شرع محمدی بیارایند و روشن و منور گردانند چنانکہ در عہد سلف و خلفائے راشدین با جمیع شرائط بے شبہ بود۔''

ان کے علاوہ آپ نے اس زمانے کے اُمراء کو بھی خطوط کے ذریعے سے اتباعِ شریعت، تقویٰ، نیکی اور پرہیز گاری کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نہ صرف جلیل القدر درویش تھے، بلکہ علم و فضل میں بھی آپ کا مرتبہ بے حد بلند تھا، صاحبِ تصانیف تھے۔ آپ کی کتابوں کو دیکھ کر آپ کے تبحرِ علمی، جلالت اور وسعتِ نگہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعر مشرق علاّمہ اقبال نے ان الفاظ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے علم و فضل اور عرفان و تصوف کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شیخ کا مندرجہ‌ذیل قول:

''محمد مصطفیٰ در قاب قوسین او ادنی رفت و باز گردید، واللہ ماباز نگردیم'' (لطائف قدوسی صفحہ ۶۵ - لطیفہ ۷۹)

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان ولی اللہ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۹ پر)

باھر آ کر نماز ادا فرماتے، حضرت اخوند پنجوبابا پر بھی سکر و استغراق کی یہی کیفیت طاری رھتی تھی۔ نماز کے وقت آپ کے خدّام یا حق یا حق کہہ کر اٹھاتے تھے۔ آپ اٹھ کر وضو کرتے، نماز ادا فرماتے اور پھر استغراق میں غرق ھو کر ماسوا اللہ سے بے خبر ھوجاتے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے متعلق ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین (۱) کا بیان ھے کہ عین موسم سرما میں جب برف گرتی تھی حضرت شیخ عبدالقدوس صحن خانہ میں بیٹھ کر برھنہ سر وضو کرتے اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحے کا)

قول ھے، صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید ھی کوئی اور مثال مل سکے جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت اور ولایت کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضع طریقے پر بیان کیا گیا ھو۔ (اسلام میں مذھبی افکار کی تجدید۔ ڈاکٹر اقبال کے خطبات۔ صفحہ۔ ۱۲۴۔

۲۳ جمادی الاخری ۹۴۴ ھ (۱۵۳۷ع) کو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی نے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یو۔ پی) بھارت میں زیارت گاہ خاص و عام ھے۔

یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کی اولاد سے ھے۔

(ماخوذ از فٹ نوٹ "تذکرۂ صوفیائے سندھ" نمبر ۱ صفحہ ۲۶۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ عبدالقدوس گنگوھی اور ان کی تعلیمات)

۱۔ شیخ رکن الدین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے دوسرے صاحبزادے تھے، یہ ۵ جمادی الاولی ۸۸۷ ھ کو شاہ آباد ضلع کرنال میں پیدا ھوئے۔ "اخبارالاخیار" میں ھے کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

حسبِ عادت رات کو کئی کئی مرتبہ وضو کے لیے اٹھتے - آخر عمر میں عین موسمِ سرما میں باریک پیرہن پہنے ہوئے بیت الخلاء تشریف لے جاتے اور وہاں دیر لگ جاتی - یہ دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ اگر آپ نیم آستین پہن لیا کریں تو اچھا ہو ، کیوں کہ ضعف کا زمانہ ہے اور سردی بہت ہے۔ چنانچہ آپ سے عرض کیا گیا ، فرمایا سرما ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے -

حضرت عبدالقدوس گنگوھی کی محویت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوے ایک اور جگہ شیخ رکن الدین نے لکھا کہ وفات سے کچھ سال پہلے ایک روز آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے ، پائے مبارک میں لغزش ہوئی، آپ کو سہارا دیا گیا اور عرض کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اچھی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹ کا)

شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے اولاد بہت ہوئی ، آپ کے صاحبزادے سب کے سب عالم ، عبادت گزار اور مشائخ کے لباس میں ملبوس تھے ، خصوصاً ان میں شیخ رکن الدین نہایت متبّرک بزرگ اور مشرب فقر و محبت سے موصوف تھے اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے -

شیخ رکن الدین نے علوم درسیہ کی تعلیم شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین ، سیداحمد حسینی ملتانی اور شیخ ابراھیم معین حسین ایرجی سے حاصل کی اور اپنے والد سے سلسلۂ چشتیہ اور دوسرے طریقوں کی تعلیم حاصل کی اور طریقۂ قادریہ ابراھیم بن معین ایرجی سے حاصل کیا اور اپنے والد کی وفات کے بعد گنگوہ میں متولی ہوئے- شیخ رکن الدین نے ۹۸۲ ھ (۱۵۷۴ع) میں گنگوہ وفات پائی - ان کے خلفاء حضرت مجدد الف ثانی کے والد حضرت شیخ عبدالاحد سرھندی تھے - شیخ رکن الدین کی قبر گنگوہ میں اپنے والد کی قبر کے متصل جانبِ جنوب واقع ہے - (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوھي اور ان کی تعلیمات صفحہ ۴۹۷ - ۵۰۶) -

قیام نہیں فرما سکتے ۔ آپ نے فرمایا فنا کی موجیں وقتاً فوقتاً آتی ہیں اور مجھے ہوش میں نہیں آنے دیتیں ۔

تقریباً یہی کیفیتیں اخوند پنجو بابا پر بھی طاری تھیں ، چہرہ عشقِ الٰہی سے گل رنگ رہتا تھا۔ سخت سردیوں کے زمانے میں بھی صرف ململ کا ایک کرتا پہنتے ۔ آپ کے ایک مقرب میاں علی بابا کا بیان ہے کہ میں انتہائی سرما کے زمانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک باریک کرتا پہنے ہوئے اور ایک عمامہ باندھے ہوئے تھے(۱)

اخلاق :

آپ کے آئینۂ اخلاق میں سخاوت اور استغنا کا وصف سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ، سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ کوئی حاجت مند آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا ۔ استغنا و بےنیازی کی یہ کیفیت تھی کہ امراء و حکام کے تحفے قبول نہ فرماتے تھے ۔ شاہانِ مغلیہ نے کئی مرتبہ لنگر کے مصاف کے لیے کچھ پیش کرنا چاہا مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا ۔ (۲)

شاہان وقت کی عقیدت :

شاہانِ وقت کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ۹۲۳ھ میں جب پیر روشان نے مغل حکومت کے خلاف شورش کی ، جس کی تفصیل ہم پیر روشان کے حالات میں لکھ چکے ہیں تو خود سلطان جلال‌الدین اکبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا ۔ اس وقت آپ کھجور والی مسجد میں مقیم تھے ، آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی (۳)

معمولات :

آپ کے روز و شب کے معمولات یہ تھے کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک ذکر میں مصروف رہتے ، دوپہر تک حبس دم اور دیگر

---

۱ ۔ ماخوذ از ''تذکرۂ مشائخ و علماء سرحد'' ۔ صفحہ ۱۹

۲ ۔ ایضاً صفحہ ۲۰

۳ ۔ ایضاً صفحہ ۲۲

اوراد و وظائف پڑھتے ، نماز ظہر کے بعد تھوڑی دیر قیلولے کے بعد طلبہ کو درس دیتے ، عصر سے مغرب تک صلوٰۃ الوسطیٰ میں مشغول رہتے ، مغرب کی نماز کے بعد درس قرآن مجید دیتے ، عشاء کی نماز کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں مشغول ہو جاتے ، اس طرح آپ کا تمام وقت یادِ الٰہی اور اطاعتِ رسول میں گزرتا تھا (۱)

فضائل و مناقب :

''صاحبِ خزینۃ الاصفیاء'' مفتی غلام سرور لاھوری نے آپ کے حالات کے ضمن میں لکھا ھے کہ شیخ پنجو پشاوری اگرچہ گوجر قوم سے تھے ، لیکن اپنے وقت کے مشائخین کاملین میں تھے ، عبادت و عشق میں غرق اور اھل چشت کے طریقے کو پھیلانے میں سر گرم عمل اور ساعی رہتے تھے - ان کا طریقہ مولانا درویزا پشاوری کے طریقے کے مطابق تھا ، وہ ان کی تصنیف ''مخزن الاسلام'' کو بہت عزیز رکھتے تھے اور لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے تھے - اگرچہ افغانی زبان میں گفتگو کرتے ، لیکن فارسی زبان میں شعر کہتے اور ھندی (اردو) میں گفتگو فرماتے تھے - ان کے مریدوں میں مولانا چالاک میانہ ، شیخو شاھجہانپوری اور شیخ علی وغیرہ مشہور ھیں جنھوں نے علومِ دینی سے آپ کی خدمت میں رہ کر بڑا حصہ حاصل کیا تھا (۲)

وفات :

آپ عہدِ شاھجہانی میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ع) میں واصل الی اللہ ھوئے - آپ کی تجہیز و تکفین میں میاں عثمان اخون سالک کابگرامی میاں علی بابا اور حضرت شیخ رحمکار جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے (۳)

آپ کے صاحبزادے عثمان میاں کے مشورے کی بنا پر آپ کو اکبرپورے

---

۱ - ماخوذ از ''تذکرۂ مشائخ و علماء'' سرحد - صفحہ ۱۹ -
۲ - ''خزینۃ الاصفیاء'' جلد اول - صفحہ ۴۷۹ تا ۴۸۰
۳ - تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد - صفحہ ۲۴

کے قریب مصری پورہ میں دفن کیا گیا ، جہاں آج بھی آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے (۱)

مزار :

آپ کا مزار مبارک پہلے بالکل سادہ بنا ہوا تھا ، لیکن ۱۲۲۲ھ میں پشاور کے رہنے والے ایک صاحب مصطفیٰ نامی نے اسے پختہ تعمیر کرایا اور اس پر سنگ مرمر کا کتبہ نصب کرایا ۔ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں اس مزار کو توڑا ۔ شمس العلما قاضی میر احمد رضوانی اکبرپوری نے لوح مزار کے یہ چند شعر نقل کیے ہیں ، جن سے اس مزار کی تعمیر کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے ،

حامیٔ ملت رسول اللہ
شیخ پنجو اخون جی با با
قطب دوران و غوث خلق خدا
چیدۂ صاحبان صدق و صفا
الف درصد و بست و یک بالا

شد معمّر مزار او والا

انگریزوں کے عہد میں اس مزار پرگنبد کی تعمیر ہوئی(۲)

اولاد :

حضرت اخوند پنجو با با نے اپنے بعد چار صاحبزادے چھوڑے ، جن کے نام یہ ہیں : (۱) عثمان میاں (۲) سلیمان میاں (۳) لقمان میاں (۴) فرید الدین میاں ، ان میں سے صرف سب سے چھوٹے صاحبزادے فرید الدین میاں لاولد تھے ، باقی تینوں صاحبزادوں کی اولاد عثمان خیل ، لقمان خیل ، سلمان خیل اور میاں گان کے نام سے موسوم ہے اور یہ خاندان ، گجرات ، حمزہ کوٹ ، ادینہ ، اسماعیلیہ ، چمکنی ، ماشو ، خوش مقام ، اتمان زئی ، نامی مواضعات میں آباد ہیں ۔ (۳)

خلفاء :

آپ کے خلفاءکی تعداد کثیر ہے ، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔
(۱) **علی خاں :** یہ آپ کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ، حضرت

---

۱ ۔ سلسلۂ اولیاء سرحد نمبر ۱۸ مولفۂ نصراللہ خاں نصر
۲ ۔ ایضاً ۔
۳ ۔ ایضاً ۔

اخوند پنجو بابا ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے ، اور پیر روشان کے مریدین کے مقابلے کے لیے ان کو بھیجتے تھے ۔

(۲) **آبک صاحب :** یہ حضرت شیخ رحمکار کے والد ماجد تھے ، انھوں نے بھی حضرت اخوند پنجو با با سے بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا ۔

(۳) **بوڈا بابا :** یہ بھی حضرت اخوند پنجو با با کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ، ان کا اصل نام تو عبدالغفور تھا ، لیکن مشہور بوڈا با با سے تھے ۔ ترکستان سے پشاور آ کر حضرت اخوند پنجو با با کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ بتیس سال تک شب و روز عبادت میں مصروف رہے اور یہیں وفات پائی ۔ ان کا مزار موضع کوچی میں شل گزی با با کے مقبرے میں واقع ہے ۔ ان کی تصانیف میں اخوند پنجو با با کے مناقب مشہور ہیں ۔

ان کے مریدوں میں صاحب مہمند اور موضع شیخاں کے اخوند صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

(۴) **اخوند سالاک ۔** یہ بزرگ بھی ترکستا ن کے رہنے والے تھے ۔ وہاں سے ترک وطن کرکے سابق صوبۂ سرحد میں آ کر علاقۂ چغرزئی میں آباد ہوئے حضرت اخوند پنجو بابا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ صاحب تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں فتاویٰ غربیہ ''بحرالانساب'' اور غزویہ مشہور ہیں ۔

(۵) **اخوند سباک :** یہ اخوند سالاک کے بھائی تھے اور حضرت اخوند پنجو با با کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ انھوں نے علاقۂ سدوم بھڑوچ بانڈے میں وفات پائی ۔ وہیں آپ کا مزارُپر انوار مرجع خلائق ہے ۔

عرس

حضرت اخوند پنجو با با کا عرس ۲۷ ، ۲۸ رجب کو ہر سال بڑے اہتمام سے منعقد ہوتا ہے (۱)

---

۱ ۔ خلفاء کی یہ تمام تفصیل سلسلۂ اولیائے سرحد نمبر ۱۸ مؤلفۂ نصر اللہ خاں نصر سے ماخوذ ہے ۔

(٦)

حضرت اخوند درویزا

حالات : جن بزرگوں نے مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں رشد و ھدایت اور اسلامی تعلیمات کو پھیلایا اور جن کی تبلیغی کوششوں نے اس علاقے میں عرفان و ھدایت کے نور کو عام کیا ان میں حضرت اخوند درویزا کو خاص اھمیت حاصل ھے ۔ انھوں نے اس علاقے میں قدیم صوفیاء کے طرز پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا ، اور اپنی زبان و قلم سے عین اس وقت شمع رشد و ھدایت روشن کی ، جب کہ اس علاقے کے مسلمان ایک نہایت ھی نازک دور سے گزر رھے تھے ، مذھب کی روح اوھام کے تار و پود میں تبدیل ھو رھی تھی ۔ ان کی کتابوں کا پڑھنے والا یہ جانتے ھوئے بھی کہ ان میں شدید دینی جذبہ ھے اور انھوں نے اپنی تحریروں میں ھر اس شخص کا جو ان کے عقائد سے ذرا بھی ھٹا ھوا تھا نہایت ھی حقارت سے تذکرہ کیا ھے ، ان کے خلوص نیت اور ان کے جذبۂ ایمانی سے انکار نہیں کر سکتا ۔ اس علاقے میں سلسلۂ چشتیہ(۱) صابریہ کو انھوں نے احیاء بخشا ، اور وہ آخر

---

۱ - سلسلۂ چشتیہ کی وجہ تسمیہ یہ ھے کہ افغانستان کے ضلع ھرات میں ایک قصبہ ھے چشت ، جہاں کچھ بزرگان دین نے مل کر تزکیۂ نفس اور تربیت باطن کا ایک مرکز قائم کیا تھا ، جسے آیندہ چل کر بڑی شہرت حاصل ھوئی ، اس نظام کی وجہ سے اس سلسلے کو بھی سلسلۂ چشتیہ کہنے لگے ، ''شجرۃالانوار'' میں ھے کہ

وآں دو مقام اند، یکے شہرے | چشت نام کےدو مقام ھیں، ایک

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲٦ پر)

وقت تک احیائے ملت اور احیائے کلمة الحق میں مشغول رہے ۔

حضرت اخوند درویزا رحمۃاللہ علیہ حضرت میر سید علی غو"اص کے خلفاء میں تھے ، جنھوں نے حضرت شیخ نظام‌الدین بلخی(۱) سے خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵ کا)

ست درمیان ولایت خراسان	شہر ہے خراسان میں ہرات کے
قریب ہرات ، وچشت دوئم	قریب ، دوسرا چشت ہندوستان میں
دیہہ ست درولایت‌ہندوستان	آچ اور ملتان کے درمیان واقع ہے ،
درمیان اچھ و ملتان ، و	خواجگان چشت خراسان کے چشت
خواجگان چشت از چشت	سے تعلق رکھتے ہیں ۔
خراسان بوده اند	

خواجہ ابو اسحاق شامی (متوفی ۳۲۹ھ) پہلے بزرگ ہیں ، جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں لفظ چشتی ملتا ہے ۔ یہ سلسلہ بابا فرید گنج شکر کے بعد دو سلسلوں میں تقسیم ہو گیا ، حضرت خواجہ نظام‌الدین اولیاءکے سلسلے کے مریدچشتیہ نظامیہ کہلائے اور حضرت مخدوم علاؤالدین صابر کے سلسلے کے مرید چشتیہ صابریہ کہلائے (''تاریخ مشائخ چشت'' ۔ صفحہ ۱۳۵)

۱ ۔ حضرت شیخ نظام الدین بلخی حضرت شیخ جلال تھانیسری کے جلیل‌القدر خلفاء میں تھے ، اور وہ خلیفہ تھے سلسلۂ صابریہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ۔ اس طرح تین واسطوں سے حضرت اخوند درویزا کا سلسلۂ طریقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے ، شیخ نظام‌الدین تھانیسری ثم بلخی نے حضرت شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء میں غیر معمولی شہرت حاصل کی ۔ ان کے والد کا نام عبدالشکور تھا ، آن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۷ پر)

حاصل کی تھی اور جو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے جلیل القدر شیوخ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)

''خزینۃ الاصفیاء'' میں ھے کہ خواجہ نظام‌الدین ہندوستان کے اولیاء میں تصرف ظاھری‌وباطنی میں جامع کمالات صوریہ‌ومعنویہ تھے - انھوں نے حضرت جلال تھانیسری کے دست حق پرست پر بیعت کرکے ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا - حضرت خواجہ نظام الدین نے اگرچہ علوم ظاھری کی تعلیم باقاعدہ کسی استاد سے حاصل نہیں کی تھی ، یہاں تک کہ آپ کا ھاتھ قلم سے بھی آشنا نہ تھا ، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو علم لدنّی سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور ان پر علوم ظاھری و باطنی کے اسرار منکشف تھے ، وہ سلسلۂ چشتیہ میں ایک خاص مشرب رکھتے تھے ، صاحب تصانیف تھے ، جو کچھ ان پر منکشف ھوتا ، ان کو اپنے رسائل میں لے آتے ، ان کی تصانیف میں شرح لمعات، ''رسالہ حقیقت بیان'' ''ھفت بطن''، تفسیر ریاض القدس اور رسالہ بلخیہ وغیرہ مشہور ھیں (''خزینۃالاصفیاء'' جلد اول)

صاحب ''حدیقۂ داؤدی'' نے ان کی جلالت شان کو ان الفاظ میں سراھا ھے -

قطب المحققین و تاج الموحدین حضرت شیخ نظام‌الدین قدس سرہ نام پدر بزرگش غریق دریائے نور شیخ عبدالشکور بودہ ، و نشو و نمائش از بلدۂ تھانیسر است ، و نسبتش در طریق تصوف بقطب باکمال حضرت شیخ جلال تھانیسری خلیفۂ اجل قطب‌الاقطاب حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی قدس سرھما وھم نسبت اجداد شریفش و اجداد قطب باکمال حضرت شیخ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸ پر)

ہیں - اگرچہ ہماری رائے میں یہ امر غور طلب ہے کہ حضرت سیدعلی غوّاص کس کے خلیفہ تھے ، اور ان کے پیر کون تھے ، ہم آیندہ اوراق میں اس پر بحث کریں گے -

---

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ

جلال بیگ جامی رسد (دیباچۂ "حدیقۂ داؤدی" قلمی - تالیف غلام عبدالقدوس ابن شیخ محمد یوسف عثمانی مملوکہ صوفی بشیر احمد قدوسی)

شیخ نظام الدین اپنے مرشد حضرت شیخ جلال کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے - ان کے کمال و کرامت کا غلغلہ اس قدر بلند ہوا کہ جہانگیر ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا - اکبر نے ۱۰۱۴ھ (۱٦۰۵ع) میں وفات پائی ، اور جہانگیر تخت پر بیٹھا تو اس کا لڑکا خسرو باپ سے باغی ہوکر اکبر آباد سے پنجاب کی طرف بھاگا ، راستے میں تھانیسر پڑتا تھا ، وہ شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہؤا شیخ نظام الدین نے اسے ہر چند سمجھایا ، مگر وہ نہ مانا اور بیاس کی طرف چلا گیا - شیخ کے معاندین نے جہانگیر کو بھڑکایا کہ شیخ نظام الدین خسرو کی سلطنت کے لیے دعا کر رہے ہیں ، جہانگیر نے رنجیدہ ہوکر حکم جاری کیا کہ شیخ ہندوستان چھوڑ دیں ، اور پھر واپس نہ آئیں - شیخ نظام الدین پہلے مکہ معظمہ حاضر ہوئے ، اور حج ادا کرنے کے بعد مدینۂ منورہ تشریف لے گئے ، اور چند سال وہاں قیام فرمایا - وہیں انہوں نے شرح لمعات تصنیف کی ، پھر بلخ روانہ ہوئے ، اور وفات تک بلخ ہی میں مقیم رہے - بلخ کا بادشاہ امام قلی خاں ازبک ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا - ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹ پر)

حضرت اخوند درویزا کی جلالت شان اور علم و فضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ریورٹی جس کا شمار پشتو ادبیات کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے ، اس کا بیان ہے کہ افغانوں میں سب سے مشہور اور عالم بزرگ حضرت اخوند درویزا ہی ہیں -(۱)

صاحب ''خزینۃالاصفیا'' ان کے محامد و مناقب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''جمال ولایت خود را در پردۂ تدریس و تعلیم و کلامے پوشیدہ می داشت'' -(۲)

خاندان : اخوند درویزا اگرچہ پٹھان نہ تھے ، لیکن وہ ایک عرصے تک قبیلۂ یوسف زئی ، اور علاقۂ یوسف زئی میں مقیم رہے - خود ان کے بیان کے مطابق ان کے بزرگوں میں سے سب سے پہلا شخص جو لمغان کی جانب سے ننگھار آیا وہ جیون بن جنتی تھا - وہ اپنے آبائی نسب کے سلسلے میں اپنے اجداد کا تعلق تاجک ترکوں سے ، اور اپنے مادری شجرۂ نسب کو سلاطین بلخ سے ملحق کرتے ہوئے اور سکندر ذوالقرنین سے ملاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

سماع است از قدمائے خویش رحمہم اللہ تعالی کہ در آیام ماضی جیون بن جنتی نام شخصے از جانب لمغان بحدود ننگرھار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸)

فیض تربیت سے تقریباً سو طالبان حق کمال کو پہنچے -

شیخ نظام الدین ۸رجب ۱۰۲۶ھ (۱۶۲۶ع) کو بلخ ہی میں واصل الی اللہ ہوئے - ان کے خلفا میں شیخ ابوسعید گنگوھی ، شیخ ولی محمد نارنولی ، شیخ پایندہ بنوری ، سید اللہ بخش لاھوری بکھری ، شیخ عبدالکریم لاھوری اور میر سید علی غواص مشہور ہیں - (''خزینۃ الاصفیاء'' جلد اول ص ۳۶۳ تا ۳۶۶)

۱ - رود کوثر صفحہ ۳۶۳

۲ - ''خزینۃ الاصفیاء'' - جلد اول - صفحہ ۱۷۳

درآمدہ مع اہل وعیال و توابع و اموال دردرۂ سہمند کہ آن درہ ایست از درہائے ننگرہار ، و رودے است از رود ہائے آں دیار نزول نمودہ و سکونت فرمودہ متوطن گشت ، اما از انساب او از قدما ما برآنند کہ بمردم ترک بازمیگیردد و میگویند قرابتے مادری مالبسلاطین بلخ باز می گردد (۱)

میں نے اپنے بزرگوں رحمہم اللہ تعالی سے سنا ہے کہ گذشتہ زمانے میں جیون بن جنتی نام کا ایک شخص لمغان سے حدو ننگرہار میں اپنے اہل و عیال ، متعلقین اور ساز و سامان کے ساتھ آیا ، اور درۂ مہمند میں جو ننگرہار کے دروں میں سے ایک درہ ہے ، اور جو ایک ندی ہے ان شہروں کی ندیوں میں سے وہاں اترکر سکونت اختیار کی اور متوطن ہوگیا ۔ اس کے نسب کے بارے میں ہمارے قدماء اس پر ہیں کہ اس کا نسب ترک خاندان پر منتہی ہوتا ہے ، اور کہتے ہیں کہ ہمارا مادری سلسلۂ نسب سلاطین بلخ تک پہنچتا ہے ۔

اپنی والدۂ محترمہ کے سلسلۂ نسب پر وہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

والدۂ عفیفہ مستورہ عابدۂ فقیر قراری نام بنت نازو خاں بن ملک داور پائی بن ملک بابو بن سلطان قران بن سلطان خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان بھر اتم بن سطان کہجا من بن سلطان ہندو بن سلطان جرس بن سلطان جار سماع است کہ

اس فقیر کی والدۂ عفیفہ پردہ نشین ، عبادت گزار کا نام قراری تھا ، جو نازوخاں بن ملک داور پائی بن ملک بابوبن سلطان قران بن سلطان خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان بھرا تم بن سلطان کہجامن بن سلطان ہندو بن سلطان جرس بن سلطان جار

۱ - ''تذکرۃالابرار والاشرار'' صفحہ ۱۰۶ -
۲ - ایضاً صفحہ ۱۱۳-۱۱۴

سلطان جبار از اولاد ِ سلطان شموس کی بیٹی تھیں ، سنا گیا ہے کہ سلطان
است، سلطان شموس پسرے بود جبار، سلطان شموس کی اولاد سے ہے،
از پسران ِ سکندر ذوالقرنین(۲) اور سلطان شموس سکندر ذوالقرنین
کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا تھا ۔

کچھ دن کے بعد جیون بن جنتی کے اختلافات مہمندوں سے شروع ہوئے ۔ ان اختلافات کی تفصیل بتاتے ہوے حضرت اخوند درویزا لکھتے ھیں کہ ان کے جد ِ اعلیٰ جیون بن جنتی سفید ریش اور گھنی داڑھی والے بزرگ تھے ، ساتھ ھی دولت مند اور سخی بھی تھے جب انھوں نے ننگھار میں مہمندی قبیلے کے لوگوں میں سکونت اختیار کی تو ایک جشن ِ عظیم منعقد کرکے تمام لوگوں کو ایک عام دعوت دی ، لیکن اس قبیلے کے لوگوں نے ان کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا کہ جب وہ کھانا کھا کر اٹھے تو ان میں سے ایک نے استہزآء اپنے کھانے کے بھرے ہوئے ھاتھوں سے ان کی داڑھی پکڑلی ۔ جیون نے ناراض ھو کر اس کا استغاثہ سلاطین ِ بلخ سے کیا ۔ سلاطین ِ بلخ نے ان کی حمایت میں کچھ لوگوں کو بھیجا ، جنھوں نے مہمندوں کی گوشمالی کرکے ، اس علاقے کو اپنی حکومت کے تحت لے لیا ۔ اس وقت سے آج تک یہ ریاست اولاد ِ جیون کے پاس ھے(۱) جیون کے سات بیٹے تھے، ان میں سے ایک کا نام متہ تھا، متہ کے بیٹے کا نام احمد اور احمد کے بیٹے کا نام درغان تھا ۔

درغان کی موضع پابینی میں اقامت :

یہی درغان علاقۂ مہمند سے نکل کر علاقۂ یوسف زئی میں آیا ، اور موضع پابینی میں سکونت اختیار کی ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ یوسف زئی سوات پر اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں تھے اور درغان کا بیٹا سعدی بھی ان کے ساتھ تھا ۔ جب شیخ ِ ملّی نے

---

۱ - ''تذکرۃالابرار والا شرار'' - صفحہ ۱۰۶ ۔

سوات کی زمین کی تقسیم شروع کی تو سعدی کو بھی دوسرے تیس افراد کے ساتھ قبیلہ ملی زئی کے ساتھ اراضی دے دی گئی - سعدی جو کہ عبادت و سخاوت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھا ، اس نے اس علاقے میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی ، لیکن جب مغلوں نے یوسف زئیوں کے خلاف یورش کی ، اور امیر قودانی نے سواروں کے دستے کے ساتھ اس علاقے کو تاخت و تاراج کیا - اس کے بعض سواروں نے اس غلط فہمی کی بنا پر کہ وہ بھی یوسف زئی ھے ، سعدی کو بھی شہید کر دیا

آخوند درویزا کے والد کی گرفتاری اور رھائی :

اور سعدی کے صاحبزادے گدائی کو جو حضرت اخوند درویزا کے والد ھیں مع ان کے خاندان کے افراد کے گرفتار کر لیا - جب حاکمِ وقت نے لشکریوں سے سعدی کے متعلق دریافت کیا اور اسے معلوم ھوا کہ وہ شہید ھوچکے ھیں تو اسے بے حد افسوس ھوا اور اس نے لشکریوں کو سخت زجر و توبیخ کرکے گدائی اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو رھا کر دیا -

اس لڑائی کے بعد گدائی نے مہمندزئی کے علاقے میں سکونت چھوڑ کر چغرزئی کے قبیلے اسماعیل خیل میں جاکر سکونت اختیار کرلی ، جہاں ان کو اور ان کے دس ساتھیوں کو اس قبیلے کے لوگوں نے کچھ زمین دے دی (۱)

اخوند درویزا کا نام :

حضرت اخوند درویزا کی ولادت اور مقامِ ولادت کے متعلق کوئی تفصیل ھمیں نہیں ملتی - مولوی رحمان علی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ''تذکرۂعلمائےھند'' میں ان کا سنہِ ولادت ۹۴۰ھ(۱۵۳۳ع) لکھا ھے - اس کا بھی صحیح پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اخوند درویزا کا اصل نام کیا تھا - انھوں نے اپنی کسی تصنیف و تحریر میں اپنا اصل نام ظاھر نہیں کیا -

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ'' ۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷ سے ماخوذ ھے -

ان کے تمام تذکرہ نویس انھیں ''اخوند درویزا'' ھی کے لقب سے یاد کرتے ھیں ۔
''یوسف زئی پٹھان'' کے مؤلف اللہ بخش صاحب یوسفی نے اس ضمن میں اظہارِ خیال کرتے ھوئے لکھا ھے کہ ظاھر ھے کہ اخوند اور درویزا دونوں القاب ھیں ، اول الذکر علّامہ کے مترادف ھے ، اور موخرالذکر اس وجہ سے مشہور ھوا کہ طلباء کو محلے یا گاؤں کے گھروں سے آواز دے کر وظیفہ (سامانِ خوراک) دینے کی رسم انھوں ھی نے جاری کی تھی اور اس وقت تک پشاور اور مردان کے بعض علاقوں میں مساجد کے طلباء ''وظیفہ لاؤ ایماندارو'' کی جو آوز دیتے ھیں ، وہ انھیں اخوند درویزا کی رسمِ کہن کی یادگار ھے ۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' کا مقالہ نگار ان کا نام عبدالکریم لکھتا ھے ، یہی نام اخوند درویزا کے بیٹے کا بھی تھا ، اس وجہ سے ھوسکتا ھے یا تو دونوں ھمنام ھوں ، یا مقالہ نگار دونوں میں تمیز نہ کرسکا ھو (۱)

بچپن :

اپنے بچپن کے حالات پر روشنی ڈالتے ھوئے اخوند درویزا لکھتے ھیں کہ میں نے زمانۂ طفولیت ھی سے فطرۃً زھد و ریاضت کی طرف میلان پایا تھا ، میں نے اپنے بچپن سے لے کر اِس وقت تک اس رجحان میں کوئی کمی محسوس نہیں کی ، بلکہ اس میں ایک زیادتی ھی محسوس کی ھے ۔ میں ابھی بچہ ھی تھا اور حال وکیفیات کا مجھے شعور نہ تھا ، اس وقت بھی میرے شب و روز گریۂ و زاری میں گزرتے تھے ، اکثر اوقات مجھے گریہ و زاری میں دیکھ کر میری والد میرے طمانچے مارتی تھیں ، کبھی کبھی تو شدت گریہ سے میری جان پر بن جاتی تھی اور میں اس کی کوئی تعبیر نہیں کر سکتا کہ مجھے یہ رونا کیوں آتا ھے اور کیا یہ رونا عذاب تنگئ قبر کے ڈر کی وجہ سے ھے ۔ یہاں تک کہ میں نے کچھ اور ھوش سنبھالا ۔ اب میں راتوں کو عبادت کرتا ، دنوں کو روزے رکھتا اور ھمیشہ باوضوء رھتا ، اور شرعی اوامر و نواھی کی شدت سے پابندی کرتا ، یہاں تک کہ مجھ

---

۱ - ''یوسف زے پٹھان'' ۔ تالیف اللہ بخش یوسفی - صفحہ ۲۷۸

کو تزکیۂ بدن اور تصفیۂ قلب حاصل ہوگیا ۔ میں اور بھی امور دین میں اہتمام کرنے لگا ، جس کی بدولت میں صفائی باطن میں ترقی کرتا جاتا تھا ، یہاں تک کہ میں بلوغ کی حدتک پہنچ گیا ۔ چون‌که تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی بنیاد علم پر ہے ، اور جاہل واردات شیطانی اور رحمانی میں فرق نہیں کرسکتا ۔ میں بھی ان واردات میں کوئی فرق نہ کرسکتا تھا ، بلکہ تمام واردات قلبی کو حقانی جانتا تھا ، یہاں تک کہ میں افغانوں کا کامل و مکمل شیخ ہو گیا ۔

اپنے استاد کے سامنے ایک پشینگوئی :

آسی زمانے میں ایک دن میرے استاد ملاسنجر پایینی نے مجھ سے کہا کہ آج کل ترکلانی قبیلے کے لوگوں نے ، چکاں سرائے قبیلے کے لوگوں کو قلعہ بند کر رکھا ہے معلوم نہیں کہ ان کا کیا انجام ہوگا ۔ میں جانتا تھا کہ میرے استاد محترم چکاں سرائے قبیلے کے لوگوں کی فتح کے لیے رجحان رکھتے ہیں ، میں نے دل میں اس پر غور کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ چکان سرائے ایک موضع ہے جو دو دریاؤں کے درمیان ہے ، حالانکہ میں نے کبھی موضع چکاں سرائے نہ دیکھا تھا ۔ پھر میں نے اس کے کچھ اور علامات بیان کیے ۔ میرے استاد نے کہا کہ تم نے صحیح کہا ، پھر میں نے کہا کہ ترکلانی کے لوگوں نے شکست کھائی ، چنانچہ جب ان کے شکست کی خبر ہمارے ہاں پہنچی ، تو ان کی شکست کا وقت وہی تھا ، جس وقت میں نے کہا تھا ۔

تحصیل علم باطنی :

اس کے بعد میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا ، اور تھوڑی ہی مدت میں میں حقانی اور باطل واردات میں امتیاز کرنے لگا ۔ اب علم نے میری طبیعت کو طریقۂ سنت میں ڈھالا ، اور اسی وجہ سے جاہل افغانوں کی محبت ، عداوت میں تبدیل ہوگئی ، کیونکہ ان کی طبیعتیں ہوائے نفس کی تابع تھیں ، یہاں تک کہ جہال میری حق باتوں کو تعجب سے سنتے اور آپس میں کہتے کہ فلاں ملاّ ایسا کہتا ہے اور یہ یہ کہتا ہے ، اور اہلِ سنتِ میری باتوں کو سن کر میرے

ساتھ محبت سے پیش آتے اور میری باتوں پر آفرین کہتے - یہاں تک کہ اس وقت تک جب کہ میری ملاقات میرے شیخ (سید علی غواص) سے ہوئی میں نے اہل دنیا اور جاہِ دنیا سے اس قدر پرہیز کیا کہ میرا آئنۂ قلب آئینے کی طرح غبار اور زنگ سے صاف ہو گیا - میں جاہ سے اس قدر احتراز کرتا تھا ، کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے دوست سے اس کے خطرۂ قلب کو بیان کر دیا - میرے دوست نے اسے میرا کشف سمجھا ، میں نے قسم کے ساتھ اس سے کہا کہ مجھے کوئی اطلاع تمھارے اس دلی معاملے کی نہ تھی بلکہ یہ جو کچھ میں نے تم سے کہا بالکل ایک اتفاقی امر تھا - اس طرح میں نے اس کے ظن کو دور کیا ، تا کہ یہ واقعہ میری جاہ طلبی کا سبب نہ بن سکے(۱) -

تحصیل علم اور پہلا استاد : اپنے تحصیل علم کے واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ ایک روز میں بنیر میں اپنے دوستوں کے ساتھ کوہ جعفر کے مشرق جانب جا نکلا ، اور ایک درخت کے نیچے مکین گاہ میں شکار کے انتظار میں بیٹھ گیا - میں تیر کو ظاہرا طور پر کمان میں چڑھائے ہوئے تھا ، لیکن میری روحی توجہ اس سے غافل تھی - میں اسی حال میں تھا کہ دو سفید ریش شخص عصا ہاتھ میں لیے پہاڑ پر سے اتر کر اچانک میرے سامنے آئے ، اور انھوں نے کہا احسن الخالقین و رب العالمین - یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئے - چونکہ میں اس وقت تک الف ب بھی نہ جانتا تھا ، مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انھوں نے کیا کہا ، لیکن یہ بات مجھے یاد رہی ، اور میں نے اس کا تذکرہ اپنے استاد مخدومی ملا مصر احمد سے کیا ، جو سید محمود ولی بخاری کی اولاد میں تھے - انھوں نے پوری کیفیت سن کر فرمایا کہ اے فرزند دلبند ! میں نے رات خواب میں دیکھا کہ تم ایک خطرناک دریا میں غرق ہو رہے ہو ، ہر چند میں نے تم کو اس دریا سے نکالنے میں

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' کے صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶ سے ماخوذ ہے -

ھاتھ پاؤں مارے ، لیکن میں جتنے بھی ھاتھ پاؤں مارتا تھا اُتنے ھی تم غرق ھوتے جاتے تھے ، یہاں تک کہ میں تم کو نہ پا سکا ۔ میری والدہ اس خواب کی تعبیر کو سوچ کو بہت پریشان ھوئیں ، اور خوف زدہ ھو گئیں ۔ حضرت مخدومی مُلاّ مصر احمد نے فرمایا کہ میرے اس خواب کی تعبیر اور تمہارا مشاھدہ آپس میں تطابق رکھتے ھیں ، اگر تم نے طلب علم میں کوشش کی تو تم اس بلند مرتبے پر فائز ھو گے کہ ھم سے اور اپنے زمانے کے اکثر علماء سے سبقت لے جاؤ گے ۔ یہ سن کر اسی وقت میری والدہ نے تھوڑا سا میوہ حضرت مولانا مصر احمد کی خدمت میں پیش کیا ، اور حضرت مُلاّ مصر احمد نے ایک تختے پر حروف تہجی لکھ کر مجھے دے اور مجھے پڑھانا شروع کیا ۔ اسی دن میں نے نماز عشاء تک سات مرتبہ قواعد حروف تہجی کو سیکھ لیا ، آٹھویں مرتبہ میں نے ابجد کو پڑھا ، یہاں تک کہ میں نے سمجھ لیا کہ احسن الخالقین و رب العالمین کا یہ کلمہ کلمات علم میں سے تھا اس کے بعد ھر روز میں دو سورتیں پڑھتا ، یہاں تک کہ میں نے سورۂ فجر ختم کی ، پھر میں ھر روز ایک سورۃ پڑھتا ، یہاں تک کہ میں نے ایک سال میں پورا قرآن مجید چند کتابوں کے ساتھ پڑھ لیا ، یہاں تک کہ مخدومی مصر احمد مجھ سے تحصیل علم کرنے لگے ۔ خدا کا فضل میرے شاملِ حال تھا ، جو کچھ میں سنتا میرے حافظے میں پتھر کی لکیر ھو جاتا اور میں اسے نہیں بھول سکتا تھا ۔

زمانۂ طالب علمی میں خشیت الٰہی :

اپنی زمانۂ طفلی کی خشیت الٰہی کا تذکرہ کرتے ھوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا کہ یوں تو میں بچپن سے لے کر زمانۂ بلوغ تک ھمیشہ خوف الٰہی سے لرزاں و ترساں رھتا تھا ، لیکن جب میں علم حاصل کرنے میں مشغول ھوا تو میں نے اپنے اساتذہ مُلاّ مصر احمد وغیرہ کو اپنے سے بھی زیادہ خشیت الٰہی کی وجہ سے لرزاں و ترساں پایا ۔ ان کی خشیت کو دیکھ کر مجھ پر اتنا گھرا اثر پڑا کہ میری یہ حالت ھوگئی کہ بعض مرتبہ تو میں یہ سمجھتا تھا کہ خشیت الٰہی سے میری

جان نکل جائے گی۱ -

ملا جمال الدین سے تعلیم :

یہاں تک کہ جب میں ملّا جمال الدین ہندوستانی کی خدمت میں طلب علم کے لیے حاضر ہوا ، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگا ، تو میں نے وهاں کے شاگردوں کے حالات کو مختلف پایا - وہ اکثر اوقات متبسم و خنداں نظر آتے اور قہقہے لگاتے رہتے تھے ، اور آپس میں مذاقیہ باتیں کرتے رہتے تھے ، ان کے قلب میں خوف ، خطرۂ قیامت اور مرنے کا خوف کم دیکھنے میں آتا تھا -

شیخ سید علی ترمذی کی خدمت میں حاضری :

اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی کی خدمت میں حاضری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میرے استاد ملا سنجر از راہِ شفقت مجھے شیخ الاسلام و المسلمین ، امام المومنین ، سراج الاُمتین شیخ علی ترمذی علیه الرحمه و الغفران کے مکان پر لے کر حاضر ہوئے - میں نے ملاقات کے بعد حضرت سے اپنے حالات و کشف و کرامات کو بیان کیا - حضرت سید علی نے ہنس کر فرمایا اب تو تم افغانوں کے پیر ہوگئے ہو ، لیکن یہ ٹھیک نہیں که ریاضت میں بغیر شیخ فانی کے اس قسم کا اقدام بسا اوقات گمراہی تک پہنچا دیتا ہے - مبتدی کو چاہیے که وہ شروع میں زہد و ریاضت اس طرح کرے که وہ اپنے گفتار و کردار میں رسول اکرم کا ہو بہو، متّبع ہو ، ورنہ وہ مردودِ دارین ٹھہرے گا ، اگرچہ اس کا عمل بظاہر مجاہدہ دکھائی دیتا ہو -

تجدید توبہ :

اس کے بعد میرے پیر حضرت سید علی نے کچھ اور موعظت و نصیحت کی باتیں فرمائیں ، یہاں تک کہ میں تجدید توبہ کے شرائط بجا

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' کے صفحہ ۱۱۹-۱۲۰- ۱۲۱ سے ماخوذ ہے

لایا ۔ توبہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد میرے پیر نے مجھے اوامر واجبانہ کا حکم دیا ، جیسا کہ ایام بیض کے روزے صلوٰۃ ، اوّابین ، اور پانچوں وقت کی نماز کو باجماعت ادا کرنا وغیرہ ۔ اگرچہ میں ان معاملات و عبادات میں پہلے سے ثابت قدم تھا ، لیکن میرے پیر نے بحیثیت پیر کے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ان باتوں کا حکم دیا تھا (۱) ۔

بیعت :

ایک مدت کے بعد میرے استاد مدقق اور خواجۂ محقق حاجی الحرمین ملا زنگی پابینی نے حضرت سید علی سے گذارش کرتے ہوئے کہا کہ اخوند درویزا آپ سے شغل و تلقین کا ارادہ رکھتا ہے ، اور وہ اس کا اہل بھی ہے ، امید ہے کہ آپ اس کو اپنی **بیعت** سے مشرف فرمائیں گے ۔ حضرت سید علی کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ عموماً تلقین ذکر سے احتراز کرتے تھے ، صرف خاص خاص ہی لوگوں کو تلقین فرماتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ ذکر امانت الٰہی ہے ، اس امانت کو اس کے اہل ہی کو دینا چاہیے ، اور اس کے اہل علمائے اتقیاء ہیں ، نہ کہ عوام و جہال کہ جو اس کے شرائط و لوازم کے پورا کرنے سے عاجز ہیں ، اور اس کی گرمی کو برداشت نہیں کرسکتے اور آخر ضلالت و گمراہی میں اور الحاد و بدعت میں جا پڑتے ہیں ۔ لیکن چونکہ خدا کا فضل میرے شامل حال تھا، حضرت شیخ نے بھی میرے استاد ملا زنگی کی بات سن کر فرمایا واقعی وہ اس کا اہل ہے ۔ پھر شرائط تلقین ادا کرانے کے بعد ظہر کے وقت آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خوب اچھی طرح غور کر کے بتلاؤ کہ کون سے وقت اگر تمھیں ذکر کی تلقین کی جائے تو وہ تمھارے قلب کی گہرائیوں میں اُتر سکے گا ۔ میں نے غور و فکر کے بعد عرض کیا کہ بعد نماز عشا مناسب ہوگا (۲) ۔

---

۱ ۔ "تذکرۃ الابرار والا شرار" ۔ صفحہ ۱۳۳

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۲۴

زھد و ریاضت؛

چنانچہ اس کے بعد چند دن کی حضوری نے مجھ میں یہ کیفیت پیدا کر دی کہ میں کھانے پینے ، سونے اور لوگوں کے میل جول سے بہت دور ھوگیا ۔ کبھی کبھی میں نیند میں ھوتا تھا ۔ اس نیند سے میرے جسم کو آرام ضرور ملتا تھا ، لیکن اگر اس جگہ کوئی بات کرتا تھا تو میں سونے میں بھی وہ ساری بات سن لیتا تھا ۔ میری نیند یہاں تک کمزور ھوگئی کہ اگر مکھی بھی اڑ کر اس طرف سے گزرتی تو اس کے پروں کی بھنبھناھٹ سے میری آنکھ کھل جاتی ۔ وہ کیفیات ناموجہ جو اھل اللہ کے نزدیک غیر معتبر ھیں اس سے قبل میرے قلب پر وارد ھوتی تھیں ، وہ یکبارگی مفقود ھو گئیں ۔ میں نے تھوڑی ھی مدت میں خدا کے فضل اور اس کی مشیت اور پیر کی توجہ سے علم باطنی میں نمایاں ترقی کی (۱) ۔

شیخ کا ارشاد :

حضرت شیخ نے میری روحانی ترقیات کو دیکھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ وقت طلب علم تصوف میں نہایت ھی جد و جہد اور احتیاط کا ھے ، اسی وقت سے عارف کو اپنے آپ کو شریعت صمدانی کے مطابق بنانا چاھیے ، تا کہ وہ اپنے ایمان کو اور جماعت کثیر مومنین اور مومنات کے ایمان کو زوال سے محفوظ رکھے ، اور مسلمانوں کو تشبیہ و تعطیل سے معصوم کرے ۔ چونکہ اکثر اھل ھوا اس زمانے میں بغیر ادائی شروط مذکورہ کے جب اس علم کے اشارات و عبارات سے عاجز رھتے ھیں تو معرفت بیچون و بیچگون میں غلطی کھا کر کفر کی حد تک پہنچ جاتے ھیں ۔ بعض اس غلطی میں مبتلا ھوکر خدا کو صورت میں منصور کرتے ھیں ، اور بعضے خدا کو کسی مکان پر جانتے ھیں ، اور بعضے ارواح و انفاس کو خدا جانتے ھیں ، اور بعضے تمام اشیاء کو ایک وجود اور ایک ذات جان کر خدا کہتے ھیں ، اور بعضے خدا کو خلق میں

---

۱ ۔ تذکرۃ الابرار والا شرار صفحہ ۱۲۴

اور خلق کو خدا میں محو جانتے ہیں ۔ علی ھٰذا القیاس اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوکر ایسے کلمات زبان پر لاتے ہیں جو شریعت محمدیہ کے خلاف ہوتے ہیں ، اور ان کلمات اور اس قسم کے معتقدات سے کافر ہو جاتے ہیں - نعوذ باللہ من الکفر بعد الایمان ۔ پس چاہیے کہ علم تصوف کو ایسے استاد حقانی اور شیخ ربانی سے حاصل کرے کہ جس کا ظاہر و باطن شریعت محمدیہ سے آراستہ ہو ، تا کہ علمِ تصوف کے اشارات کو شریعت کے علم کے مطابق کرے (۱) -

رسالهٔ جام جہاں نما کی تعلیم :

پھر اسی وقت آپ نے مجھ کو رسالہ حضرت شیخ جام جہاں نما عنایت فرمایا ۔ آپ اس کا درس دیتے جاتے تھے اور میں سنتا جاتا تھا ، یہاں تک کہ آپ نے اس رسالے کے کلمات کے متعلق تقریر فرمائی ۔ میں اس تقریر پر ایک رات اور ایک دن غور کرتا رہا ، کیونکہ اس علم کی بنیاد تامل و تفکر پر ہے ۔ آخر میں نے اپنے تفکر و تامل کے نتائج کو اپنے شیخ کے سامنے پیش کیا ، اس کے باوجود کہ میں نے جانا اور سمجھا تھا ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نہ کچھ جانتا تھا نہ سمجھتا تھا ۔

اس کے علاوہ میں نے اور چند رسالے جیسا کہ لمحات اور سوانح اور دیوان خواجہ قاسم انوار ہے حضرت کے سامنے نظر سے گزارے (۲) -

شیخ کی تاثیر گفتار اور کردار :

میرے شیخ (حضرت سید علی) کے تاثیر گفتار اور کردار کا یہ عالم تھا کہ تصوف کے اکثر طالب علم تھوڑا ہی سا پڑھ کر اور بہت ہی کم زمانے میں حضرت شیخ کی توجہ سے متبحر عالم ہوجاتے تھے (۳) -

خلافت :

مختصر یہ کہ ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہا ۔

---

۱ - ''تذکرۃ الابرار والا شرار'' صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ -
۲ - ایضاً صفحہ ۱۲۵ -
۳ - ایضاً صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹ -

چونکہ حضرت کو متقدمین مشائخ سے پانچ خانوادوں میں بیعت کی اجازت حاصل تھی ، چار میں اپنے شیخ سالار رومی کی طرف سے اور ایک میں اپنے جد کی طرف سے ۔ آپ نے چار خانوادوں میں مجھے اجازت عطا فرمائی ۔ وہ خانوادے جن میں ان کے شیخ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا ان کی صراحت کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا کہ وہ سلسلۂ کبرویہ ، سلسلۂ عزیزیہ چشتیہ ، سلسلۂ سہروردیہ اور سلسلۂ شطاریہ ہیں (۱) ۔

مناظرے :

میرے شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ ملک کے اطراف و جوانب میں گھوم کر اہل ہوا و بدعت سے مناظرے کرتے تھے اور ان متمردوں کو لوگوں کے سامنے شرمندہ کرکے عوام و خواص میں اعلان فرماتے کہ ان متمردوں سے بچو ، اور ان کی پیروی نہ کرو تاکہ تمھارا دین محفوظ رہے ۔ افغان اس درجہ آپ پر اعتماد کرتے تھے کہ جب کوئی شیخ یا عالم ان کے درمیان ظاہر ہوتا جب تک کہ وہ میرے شیخ اور میری نظر سے نہ گزرتا وہ اس کے اقوال و افعال کو قبول نہ کرتے ۔ غرض کہ میرے شیخ نے گمراہوں سے مناظرے کرنے میں بڑی جد و جہد کی ۔

جب میں خدا کے فضل سے تحصیل علم سے فارغ ہوا اور سجادۂ شریعت مصطفوی پر ثابت قدم ہوا اور اپنے شیخ کی خدمت میں رات دن سفروحضر میں رہا تو بعض مقامات پر جب کہ میرے شیخ استغراق شغل باطن سے فارغ نہ ہوتے تو ان اہل ہوا و بدعت سے مناظرے کو میرے سپرد کرتے اور بعض مقامات پر میں تنہا بھی ان سے مناظرہ کرتا ۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اہل ہوا میرے دشمن ہوگئے ورنہ , ویسے کوئی عداوت ذاتی میرے اور ان کے درمیان نہ تھی ، لیکن الحمدللہ باوجود ان کے بغض و عداوت کے میں اپنے مسلک پر مستقیم ہوں اور انشاءاللہ موت تک اس مسلک پر مستقیم رہوں گا (۲) ۔

---

۱ ۔ تذکرۃالابرار والاشرار صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳

پیر بایزید سے ایک مناظرہ

پیر بایزید جس کی مخالفت میں انھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے ان سے اپنے ایک مناظرے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے اس کے سامنے تقریر کی اور اس سے اس قدر سوال و جواب کیے کہ وہ لعین اور تمام لوگ متحیر ہوگئے۔ وہ اپنے عاجز رہنے کا معترف اور عالم کے سامنے شرمندہ ہؤا لیکن چونکہ ہوائے نفسانی اس پر غالب تھی اور اغوائے شیطانی اس پر مستولی تھا اور اس کا خاتمہ شقاوت پر ہونا تھا اس لیے وہ مسلمان نہیں ہؤا۔ پھر ایک مدت کے بعد یہ فقیر اس سے بحث و مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہؤا۔ سیادت مآب سید ہارون بھی میرے ساتھ تھے اور یوسف زئی قبیلے کے کثیر مسلمانوں کی جماعت کو بھی ہم اپنے ساتھ لے گئے، لیکن یہ ملعون مقابلے کے لیے نہیں نکلا۔ کیونکہ وہ سابقہ شرمندگی کی وجہ سے سامنا نہیں کرسکتا تھا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ چونکہ یہ ملعون خود کو اور اپنے متبعین کو منصور حلّاج کے مرتبے پر جانتا ہے اگر وہ واقعی منصور حلاج کے مرتبے پر ہے تو منصور کے اس شعر کا مطلب بیان کرے:

ولدت امی ابا ھا و ذامن عجباتی
انا طفل صغیر فی حجور مرضعاتی

جب یہ لکھا ہوا شعر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس قدر ہیبت زدہ ہؤا کہ اس شعر کا مطلب تو کجا اسے پڑھ بھی نہ سکا۔ اس کے بعد کرامت کا طالب ہؤا۔ میرے شیخ نے فرمایا اگر وہ لعین اظہار کرامت چاہتا ہے تو وقت ضرورت کرامت کا ظاہر کرنا واجبات میں سے ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کو فقیر کے سامنے کرے اگر وہ بغیر کسی آلے کے خود بہ خود کٹ کر زمین پر گر جائے تو اسے اس کے بعد انکار نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ یہ ملعون نہایت ہی زیرک اور ذہین تھا اور اولیاءاللہ کے تصرفات کی برکتوں سے واقف تھا، لہٰذا اس سے بھی اعراض کیا اور شرمندہ ہوکر رہ گیا۔ (۱)

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''تذکرۃالابرار والاشرار'' صفحہ ۱۵۲ سے ماخوذ ہے۔

پیر تاریک کا خطاب :

اس وقت میرے استاد حاجی الحرمین ملا محمد مشہور بہ ملازنگی پایینی بھی وہاں موجود تھے ۔ انھوں نے اس کو "پیر تاریک" کا نام دیا ۔ (۱)

پیر بایزید کی ذہانت کا اعتراف :

"تذکرۃ الابرار والا شرار" میں اخونددرویزا اپنے شیخ کی اہمیت اور علم و فضل کے تبحر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس علاقے میں گمراہیاں اس قدر عام تھیں کہ اگر میرے شیخ اس علاقے میں نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کوئی فرد بھی اس علاقے میں مسلمان رہتا ۔ اس لیے کہ یہ لعین پیر (بایزید) علومِ عقلیہ میں اس درجہ غلو رکھتا تھا کہ عالم بھی مناظرے میں اس سے نہ جیت سکتا تھا (۲) ۔

شیخ کی ایک نصیحت :

حضرت اخوند درویزا کا بیان ہے کہ چند دن تک ایسا اتفاق ہؤا کہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا ۔ جب میں اس مسلسل غیرحاضری کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اتنے دن کہاں غائب تھے ۔ میں نے نہایت شرمندگی سے عرض کیا کہ کئی روز سے میرا ہاتھ خالی تھا ، اور بزرگوں کی خدمت میں خالی ہاتھ آنا میں بے ادبی سمجھتا ہوں ۔ میرے شیخ میری یہ بات سن کر ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ لوگ جو اونٹ اور گھوڑوں پر میرے پاس آتے ہیں اور تحفے لاتے ہیں ، میں ان کو اپنا دوست اور مرید نہیں سمجھتا بلکہ ان تحفوں کو بھی ان کی طرف سے نہیں سمجھتا ، بلکہ واہبِ حقیقی کی طرف سمجھتا ہوں ۔ لیکن میرے حقیقی دوست اور ساتھی تو وہ ہیں کہ جو مجھ سے واقف ہوکر اپنا حصہ لے جاتے ہیں (۳) ۔

شیخ کی وفات :

حضرت اخوند درویزا نے اپنے شیخ کی وفات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ۱۵۸۳ع (۹۹۱ھ) میں میرے شیخ (حضرت سید علی ترمذی

---

۱ ۔ تذکرۃ الابرار والاشرار ، صفحہ ۱۵۲ ۔

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۵۱ ۔

۳ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۳۳

نے وفات پائی ۔ آپ کی وفات کے بعد ھی اکبر بادشاہ نے اس علاقے کے لوگوں کی طرف توجہ کی ۔ میرے شیخ کا ارادہ کسی وقت بھی اس علاقے میں رھنے کا نہ تھا ، لیکن یہاں کے قیام کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آب و دانے کی قید لوھے کی قید سے بھی زیادہ سخت ھوتی ھے ۔ اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ آپ کے شیخ حضرت سالار رومی نے بھی میرے شیخ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمھارا مسکن ''کوھستان'' ھوگا ۔ یہ دو چیزیں آپ کو یہاں سے منتقل ھونے میں مانع آتی تھیں ۔ اس پر بھی جب کبھی آپ یہاں سے روانہ ھونے کا ارادہ کرتے تو قبیلے کے لوگ آپ سے گڑگڑا کر عرض کرتے کہ صرف ایک سال اور قیام فرمالیجیے ۔ چوں کہ تقدیر میں اسی خاک میں ملنا مقدر تھا ، وہ مجھے بھی یہاں سے جانے سے روکتے تھے ۔ آپ کی وفات کے بعد الحمد للّٰہ کہ آپ کی اولاد بھی آپ ھی کے نقش قدم پر ھے ، اور درگاہ ذوالجلال سے امید ھے کہ آپ کے خاندان والے کبھی ھوا و بدعت کی طرف مائل نہ ھوں گے (۱) ۔

رُشد و ھدایت :

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت اخوند درویزا نے اس علاقے میں گمراھیوں کو دور کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں ، اگرچہ شدت دینی کی وجہ سے انھوں نے ان لوگوں پر جو ان سے ذرا بھی اختلاف رکھتے تھے بڑی لعن و طعن کی ھے اور اپنے مخصوص عقاید سے ھر اختلاف کرنے والے کا ذکر نہایت حقارت سے کیا ھے جس کو ھم نے ان کے حالات کے خاتمے پر تفصیل سے پیش کریں گے مگر اس کو ان کی ایک بشری کمزوری کہا جاسکتا ھے ، لیکن ان کے خلوص نیت پر کوئی حرف نہیں لایا جاسکتا ۔ ھمیں بایزید کے مسئلے میں میں ان کی رائے سے خواہ کتنا ھی اختلاف کیوں نہ ھو ، لیکن ھمیں اس اعتراف میں ذرا بھی باک نہیں کہ افغانوں سے بدعات کے دور کرنے ، علم کو عام کرنے ، اور طریقت کو شریعت کے ساتھ ھم آھنگ کرنے اور روحانی

---

۱ ۔ تذکرۃ الابرار والاشرار ۔ صفحہ ۱۳۳ - ۱۳۴

مطلق العنانی کو دور کرنے میں ان کی زبان اور قلم کا بڑا حصہ ہے ۔

گمراھیوں کی جڑ :

وہ اپنی کتابوں میں گمراھیوں کے علل و اسباب بیان کرتے ہوے ، گمراھیوں کا سب سے بڑا ذمہ دار اپنے زمانے کے صوفیائے خام اور طریقت کی غلط ترجمانی کو بتاتے ھیں ۔ ایک جگہ وہ افغانوں کے ملّی زوال کی وجوہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ھیں کہ

دریں ایام هر که از افغاناں دربلائے درآمده است از پیری و مریدی درآمده است ۔	اس زمانے میں افغانوں میں سے جو بھی بلا میں پھنسا ھے وہ پیری مریدی کے ذریعے سے پھنسا ھے

اپنی مشہور تصنیف ''ارشاد الطالبین'' میں اپنے سوزِ دل کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقم طراز ھیں

اما بعد یکے از مریدان کمترینۂ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین وارث علوم انبیاء والمرسلین شیخ علی ترمذی یعنی اضعف عباداللہ الباری میگوید که . . . چوں انواع اهل‌الحاد تغلب نموده اند پس . . . معتقدان و معتمدان مذهب سنت و جماعت بل عالمان و عاملان مشرب شریعت راغریب الغرباء دیدم . . . از شدت تعصب دینی روز بروز در سوز وگداز درآمدم اما از روئے تحقیق نظر کردم که سبب تفریق است به هفتاد و سه گروه چه می باشد ؟ جز امر شیخوختِ مردوده مبتدعه چیزے دیگر نیافتم ، زیرا که تمامی افعال و اقوال و احوال شیوخ ایں	اما بعد ایک مریدوں میں سے کمترین مرید حضرت شیخ الاسلام والمسلمین وارث‌علوم انبیاء ومرسلین شیخ علی ترمذی یعنی اضعف العباد باری کہتا ھے کہ . . . جب کہ قسم قسم کے اھل‌الحاد نے غلبہ حاصل کرلیا ھے، پس میں نے معتقدان و معتمدانِ مذھب سنت و جماعت کو بلکہ عالموں اور شریعت کے مشرب پر عمل کرنے والوں کو غریب الغرباء دیکھا ، شدتِ تعصب دینی کی وجہ سے روز بروز مجھ میں سوز و گداز پیدا ھوا ، اور میں نے تحقیق کے نقطۂ نظر سے اس پر غور کیا کہ تہتر فرقوں میں امت کی تفریق کا کیا سبب ھے ؟ مجھے

زمانه ایام را مخالفِ قرآن و حدیث و
مخالف روایاتِ ائمه و مخالف حالات
شیوخ سلف دیدم تا هرکه تحقیق
خواهد پس حالات ایں مبتدعان را با
حالات صلحائے سلف تطبیق نماید ۔
(ارشاد المریدین قلمی ص ۲) ۔

شیخوختِ مردودہ اور مبتدعہ کے
سوا کوئی دوسری چیز میں نے نہ
پائی ، اس لیے کہ میں نے تمام افعال ،
اقوال اور احوال اس زمانے کے
شیوخ کے مخالفِ قرآن و حدیث اور
مخالف روایات اور آئمہ مخالف حالاتِ
شیوخ کے دیکھے ۔

توسیع علم :

انھوں نے اس کی بھی بڑی جد و جہد کی کہ افغانوں سے جہالت دور ہو ، ان میں علم کی روشنی عام ہو ، کیوں کہ تمام خوبیوں کا سرچشمہ علم ھے اور بغیر علم کے مادی اور روحانی ترقیوں کے دروازے انسان پر نہیں کھل سکتے ۔ جو لوگ علم کو حجابِ اکبر کہتے تھے ، وہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ قول صحیح ہوتا تو رسول اکرم کیوں ربِ زدنی علماً فرماتے ۔

اتباع شریعت :

وہ اپنی تعلیمات میں اتباعِ شریعت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے پیر و مرشد کو بھی اس بنا پر ٹوکا ۔

اخبارالاولیا میں ھے کہ شیخ علی ترمذی جو سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے منسلک تھے ، سلسلۂ چشتیہ کے رواج کے مطابق سماع سنتے تھے ، حضرت اخوند درویزا نے اس پر اپنے مرشد کو ٹوکا ، آن کے شیخ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ بات یہ ھے کہ میں کبھی کبھی سماع اس لیے سنتا ہوں کہ سماع کی حالت میں بعض اسرار مجھ پر منکشف ہوتے ھیں لیکن میں اسے ترک کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ اس کے بعد انھوں نے پھر کبھی سماع نہیں سنا(۱) ۔

اس زمانے میں اس علاقے میں تبلیغ دین اور احقاقِ حق کے لیے

---

۱ ۔ رود کوثر ۔ ص ۳۶۹ بحوالۂ اخبار الاولیاء

مناظروں اور مباحثوں کا بہت رواج تھا ۔ تحریک روشنائی کے بانی بایزید کو وہ اپنے خیال میں گمراہ ، زندیق اور ملحد خیال کرتے تھے ۔ آپ نے پیر بایزید اور ان کے حامیوں اور مریدین سے مباحثے اور مناظرے کیے ۔

انتہا یہ ہے کہ جب میاں بایزید ہشت نگر میں ٹھیرے ہوئے تھے تو یہ اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی غواص کے ساتھ ان کے خیالات کی اصلاح اور انھیں راہ راست پر لانے کے لیے ہشت نگر پہنچے ۔ چناں‌چہ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب ''مخزن الاسلام'' میں لکھتے ہیں کہ

چوں حضرت پیر دستگیر ایں فقیر شیخ المشائخ والاولیاء ، اسیف السنة سید علی ترمذی درمیان افغانان یوسف زئی درموضع بونیر بودہ از بایزید خبر یافتہ ، دفع دعوی اورا بر خود فرض دید . . . پس ایں فقیر ہم ہمراہ برفتم ، اورا چناں در دعوی خجل ساختم و شرمسار ساختم کہ سخن و دم زدن درحضور نتوانست ، تا لقب او را ''پیرتاریک'' کردم ، و ٰہذا بکرات و مرات گاہے باحضرت پیر و قبلہ و گاہے گاہے بتنہائی ، خود حاضرمی شدم ، و ایں ملحد راخجل ساختم (مخزن اسلام)

جب اس فقیر کے پیر دستگیر ، شیخ المشائخ والا لیاء اسیف السنة سید علی ترمذی افغانان یوسف زئی کے درمیان موضع بونیر میں تھے تو آپ کو بایزید کی خبر ملی ۔ آپ نے اس کے دعوے کی تردید کو اپنے اوپر فرض جانا . . . پس یہ فقیر بھی آپ کے ہمراہ گیا ، میں نے اس (بایزید) کو اس کے دعوے میں ایسا شرمندہ اور شرمسار کیا کہ وہ حضور کے سامنے دم نہ مار سکا یہاں تک کہ میں نے اس کا لقب ''پیرتاریک'' رکھا ، اور اکثر و متعدد مرتبہ کبھی حضرت پیر صاحب قبلہ کے ساتھ اور کبھی تنہا میں حاضر ہوتا اور اس ملحد کو شرمندہ کرتا ۔

لیکن باوجود انتہائی کوششوں کے حضرت اخونددرویزا کو اس راہ میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ خود ان کا بیان ہے کہ اگر میں ایک افغان کو سمجھاتا تو دوسرا اس کے پاس پہنچ جاتا ۔

مناظروں میں مہارت :

وہ اپنے شیخ کی مناظروں میں مہارتِ تامہ کو واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جب یہ فقیر اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ان کے جادۂ علم اور سجادۂ شریعت مصطفوی پر ثابت قدم و مستحکم ہوگیا ، اور ایک طویل زمانے تک رات اور دن ، سفر و حضر میں اپنے شیخ کے فیوض سے مستفیض ہؤا ، اس زمانے میں اگر بعض مقامات پر میرے شیخ میرے ساتھ ہوتے تو عموماً بحث و مناظرے کو میرے سپرد فرماتے ، اور بعض مقامات پر جہاں میرے شیخ میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں خود ہی بحث و مناظرے کرتا ، یہاں تک کہ میں نے اکثر اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کو نابود کردیا ، یہی وجہ ہے کہ سب کےسب اہل ہوا میرے دشمن ہیں ورنہ کوئی عداوت میرے اور ان کے درمیان نہیں (۱) -

اسلامی علوم کی اشاعت :

اس علاقے میں علم کی کمی اور گمراہی کو دیکھتے ہوئے ، حضرت اخونددرویزا نے فیصلہ کیا کہ ان گمراہیوں کا علاج اسلامی علوم کے پھیلانے میں پوشیدہ ہے - چناں‌چہ انھوں نے پشتو اور فارسی میں کتابیں لکھنی شروع کیں - ان کی تصانیف میں ہمیں حسبِ ذیل کتابوں کا پتہ چلتا ہے -

مخزن اسلام : یہ کتاب حضرت اخونددرویزا نے پیر روشان کی مشہور کتاب ''خیر البیان'' کے جواب میں اسی طرح چار زبانوں میں لکھی جیسے کہ پیر روشان کی کتاب چار زبانوں میں ہے مخزن اسلام مطبع فیض عام دھلی سے شائع ہوچکی ہے - اس کی ضخامت ۱۶۰ صفحات پر ہے - یہ کتاب عقائد و عبادات پر مشتمل ہے ، اس کتاب میں آٹھ ابواب ہیں - اس کا پہلا باب تصوف پر ہے - اس کا دوسرا باب واجبات نماز پر ہے ، اس کا تیسرا باب نماز کی سنتوں پر ہے ، اس کا چوتھا باب مستحبات پر ہے ، اس کا پانچواں باب ان چیزوں پر ہے جو نماز میں حرام ہیں ، اس کا چھٹا

---

۱ - تذکرة الابرارو الاشرار - ص ۱۳۳

باب مکروہات نماز پر ہے اس کا ساتواں باب نماز کے مباح پر ہے ، اس کا آٹھواں باب مفسدات نماز پر ہے۔

اس کتاب کی وجۂ تالیف پر انھوں نے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :

این فقیر نیز میخواھد کہ ترجمہ ایں رسالہ‌را بافغانی بیارد ، تا افغانان رافائدہ بود ، از آن کہ ایں طائفہائے ناموافق درمیان افغانان بغا یتے پرا گندہ گشتہ اند ، واکثر مردم راہ از راہِ راست بیروں بردہ اند (۱)

اس فقیر کا یہ بھی خیال ہے کہ اس رسالے کا افغانی زبان میں ترجمہ کرے تاکہ افغانوں کو اس سے فائدہ پہنچے ، اس لیے کہ یہ (صوفیائے خام کا) ناموافق گروہ افغانوں میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے ، اور بہت سے لوگوں کو انھوں نے راہِ راست سے ہٹا کر گمراہ کردیا ہے۔

پھر ایک اور جگہ اس کتاب کی تالیف کی محرکات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ

الحال اکثر معتقدات اھلِ بدعت درمیان افغانان مشہور آمدہ۔ بواسطۂ کثرت شیخاں پیران متمردان آدم صورت و شیطان سیرت و سبب ازدھام باتمام علمائے دنیاوی کہ دین را ایشاں بدنیا طلبیدہ اند وحق پوشیدن خیال کردہ اند ، نعوذ باللہ پس ایں فقیر میخواھد کہ متن عقائد بلفظ افغانی بیارد تاکہ ھرکہ آن را دریابد و یاد آورد ھرگز

آج کل اکثر اھلِ بدعت کے معتقدات افغانوں کے درمیان مشہور و مروّج ھیں جو آدم صورت اور شیطان سیرت اور سرکش شیخوں اور پیروں کے واسطے سے پھیلے ھیں۔

اور ان مسائل کی کثرت اور شیوع کا سبب وہ دنیا دار علماء بھی ھیں کہ جو دنیا کو دین کے عوض حاصل کررھے ھیں ، اور حق کے

---

۱ مخزن اسلام۔ ص ۲۲

گمراہ نگردد و مبتدع و بے راہ نخواھدشد۔

چھپانے ھی میں اپنی مصلحت سمجھتے ھیں۔
یہ فقیر چاھتا ھے کہ (اس کتاب کے عقائد کے) متن کو افغانی زبان میں ترجمہ کرے ، تاکہ جو کوئی اس کو پاے اور یاد کرے ، وہ بدعتی اور گمراہ نہ ھو۔

مخزن اسلام میں بھی انھوں نے صفحہ ۱۳۶ پر ''پیر روشان'' کا تذکرہ ملحد کے عنوان سے لکھا ھے اور اسے بھی اس کتاب کے لکھنے کا ایک بڑا محرک بتایاھے۔ اس کتاب میں انھوں نے ''پیر روشان'' پر جو الزامات قائم کیے ، اور جس کی بنا پر وہ انھیں ملحد سمجھتے ھیں ان کا خلاصہ یہ ھے:

۱ - بایزید کہتا ھے کہ شریعت ، طریقت سے جدا ھے۔

۲ - خلوت میں وہ اپنے مریدوں کو جس ذکر کی تلقین کرتا ھے ، وہ خدا کے نام نہیں ھوتے بلکہ بعضوں کو فارسی میں اور بعضوں کو افغانی زبان میں سخن موزوں کرکے دے دیتا ھے۔

۳ - وہ ذکر کی آٹھ قسمیں بیان کرتا تھا۔ جب مرید آٹھویں قسم سے فارغ ھو جاتا تو اس سے کہتا تھا کہ اب تو شریعت کے اوامر و نواھی سے فارغ ھوگیا ، اب جو کچھ تجھے ملے کھا اور پی ، وہ حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتا تھا۔

۴ - اس ملحد (پیر روشان) نے ایک کتاب تصنیف کی ، جس کا نام ''خیرالبیان'' رکھا ، اور کہتا تھا کہ یہ کتاب قرآن کے مقابلے میں مجھ پر نازل ھوئی ، اور بہت سے رسائل باب الحاد میں اس نے تصنیف کیے۔

۵ - پھر اس کی پیغمبری کے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر اس کی مہر کی کندہ کی ھوئی عبارت کو نقل کیا ھے ، جو یہ تھی:

''سبحان الملک الباری ، جدا کرد عالمے نوری از ناری ، بایزید انصاری''

آخر میں اس عنوان کو ختم کرتے ھوئے دین و ملت کی حالت پر

اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ :

اما از آنجا کہ دین و ملت بے حکمت حکّام اسلام تقویت نمی یابد فائدہ نگردد ، زیرا کہ بادشاہ اسلام نبودہ تا سر او را برند ۔

'مخزن اسلام ' کا بڑا حصہ خود حضرت اخونددرویزا نے لکھا ، لیکن آخر کے دوباب ان کے صاحبزادے مولانا عبدالکریم نے اضافہ کیے(۱) ۔

۲ ۔ **ارشادالمریدین** ۔ یہ کتاب تصوف کے حقائق و معارف پر ہے ۔ میں نے اس کا ایک خطی نسخہ پشتواکیڈیمی ، پشاور میں دیکھا ۔ اس نسخے کا مسطر ۱۵ سطری ہے ، اس کتاب کی وجۂ تالیف کو بیان کرتے ہوئے حضرت اخونددرویزا تحریر فرماتے ہیں کہ :

اما بعد یکے از خویدیمان کمینہ ، و مریدان کمترینہ حضرت شیخ الاسلام و المسلمین ، وارث الانبیاء والمرسلین ، شیخ سید علی ترمذی یعنی اضعف العبادالباری ، درویزا ننگرہاری ھمی گوید کہ از کثرت شدت تعصب دینی روز بروز درگداز و سوز آمدم (۲)

پاکستان کی ثقافتی تاریخ کے ایک محقق شیخ محمد اکرام نے اس کا نام 'ارشادالطالبین' لکھا ہے ، لیکن اس مخطوطے کے صفحہ ۴ پر اس کتاب کا نام 'ارشادالمریدین' لوّام مبتدع لکھا ہے ، پھر کتاب میں اس نام کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

و نامیدم این رسالہ را ارشادالمریدین، و مرتب
گردانیدم بر یک مقدمہ و چند نکتہ و خاتمہ

یہ مخطوطہ ۱۷ اوراق پر مشتمل ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصحیح و کتابت خود ان کے صاحبزادے مولاناعبدلکریم نے فرمائی تھی ۔ مولانا عبدالکریم نے ، اس مخطوطے کے آخر میں خاتمۂ کتاب لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ میرے والد کا چھٹا رسالہ ہے کہ جس کی میں نے

---

۱ ۔ ماخوذ از مخزن اسلام ۔ صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۹

۲ ۔ ارشادالمریدین قلمی ۔ مملوکہ پشتو اکیڈیمی پشاور

تصحیح کی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :

فقیر حقیر کثیرالتقصیر عبدالکریم باندازۂ وقوف خود میخواهد تا تمام رسائل رابصحت رساند ۔ این رساله ششم است ، آنکه ایں رافع نعال صلحاء بصحت رسانیده ، وامید از علماء اتقیا آنکه بر صحت و فساد ایں واقف گردند ، بمضمون خذماصفادع ماکدر ، آنچه صحیح یابند...مؤلف ر مصحح رابدعاے ایمان و امن از نیران و وصول بجنان و محظوظ آمدن بلقائے رحمان یادفرمایند ، و آنچه فاسد است بصحت رسانند ، و از برائے ایں فقیر آمرزش خوانند ، الله تعالی جمیع المؤمنین و مؤمنات را از زوال نگاه دارد و مراد اخروی رساند ۔ آمین رب العالمین ۔ تمت تمام شد (۱)

ہمارا خیال ہے کہ یہ نادر مخطوطه ابھی تک شائع نہیں ہؤا ، اگر پشتو اکیڈیمی اس کی اشاعت کا جلد اہتمام کرے تو اس کا یہ مستحسن اقدام علمی دنیا پر ایک احسان عظیم ہوگا ۔

۳ ۔ ارشاد الطالبین :۔ یہ اخوند درویزا کی ایک اور کتاب ہے ، جس کا مطبوعہ نسخہ میں نے اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں دیکھا۔ اس کتاب کی وجۂ تصنیف بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا:

اما بعد اضعف عبادالله ، قدم بوس علماء ودرویشاں و ملتمس احوال و فضائل ایشاں میگوید که از چهار خانواده اذن وارشاد شیخ المشائخ والاولیاء حضرت سیادت پناهی سید علی ترمذی رسیده بود ، و از او بایں قدم بوس شمۂ بمشام کام رسیده است ، پس ناچار است که بالتماس فرزندے چیزی از آں واز عموم بلوی خواهیم بیان کرد (۲)

یہ کتاب چار ابواب پر اور ہر باب چند فصول پر مشتمل ہے ۔

---

۱ ۔ ارشادالمریدین قلمی ۔ مملوکه پشتو اکیڈیمی ۔ ورق ۱ے

۲ ۔ ارشادالطالبین ۔ ص ۔ ۳

پہلے باب میں توحید و ایمان ، وضوء اور نماز وغیرہ کی حقیقت اور فضیلت بیان کی گئی ہے -

دوسرے باب میں توبہ ، پیر کامل کی علامات ، علم اور ذکر کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے - تیسرے باب میں سیر و سلوک پر روشنی ڈالی گئی ہے -

چوتھے باب میں اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ ذمیمہ کو بیان کیا گیا ہے -

یہ کتاب ۵۵۱ صفحات پر مشتمل ہے - اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :

حمدے بیحد و ثنائے بیعد سرائے ذاتے را کہ بتغلب وحدت از عالم الغیوب کہ اعلائے محبت اوست بذر ممکنات بنور ارادت در اراضی واحدیہ کاشت (۱)

اس کا خاتمہ فائدۂ تعویز چشم پر ہوتا ہے - یہ کتاب ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ع) مطبع پشاور سے چھپی -

۴ - **تذکرۃ الابرار و الاشرار :** یہ حضرت اخوند درویزا کا مرتب کیا ہوا ایک معرکۃ الآرا تذکرہ ہے ، جو انھوں نے اسّی سال کی عمر میں مرتب کیا تھا - انھوں نے ان تمام اسلامی تحریکات کو دیکھ کر جو ان کی رائے میں اسلام کے عروج و زوال سے متعلق تھیں ، اس تذکرے کو مرتب کیا تھا - پیر بایزید اور اُن کے معاونین کو جن کا اثر اس زمانے میں شمالی سرحدی علاقوں پر خاصا تھا ، وہ اسلام کے زوال کا باعث سمجھتے تھے - ان کے علاوہ اس دور میں کچھ اور بھی ایسے علماء ، مشائخ اور پیر موجود تھے جن کے عقائد اور طور و طریقے کو وہ نہایت اخلاص سے اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھتے تھے - یہ تذکرہ ان حالات و واقعات کا ایک تفصیلی مرقع ہے کہ کس طرح انھوں نے اور ان کے پیر نے بایزید کا خصوصاً اور دوسرے پیروں دنیادار اور علمائے سوء کا مقابلہ کیا ، اور عوام کو اپنی تبلیغی جدوجہد سے کس طرح اہلِ سنت و جماعت کے عقیدے پر مستقیم

---

۱ - ارشادالطالبین - ص - ۲

کیا ، یہ مجموعی تذکرہ تین تذکروں بر مشتمل ہے - پہلے تذکرے میں حضرت اخوند درویزا کے پیر حضرت سید علی غواص ترمذی کے حالات و مناقب ہیں - دوسرے تذکرے میں افغان کے انساب و قبائل کو بیان کیا گیا ہے اور اسی تذکرے میں حضرت اخوند درویزا نے اپنے حالات بھی جستہ جستہ قلم بند کیے ہیں -

تیسرے تذکرے میں انھوں نے اپنے زمانے کے مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کے صوفیائے خام کے حالات دیے ہیں ، ضمناً ہر تذکرے میں تصوف اور شریعت کے بعض اہم مسائل بھی قلم بند کیے ہیں ، یہ تذکرہ حضرت اخوند درویزا نے ۱۱۲۱ھ میں لکھا تھا - جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع ہندو پریس سے شائع ہؤا - یہ مطبوعہ نسخہ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے - اس کتاب میں ہمیں حضرت اخوند درویزا اور آن کے پیر کی سوانح حیات کے وہ ٹکڑے ملتے ہیں ، جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتے -

ان کے علاوہ ان کی دو اور کتابیں تلقین المریدین اور "تذکرۃ اولیاء" بھی ہیں (۱) -

شاعری :

اخوند درویزا نہ صرف اہلِ قلم تھے ، بلکہ پشتو زبان کے شاعر بھی تھے - میر احمد شاہ رضوانی مرحوم نے اپنی کتاب بہارستان میں ان کی ایک مثنوی صبر کی فضیلت پر نقل کی ہے -

پشتو زبان و ادب پر اخوند درویزا کے احسانات :

حضرت اخوند درویزا پشتوو ادب کے محسنین میں ہیں - انھوں نے پشتو زبان کے ارتقاء میں غیر معمولی حصہ لیا ہے - انھوں نے پشتو میں کتابیں لکھ کر اس زبان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا ، اس لیے ان کا نام پشتو زبان کے خدمت گزاروں میں ہمیشہ عظمت سے لیا جائے گا (۲)-

---

۱ - رود کوثر - صفحہ ۳۶۸

۲ - ایضاً صفحہ ۳۶۷ - ۳۶۸ ، ۳۷۰

ملاحدہ و زنادقہ :

حضرت اخوند درویزا نے اپنے جن مخالفین کو ملحد و زندیق ٹھیرایا ہے ، ان کے حالات انھوں نے تذکرۃ الابرار والا شرار میں دیے ھیں - ھم ان کے حالات کے کچھ اقتباسات ان کی اسی کتاب سے درج کرتے ھیں تاکہ یہ اندازہ ھو سکے کہ صرف ایک بایزید ھی نہیں بلکہ اس علاقے میں اور بہت سے لوگ بھی تھے جنھیں وہ ملحد زندیق سمجھتے تھے -

(۱) - شہباز قلندر :

شہباز قلندر کے متعلق انھوں نے تحریر فرمایا کہ یہ شخص لباس قلندری میں موضع لنگر میں آیا ، اور قبیلے ھنجکزئی میں مقیم ھوگیا ، اور ایک مدت کے بعد اس لعین نے اس قبیلے کو ملحد رافضی بنایا ، اور لوگوں کو نماز روزہ اور اوامر شرعیہ سے ھٹا کر ،منیات شرعیہ مثلاً خمرو زنا وغیرہ پر لگایا - اس زمانے میں کہ اکبر بادشاہ کے خوانین نے یوسف زئیوں کی طرف توجہ کی ، اور انھوں نے موضع لنگر میں قلعہ بنا کر اس موضع کا نام لنگر کوٹ رکھا ، چونکہ وہ اس لعین کی حقیقت سے واقف نہ تھے ، اس لیے اس خبیث کے مقبرے کا نام انھوں نے شہباز گرہ رکھا (۱) -

(۲) - پیر پہلوان :

پیر پہلوان کے متعلق انھوں نے لکھا کہ یہ خراسان سے آیا تھا ، اور اس نے قبیلۂ مندنڑ میں سوات کے موضع چکدرہ میں اقامت اختیار کر کے شادی کر لی ، اور ان میں قواعد و قوانین رفض و الحاد کو پھیلایا - اس کے ماننے والے علی پرست اور خلفائے ثلثہ کے دشمن ھیں - نماز و روزہ اوامر شرعیہ کو لوگوں پر سے اٹھا دیا - شراب پینے ، زنا کرنے، داڑھی مونڈانے اور قوانین فسق و فجور کو دین و ملت بنایا - اس لعین و خبیث کا مدفن موضع چکدرہ میں ھے ، (۲)

---

۱ ماخوذ از تذکرۃ الابرار والا شرار صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱

۲ ایضاً - صفحہ ۱۶۲

(۳) - پیر طیب :

پیر طیب کے متعلق لکھا کہ وہ خلجی افغانوں میں سے تھا ، اور مذہب تناسخ کا ماننے والا تھا ۔ اس نے قسم قسم کے ملاهی و مناهی کی طرف اقدام کیا ، اور اپنے متبعین کو اس کی طرف دعوت دی ، لیکن پیر طیب نے آخر عمر میں میرے شیخ (سید علی غواص ترمذی) کے سامنے اور میرے رو برو اعتراف کیا کہ اس نے قسم قسم کی بدعتوں کو لوگوں میں پھیلایا ھے ، اور اب میں تجدید ایمان کرتا ھوں ۔ پس وہ تجدید ایمان ، توبہ اور استغفار سے میرے شیخ کے ھاتھ پر مشرف ھؤا ، اور اس کے تھوڑے ھی دن بعد مر گیا ۔

پھر آگے چل کر لکھا کہ معلوم نہیں کہ پیر طیب کا تجدید ایمان اور توبہ و استغفار مقبول بھی ھؤا یا نہیں کیوں کہ یہ اس پر منحصر ھے کہ توبہ کے بعد اس نے لوگوں کو اپنے پہلے عقیدے پر عمل کرنے کی دعوت نہ دی ھو (۱) ۔

(۴) - پیر ولی :

پیر ولی کے متعلق لکھا کہ وہ افغانان بڑیچ میں تھا ، اور کئی قسم کے الحادکو بڑیچ اختیارکیے ھوئے تھے، اور اس نے لوگوں کودین محمدی سے نکال دیا تھا ۔ یہ بھی قبیلۂ مندنڑ میں تھا اور مذہب تناسخ کا اظہار کرتا تھا ، اورکبھی کبھی اس کا ظن فاسد اس طرف بھی جاتا تھا کہ ارواح اور نفس حیوانات خدا ھیں ۔

آگے چل کر اپنے اور پیر ولی کے ایک مناظرے کی کیفیت بیان کرتے ھوئے لکھا کہ میں اور پیر ولی ایک مجمع میں موجود تھے۔ میں نے اس کے ارواح اور نفس حیوانات کو خدا کہنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس قسم کےاقوال سے انسان کافر ھو جاتا ھے ۔ اس نے اس کےجواب میں ''اناالحق'' ''و سبحانی'' کلمات کفر و الحاد جواب میں پیش کیے ۔ اتفاق سے اسی وقت نماز کا وقت آگیا ، اور مومنین کی ایک کثیر جماعت نے میری پیروی کی ، لیکن

---

۱ ۔ ماخوذ از تذکرۃ الابرار والا شرار ۔ صفحہ ۱۶۲

اس متمرد نے اپنے متبعین کو میری اقتدا سے منع کیا ۔

میرے بعد اس نے نماز پڑھی اور اس کے متبعین نے اس کی اقتدا کی ۔ میں نے نماز کے بعد اس سے کہا کہ تمام کتب اسلامیہ میں ہے کہ اس قسم کے کلمات کفر والحاد اگر بثبات عقل و ہوش و حواس کہے جائیں تو کافر ہو جائے گا ، اور اس کے لیے تجدید ایمان و تجدید نکاح ضروری ہے ، اور اگر نشے اور بیخودی میں کہے تو بے ہوشی اور نشہ ناقص وضو ہیں ، اور جب نماز کو بے وضو ادا کرے گا تب بھی کافر ہو جائے گا ۔ میری اس دلیل پر وہ بے حیا اس قدر لاجواب ہؤا کہ کچھ نہ کہ سکا ۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے قاضی جلال سے سنا ہے کہ عوام کا خدا آسمان پر ہے ، اور خواص کا خدا مومنوں کے دل میں ہے ، نعوذ باللہ من کفر ھم ۔ پھر میں نے کہا کہ اے غبی بے فصاحت اور اے دنی بے دیانت کفر اور اسلام میں فرق یہ ہے کہ اھل اسلام انبیاء علیھم السلام کے بتائے ہوئے دلائل سے وحدانیت صانع بیچون کے قائل ھیں ، اور اعتقاد فاسد کافروں کا یہ ہے کہ صانع مصنوعات کے متعدد ہونے چاھییں ، پس تو اپنے آپ کو زمرۂ مسلمانوں میں شمار کرتا ہے یا مجمع کفار میں ، باوجود اس کے کہ تو اپنے آپ کو درویش کہتا ہے ، اور درویشوں نے وحدانیت کے لیے ھمیشہ خون جگر کھایا ہے ۔ میری اس تقریر پر وہ بے حد شرمندہ ہؤا ، اور اس فقیر کو چونکہ ظاھری طاقت نہ تھی ، اس لیے میں اس کی مجلس سے اٹھ گیا ، اور اس متمرد کی اولاد نے بھی اپنے باپ کے طریقے پر کفر اختیار کیا (۱) ۔

(۵) ۔ **کریم داد:** کریم داد کے متعلق لکھا کہ وہ ملحد بھی افغان غرغشتی میں سے تھا ، اور مندنڑ قبیلے کے لوگوں میں رہتا تھا ، اور قسم قسم کے الحاد کو اختیار کیے ہوئے تھا (۲)۔

(۶) ۔ **شیخ الیاس:** شیخ الیاس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ بھی قبیلۂ مندنڑ میں تھا ، اس نے زھد و ریاضت ، مجاھدۂ نفس اور اعمال

---

۱ ۔ ماخوذ از ''تذکرۃ الابرار'' والا شرار'' ۔ صفحہ ۱۶۳-۱۶۴

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۶۴

کو اپنا شعار بنایا ، یہاں تک کے مدتوں کھانا پینا ترک کر دیا ، لیکن چونکہ وہ تاریکیوں میں علم کی شمع نہیں رکھتا تھا اور کوئی شیخ محقق راہِ سلوک میں اس کا رہبر نہ تھا اور علماء واتقیاء کی صحبت میں نہ بیٹھتا تھا ، اس لیے چاہِ ضلالت میں اوندھے منہ گر پڑا اور جنوں کے تابع ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ دن پیر ولی کی صحبت میں گزارے اس لیے ملحد و مرتد ہوگیا ۔ اس کے متبعین تارک صلوٰۃ وصیام اور مانع خیر وزکوٰۃ ہوئے ، مذہب جبریہ کو اختیار کرکے زنّار گلے میں ڈال کرکافر اور منکر بعث ہوئے ۔ مختصر یہ کہ شیخ الیاس کبھی کبھی اس فقیر کے پاس بیٹھتا تھا اور نصیحتیں اور عقائد اہل سنت و جماعت کو مجھ سے سنتا رہتا تھا ۔ ایک مبارک وقت میں میری اور اس کی ملاقات ہوئی ۔ میں نے سابقہ تعارف کی بنا پر عقائد اہل سنت و جماعت اور تقدیر کے مفہوم کو اسے سمجھایا اور اسے مذہب جبریہ اور قدریہ کے اتباع سے روکا اور اُسے بتایا کہ تمام امور آخرت ، بعث ، حشر و نشر کو حق ماننا چاہیے ۔ اس کے علاوہ میں نے اس کو کچھ اور نصیحتیں بھی کیں ، یہاں تک کہ وہ میرا معتقد ہو کر تائب ہوگیا ۔ اگر وہ اپنے متبعین کی شومیئت میں گرفتار نہ ہؤا تو بخشا جائے گا ۔

ہم نے 'تذکرۃ الابرار' و الا شرار سے ، یہ چند اشرار کے حالات یہاں نقل کردیے ہیں ۔ ان بیانات سے ہمیں حضرت اخوند درویزا کی شدت دینی اور مزاج کی کیفیت معلوم ہوتی ہے ۔ انھوں نے اپنے مسلک کے ہر مخالف کو ملحد و زندیق اور کافر ٹھیرایا ہے ، یہاں تک کہ جن لوگوں نے ان کے پیر کے سامنے توبہ وتجدید ایمان بھی کی ، ان کے متعلق بھی وہ مطمئن نہیں ہو پاتے ۔

بایزید کی مخالفت میں تو وہ اس قدر سخت ہیں کہ جب یوسف زئیوں نے بایزید کی وفات کے بعد اس کی جماعت کے مال و اسباب کو لوٹ لیا اور ان کے مال کو مالِ غنیمت سمجھا ، ان کی عورتوں اور لڑکوں کو غلام بنایا اور ان کی جماعت کو منتشر کو دیا تو انھوں نے اس پر شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا الحمدللّٰہ کیا ہی سعادت ہے ان لوگوں کی کہ حق

سبحانه کی توفیق اور تائید ربانی سے ان کا یہ عمل موافق اعمال خیر البشر صلی اللہ علیه و آله و سلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کے کردار کے مطابق ھؤا ، امید ھے کہ وہ اپنے اس عمل پر بہترین جزائے اخروی پائیں گے ۔ پھر آگے چل کر مسئله بیان کرتے ھوئے لکھا کہ اگر (بایزید کی) یہ سرکش جماعت مرتد بھی نہ ھوتی تو ان کا مال غصب کر لینا ان مسلمانوں کے لیے جائز تھا کیونکہ ان کی جانب سے ظلم کی ابتداء ھوئی تھی ، کیونکہ وہ تمام لوگوں کو خواہ کافر ھو یا مسلمان قتل کرتے تھے اور مسلمانوں کے مال کو لوٹتے تھے اور ان کے بال بچوں کو قیدی بناتے تھے ، اگر وہ اپنے اس عمل کو جائز سمجھتے تھے تو وہ کافر تھے اور اگر وہ ناجائز سمجھ کر بھی یہ عمل کرتے تھے ، تب بھی مسلمانوں پر فرض و لازم تھا کہ وہ جنگ کرکے ان کو ھلاک کر دیں اور ان کا جو مال اُن کے ھاتھ پڑے وہ ان کے لیے مباح ھے ، اس باب میں کسی امام نے اختلاف نہیں کیا (۱) ۔

جب بایزید کی ھڈیاں جلائی گئیں اور ان کی بیوی کو ایک ڈوم کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ ان کو باندی بناکر ان سے متمتّع ھو تو اس پر بھی حضرت اخوند درویزا نے کسی تاسف کا اظہار نہیں فرمایا ، بلکه فتویٰ دیا کہ ان مرتدوں کی عورتیں اور بچے مالِ غنیمت ھیں اور ان کی تقسیم خاندانوں میں جائز ھے (۲)

پیر بایزید کی مخالفت میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ باوجود اس عظمت و جلالت شان کے انھوں نے اس کے اندرونی حالات کے تجسس سے بھی گریز نہیں کیا ۔ ''تذکرة الابرار والا شرار'' میں ایک جگہ وہ لکھتے ھیں کہ

این فقیر شبے از شبہا در ھشت نغر | یہ فقیر ھشت نگر میں ایک رات اس مہمان اوبود چوں از عادات فقیر از | کا مہمان تھا ۔ چونکہ اس فقیر کی

---

۱ ۔ ''تذکرہ الابرار والا شرار'' ۔ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶

اول عمر تا بآخر همیں که شب بیدار می باشد ، درآں شب هنوز بقصد تجسس احوالِ او بیدار تر بودم، چوں درمیان فقیر و خواب گاه او پردۂ لطیف بود دریافتم که تمام شب باعروس خود درخواب بوده ۔ چوں صبح دمید از بستر خواب برخاسته جامہا پوشیده ، نے غسل بجا آورده و نه وضو ، تا آمده در مسجد نشست ، بعده اتباعِ او در رسیدند و به نماز بامداد مشغول گشتند ، و ایں فقیر تنہا نماز را بجا آورده(۱)

عادت اول عمر سے اب آخر عمر تک یه ہے که شب بیدار رهتا ہے ۔ اس رات اس کے تجسس حالات کےلیے اور بھی زیادہ بیدار تھا ، اس فقیر اور اس کی خواب‌گاہ کے درمیان ایک لطیف پردہ پڑاهؤا تھا۔ میں نے محسوس کیا که وه تمام رات اپنی بیوی کے ساتھ خواب میں رها جب صبح طلوع هوئی تو بستر خواب سے اٹھا کپڑے پہنے، نه غسل ۔ کیا نه وضو، یہاں تک که آکر مسجد میں بیٹھ‌گیا ، پھر اس کے متبعین آئے، اور فجر کی نماز میں مشغول هو گئے ، اور اس فقیر نے تنہا نماز پڑھی ۔

چونکه ایک شدید جذبۂ مخالفت حضرت اخوند درویزا کے قلب میں بایزید کے متعلق پیدا هو گیا تھا اس لیے اس کی خوبیوں میں بھی وه ایک ریا کاری کا پہلو پاتے تھے ۔ وه اس کے اتباع قران اور حدیثِ نبوی پر چلنے کے متعلق اظہار خیال کرتے هوئے فرماتے هیں :

ایں ملعون و اتباع او از قرآن ربّانی و احادیث نبوی منکر اند ، اما از برائے تا عوام ایام را صید خود کنند آیت و احادیث بر زبان رانند ، چه ایں کفار مملوء از مکر و تلبیس اند ، در بعضے اوقات بر ظاهر شریعت روند و در باطن بر کفر حقیقی معتقد

یه ملعون اور اس کے متّبعین قرآن ربانی اور احادیث نبوی کے منکر هیں ، لیکن اس بنا پر تا که عوام کو شکار کریں، آیت و احادیث‌زبان‌سے‌پڑھتے‌هیں، چونکه یه کفار مکرو تلبیس سے بھرے هوئے هیں بعضے اوقات ظاهر شریعت پر عمل کرتے هیں ، اور باطن میں

۱ ۔ تذکرة‌الابرار والا شرار ص ۔ ۱۵۰

میباشند (۱) - کفر حقیقی کے معتقد ھیں -

انھیں اس کی محتاط زندگی میں بھی جسے تقوی و تقدس سے تعبیر کیا جا سکتا ھے ، اس کا مکر و تلبیس نظر آتا ھے - ایک جگه وہ بایزید کے ابتدائی حالات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ھیں :

این ملعون در ابتداء احوال در پر شور گیاھے سبز را نه بریدے وسپش را نه کشتے و مورچه راته پا نه آوردے ، و اتباع خویش راچنیں امر کر دے این همه از مکر و تلبیس او بود (۲)

یه ملعون ابتدائے احوال میں پشاور میں سبز گھاس کو بھی نه کاٹتا تھا اور چیونٹی کو بھی پاؤں تلے نه لاتا تھا اور اپنے متّبعین کو اسی کا حکم دیتا تھا ، یه سب کچھ اس کا مکر و تلبیس تھا -

اس کی طویل عبادت اور نمازمیں بھی وہ اس کی خامیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ھیں که :

این ملعون دربدء احوال بعد از زوال به نماز پیش قیام نمودے ، تا به آخر وقت از آں فارغ گشتے ، و بعد از ظهر نماز دیگر شروع کردے تابغروب از آن فارغ آمدے ، و علی هذا القیاس قیام و قعود و رکوع و سجود مخالف شریعت بجا آوردے اما از روئے تحقیق بے طهارت بجا آوردے (۳)

یه ملعون ابتداے احوال میں زوال آفتاب کے بعد نماز ظهر کے لیے کھڑا ھوتا ، اور آخر وقت میں اس سے فارغ ھوتا ، اور بعد نماز ظهر کے دوسری نماز شروع کرتا ، اور غروب تک پڑھتا رھتا ، علی هذا القیاس قیام و قعود، رکوع اور سجده مخالف شریعت بجا لاتا ، لیکن تحقیق سے یه بات ثابت ھے که بے طهارت کے بجا لاتا تھا -

مندرجه بالا اقتباسات سے یه حقیقت آئینے کی طرح سامنے آتی ھے که حضرت اخوند درویزا اپنے مسلک پر بہت پخته تھے ، اور اپنے مسلک کے

---

۱ - تذکرة الابرار والاشرار ص - ۱۵۰
۲ - ایضاً ص - ۱۵۰
۳ - ایضاً - صفحه ۱۵۵ -

مخالفین کے بارے میں وہ اس قدر سخت تھے کہ وہ اپنے عقیدے کی ذرا سی بھی مخالفت برداشت نہ کر سکتے تھے - ہمیں ان کی تحریروں سے ان کے مزاج اور ان کے شدت دینی کے سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ھے - ہم حضرت اخوند درویزا کے تمام احترامات کے باوجود اپنے آپ کو بایزید کے کفر والحاد و زندیقیت کے بارے میں ان سے متفق نہیں پاتے ، اور اس قسم کے تمام اقوال کو جو انھوں نے بایزید کے بارے میں کہے ھیں ان کے شدید جذبۂ دینی پر محمول کرتے ھیں -

وفات :

حضرت اخوند درویزا آخر عمر میں علاقۂ یوسف زئی سے نکل کر پشاور میں مقیم ہوگئے تھے - انھوں نے ۱۰۴۸ھ(۱۶۳۸ع) میں عہد شاھجہانی میں وفات پائی - آپ کا مزار مبارک پشاور میں موضع ھزار خانی کے قریب مرجع خاص وعام ھے (۱) -

صاحبِ ''خزینة الاصفیا'' نے حسب ذیل قطعے میں ان کی تاریخ وفات کہی ھے :

ز دنیا رفت در فردوس والا
چو آں در ویزا درویش معظم
ز والئی رضا جو ارتحالش
بخواں درویزا معشوق مکرم (۲)
۱۰۴۸ھ

اولاد :

حضرت اخوند درویزا کے صاحبزادوں کی تعداد اور ان کے نام ہمیں مُلّا صفی اللہ کی کتاب نظم الدور فی سلک السیر میں ملتے ھیں ، نظم الدور

۱- رود کوثر - صفحہ ۳۷۰ و خزینة الاصفیاء جلد اول - صفحہ ۴۷۱ -

۲- خزینة الاصفیاء جلد اول - صفحہ ۴۷۲ -

میں ہے کہ جب ملاّ امیر کوٹھ سوات جاتے ہوئے موضع کانجو پہنچے جہاں حضرت اخوند درویزا کے صاحبزادے اخوند کریم داد کا مزار ہے، جو شہید بابا کے نام سے مشہور ہیں تو آپ نے رات وہاں گزاری۔ ۹ صفر کو صبح کی نماز کے بعد مُلاّ کوٹھ صاحب اخوند کریم داد کے مزار کی زیارت کے لیے گئے، اور وہاں بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد شہید بابا کی قبر کے متصل حلیم بابا کی جو قبر ہے، اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ یہ شہید بابا کے نواسے کی قبر ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ حضرت اخوند درویزا کے کتنے صاحبزادے تھے؟ اس شخص نے کہا کہ آپ کے تین صاحبزادے تھے، ایک اخوند کریم داد جو شہید بابا کے نام سے مشہور ہیں، جن کا یہ مزار ہے، دوسرے میاں پایندہ محمد، ان کا مزار موضع ادین زئی میں ہے، تیسرے میاں عبداللہ، ان کا مزار اسلام پور میں ہے، اور یہ عبدالحلیم میاں عبداللہ کے صاحبزادے ہیں(۱)۔

سلسلۂ طریقت :

ہم اس قبل (صفحہ ۶۴ تا ۶۷) پر حضرت اخوند درویزا کے پیر حضرت سید علی غواص کے ضمن میں اُن کے چاروں طریقت کے سلسلے نقل کر چکے ہیں۔ حضرت سید علی غواص کا سلسلۂ چشتیہ حضرت خواجہ نظام‌الدین محبوب الٰہی کے توسط سے آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے حضرت اخوند درویزا کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہوا۔ ممکن ہے کہ حضرت سیدعلی‌غواص نے حضرت شیخ نظام‌الدین تھانیسری سے بھی بیعت کی ہو اور اُن کا سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی ہو، مگر سوائے خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے ہمیں اساسی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، واللہ اعلم بالصواب۔

۱- نظم الدُور فی سلک السیر - تالیف مُلاّصفی اللہ (فارسی)، مطبوعہ مطبع فاروقی دھلی - صفحہ ۱۸۵-۱۸۶ -

(۷)

میاں ابو بکر پٹھاری

حالات :

میاں ابوبکر دانشمند پٹھاری اپنے دور کے جلیل القدر عالم ، فقیہ ، صاحبِ تقویٰ و تقدس بزرگ تھے - اخوند درویزا ان کے امر بالمعروف و نہی عن‌المنکر پر ثبات و استقامت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

در ادائے امر معروف و نہی‌منکرچناں مستحکم بود و مبرم که در هیچ اواں رعایت خاطر مہتراں و کہتراں دنیا ننمودے -	وہ ادائے امر معروف اور نہی عن‌المنکر میں‌اس قدر مضبوط اور اٹل تھے‌که اس معاملے میں‌کسی جگه اور کسی موقع پر بھی دنیا کے بڑوں اور چھوٹوں کی رعایت نه کرتے تھے -

اظہارِ حق :

اظہار حق میں وہ اس قدر جری اور بیباک تھے که حق کے کہنے میں وہ بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نه ہوتے تھے ، یہاں تک که سید خاں ککر جس کے علاقے میں وہ رہتے تھے - وہ انواع و اقسام کے تحائف و ھدایا لے کر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ھوتا - آپ اسے دور ھی سے دیکھ کر کافر کہ کر خطاب فرماتے اور اس کی وجه یه تھی که سید خاں ککر نے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا تھا جو شریعت اسلامیه میں حرام ھے اور فقه کا مشہور مسئله ھے که جو شخص زن محرمه کو اپنے نکاح میں رکھے وہ کافر ھو جاتا ھے ، اس لیے که حرام پر مداومت بغیر حلال سمجھے نہیں کرسکتا اور حرام کو حلال ماننا کفر ھے -

اتباعِ سنت :

بے حد متبع سنت تھے ، اتباع سنت کا یه عالم تھا اگر کسی کے فعل یا عمل کو خلاف سنت پاتے تو اس کی ملاقات سے بھی احتراز فرماتے -

ایک دفعہ آپ موضع بیلوت تشریف لے گئے۔ جب اس موضع کے قریب پہنچے تو کچھ دیر آرام کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس موضع کے سادات کو جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو میاں عبدالرحمان جو اس موضع کے بڑے آدمی تھے، سادات کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے جب ان لوگوں کو دور سے آتا ہوا دیکھا تو اشارے سے وہیں روک دیا۔ نہ کسی سے ملاقات کی اور نہ معانقہ اور مصافحہ کیا۔ ان لوگوں نے آپ سے خفگی کی وجہ پوچھی تو فرمایا بات یہ ہے کہ تم نے پاجامے اور آستینوں میں حدودِ شریعت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ شاید تمہیں اس معاملے میں اس وعید کی خبر نہیں کہ جو حدیث نبوی میں ہے۔ پھر آپ نے قینچی لے کر ان کی آستینوں اور پاجاموں کو حدِ شرعی تک کاٹ دیا، اس کے بعد ان سے مصافحہ فرمایا۔

عبادت و ریاضت:

میاں ابوبکر کا بڑا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ وہ رات کو برہنہ سر دو رکعت نماز پڑھتے اور ہر رکعت میں ایک ہزار بار سورۂ فاتحہ پڑھتے، اس کے علاوہ شب و روز ریاضتوں اور عبادتوں میں مشغول رہتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس قدر سخت تھے کہ کسی بے نمازی اور بدعتی کو اپنے شہر میں نہ رہنے دیتے۔

فضائل و مناقب:

ان کے فضائل و مناقب کی مدح سرائی کرتے ہوئے اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ وہ تصوف اور سلوک میں عمل اور قول کے اعتبار سے وحید العصر تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ میرے شیخ سید علی غوّاص ترمذی کے قدموں میں بسر کیا تھا اور علومِ معرفت میں میرے شیخ سے استفادہ کیا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے تین سو ذکر، سند اور صحیح تصور و فکر کے ساتھ میرے شیخ سے حاصل کیے تھے (۱)۔

---

۱ - میاں ابوبکر پٹھاری کے یہ تمام حالات "تذکرۃ الابرار و الاشرار" صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۳ سے ماخوذ ہیں۔

(۸)

شیخ نور محمد پشاوری

حالات :

شیخ نور محمد پشاوری ، سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت آدم بنّوری کے جلیل‌القدر خلفاء اور اصحاب میں ھیں - وہ اپنے زمانے میں ترک و تجرید ، عزلت ، سخاوت اور شجاعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے - انھوں نے ابتدائے جوانی میں لاھور اور سلطان پور میں علوم ظاھری کی تحصیل کی اور حصولِ علم کے بعد شیخ آدم بنّوری کی خدمت میں حاضر ھو کر ان کے دست حق پر بیعت کی اور ریاضتوں و مجاھدوں کے بعد درجۂ کمال پر فائز ھوئے -

رشد و ھدایت :

انھوں نے یوسف زئی علاقے میں رشد و ھدایت کے چراغ کو روشن کیا اور ان کی بدولت یوسف زئی قبیلے کے بہت سے لوگ درجۂ ولایت کو پہنچے -

وفات :

شیخ نور محمد نے ۱۰۵۹ ھ (۱٦۴۹ ع) میں وفات پائی - اس شعر سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ھے :

ندا شد فیض حقانی وصالش
۱۰۵۹
دگر مشکل کشا نور محمد
۱۰۵۹

اولاد :

شیخ نور محمد کی اولاد اور ان کے مرید اب تک اُواح پشاور میں موجود ھیں (۱) -

---

۱ - یہ تمام تفصیل ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول ، صفحہ ۶۳۶ سے ماخوذ ھے -

(۹)

حضرت شیخ رحمکار حضرت کاکا صاحب

نام و لقب :

مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں صدیاں گزر جانے پر آج بھی جن بزرگوں کی عظمت و شہرت کو ثبت دوام حاصل ہے ، ان میں خاندان اویسیہ و سہروردیہ کے روشن چراغ حضرت شیخ رحمکار حضرت کاکا صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے ۔

آپ کا اصلی نام کستیر گل ہے ، لیکن آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ، مخلوقِ خدا پر شفقت کی وجہ سے ''رحمکار'' کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے ، اور چوں کہ آپ کی عظمت اور بزرگی کا نقش ہر ایک کے قلب پر بیٹھا ہؤا تھا ، اس لیے آپ ''کاکا صاحب'' کے خطاب سے بھی مشہور ہوئے۔ 'کاکا' پشتو زبان میں بزرگ اور محترم کو کہتے ہیں ۔ اسی خطاب کی بنا پر آپ کی اولاد بھی آیندہ چل کر '' کاکا خیل'' کے نام سے موسوم ہوئی ۔ مقامات قطبیہ میں ہے ۔

نامہائے حضرت ایشاں آں کہ اشہر خلق بود شیخ رحمکار و شیخ رامکار و کستری و کستر بوقف را بود ، و کثیرالناس نیز اورا کاکا گفتندے و بعض از مردم مغلیہ اورا شیخ رحمان کار خواندے(۱) ۔

حضرت شیخ رحمکار حسینی سادات میں سے ہیں ، آپ کا سلسلۂ نسب تئیس[۲۳] واسطوں سے حضرت امام حسین سے جاملتا ہے ۔

---

۱ ۔ مقاماتِ قطبیہ حصہ اول صفحہ ۱۷

اجداد :

دسویں صدی هجری کے اوائل میں آپ کے اجداد میں سے سید آدم نامی ایک بزرگ علاقۂ خوست سے تشریف لا کر علاقۂ کوهاٹ میں سکونت پذیر هوگئے - انهوں نے موضع کربوغه علاقۂ کوهاٹ میں وفات پائی ، اور کربوغه میں آج بھی ان کا مزار ''آدم بابا'' کے نام سے مرجع خاص و عام ہے -

سید آدم کے صاحبزادے سید غالب جو''غالب بابا'' کے نام سے بھی مشہور هیں ، اپنے والد کی وفات کے بعد موضع کربوغه سے کسی وجه سے ترک سکونت کرکے علاقه خوڑہ تحصیل نوشهره میں مقیم هوگئے - سید غالب ایک صاحب حال بزرگ تھے ، طریقت میں سلسلۂ سهر وردیه (۱) ان کا آبائی طریقه تھا لیکن انهوں نے هندوستان جا کر اور سلسلۂ چشتیه میں بیعت هو کر اس سلسلے کے فیوض و برکات بھی حاصل کیے تھے ، سید غالب نے خوڑہ هی میں وفات پائی ، ان کا مزار علاقه خوڑہ میں مرویه نامی گاؤں کے قریب چھاؤنی چراٹ کی بلند پہاڑی کے نیچے ۳ یا ۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے -

سید غالب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید نادر صاحب جو مست بابا کے نام سے مشہور هیں ، وہ وهاں سے تھوڑی دور منتقل هوکر شمال کی طرف آکر پہاڑیوں میں مقیم هوگئے ، اور وهیں انهوں نے وفات پائی - سید نادر کا مزار زیارت کا کا صاحب سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے - یہی سید نادر حضرت شیخ رحمکار کے دادا هیں -

---

۱ - سهرورد ایک مقام کا نام ہے ، جو عراق کے اندر همدان و زنجان کے درمیان واقع تھا - حضرت شیخ الشیوخ شهاب الدین سهروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابونجیب ، اور ان کے پیر شیخ وجیه‌الدین سهرورد کے رهنے والے تھے ، اس لیے ان کے سلسلے کو سهروردیه کهتے هیں -
(ماخوذ از فٹ نوٹ ''بزم صوفیه'' - صفحه ۷۸۹)

نسب :

حضرت شیخ رحمکار کے اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کو خاندانی اعتبار سے سید لکھا ہے لیکن جس وقت ہم یہ سطور لکھ رہے تھے ہمیں اپنے محترم دوست پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر اباسین کی بدولت سابق صوبۂ سرحد کے ایک محقق جناب محمد سرفراز خاں خٹک عقاب کا ایک رسالہ" کاکا صاحب" ملا ، جس میں موصوف نے حضرت شیخ رحمکار کے نسب پر خاص ریسرچ اور تحقیق کر کے اس رسالے کو لکھا ہے ۔ عقاب صاحب کا خیال ہے کہ شیخ رحمکار سید نہیں تھے ، بلکہ آپ کا نسبی تعلق قوم خٹک سے ہے ۔ انھوں نے اپنے اس دعوے کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں ، ان میں سب سے پہلے آپ کا شجرۂ نسب ہے (۱) ۔ عقاب صاحب کا خیال ہے کہ حضرت شیخ رحمکار کے جد اعلیٰ شیخ آدم جن کا تذکرہ اُوپر گزر چکا ہے ، خوست سے نہیں آئے تھے بلکہ وہ کربوغہ میں اپنے ہم قبیلہ بٹی خیلوں کے ساتھ رہتے تھے ، انھوں نے وہیں وفات پائی ، اور وہیں ان کا مزار موجود ہے (۲) ، شیخ آدم کے والد کا نام یٰسین تھا ، اور انھیں کے نام پر ان کی اولاد یٰسین خیل کہلاتی ہے اور انھیں کی رعایت سے صاحب" تاریخ مرصع" اور صاحب" حالات کوہاٹ" نے حضرت شیخ رحمکار کو یٰسین خیل خٹک لکھا ہے (۳) ، وہ اپنی اس دلیل کو قوی کرنے کے لیے ان قراین کو بھی نظر انداز نہیں کرتے جو حضرت شیخ رحمکار کے خٹک ہونے کے ممد بن سکتے ہیں ، وہ لکھتے ہیں کہ آج بھی یٰسین خیل ، مناھی ، سرور خیل اور تنگی وغیرہ گاؤں میں آباد ہیں ، اور خود حضرت شیخ رحمکار کا پرانا مکان بھی علاقۂ یٰسین خیل میں آباد ہے (۴) ، وہ کہتے ہیں کہ جو حضرت شیخ رحمکار کے نسباً سید ہونے کے مدعی ہیں وہ اس یٰسین کو جو آپ کے

---

۱ - رسالہ کاکا صاحب ص - ۱۶

۲ - ایضاً ص - ۶۶

۳ - ایضاً ص - ۲۷

۴ - ایضاً ص - ۲۷

جد اعلیٰ شیخ آدم کے باپ ہیں اور قبیلۂ خٹک سے تعلق رکھتے ہیں ، اس یسین نامی شخص سے خلط ملط کر دیتے ہیں جو نسباً سید اور بخاری تھا ، اور پشین کے یسین زئی سیدوں کا مورث اعلیٰ تھا ۔ لیکن افسوس ہے کہ یسین زئیوں اور یسین خیلوں کے شجرے بالکل مختلف ہیں ۔ پھر انہوں نے اپنے استناد میں حضرت شیخ رحمکار کے بھائیوں شیخ حیات خاں اور شیخ عفان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ زیارت کاکا صاحب کے نواحی دیہات میں آج بھی شیخ اتان (شیخ حیات) اور شیخ عفان کی اولاد "ابک خیل" کے نام سے موجود ہے ، جو اپنے آپ کو خٹک کہتے ہیں ، پھر انہوں نے اپنے دعوے کی دلیل میں بعض کتابوں کے حوالے دیے ہیں جن میں آپ کو خٹک لکھا گیا ۔ ان کتابوں میں "فاتح الاانساب" ، قلمی تالیف سید محمد شاہ ہے جس کا نسخہ میانگان کے پاس موجود ہے ، اور جو سابق صوبۂ سرحد کے اصلی اور نقلی سیدوں کا تذکرہ ہے ، اس کے صفحہ ۲۱۱ کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ :

> "شیخ رحمکار کی اولاد دعویٰ رکھتی ہے کہ ہم امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں، اور سید ہیں، یہ خالص جھوٹ ہے ، اور ان کا یہ دعویٰ غلط ہے ، اس لیے کہ شیخ رحمکار ایک خٹک تھے" (۱) ۔

پھر انہوں نے میجر رگو کی کتاب صفحہ ۹۳ اور ڈلف مرے کی کتاب صفحہ ۹۴ اور روز جلد ۲ صفحہ ۵۲۷ اور میگل کریکر جلد ۲۔ صفحہ ۹۰۹ سے اور فقیر جمیل بیگ محمد درویش اور عبدالحلیم صاحب کی "مقامات قطبیہ"، صفحہ ۱۵۶ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ سب حضرات شیخ رحمکار کو خٹک لکھتے ہیں ۔

انہوں نے اس سے بھی بحث کی ہے کہ شیخ رحمکار کو نسباً سادات بنانے کے کیا وجوہ تھے۔ وہ ان کے سید بنانے کا الزام صاحبِ "مجمع البرکات" پر لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

---

۱ - رسالہ کاکا صاحب - ص ۴۱

"مجمع البرکات" ہی وہ کتاب ہے، جس میں محرم ۱۲۸۵ ھ (۱۸۶۸ع) میں پہلی مرتبہ آپ کو سید لکھا ، اور کئی لوگوں کی گمراہی کا سبب بنی - پنجاب کے بعد پشاور میں بندوبست ہونے والا تھا ، عوام میں مالیے ، معافیوں ، انعامات کی بخششیں گرم تھیں ، سادات اور آستانہ داروں کو معافیاں ملنے کا امکان تھا ، سید عبداللہ شاہ معتقد کاکا صاحب نے آپ کی اولاد کو سید ثابت کرنے کی سوچی ، اور بیٹھ کر جلد از جلد "مجمع البرکات" مرتب کر ڈالی ، لیکن چونکہ ایک جھوٹ ثابت کرنے کے لیے سو اور جھوٹ کہنے پڑتے ھیں ، اس لیے اس کی کتاب بھی جھوٹ کا پلندا بن کر رہ گئی (۱) -

عقاب صاحب نے جو کچھ لکھا تاریخ اور تحقیق کے نقطۂ نظر سے اس کی اھمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ھمارا خیال ھے کہ حضرت شیخ رحمکار خواہ سید ھوں یا خٹک ان کی عظمت اور شہرت کا دار مدار ان کے سید اور خٹک ھونے پر نہیں ، بلکہ ان کی شرف ومجد کی بنیاد تقویٰ اور پرھیزگاری پر ھے اتقاء اور پرھیزگاری ھی نے ان کو اس مرتبۂ عالی پر فائز کیا کہ آج دو سو باسٹھ سال گزرنے پر بھی اھل نظر ان کے تذکرے کو حرز جاں بنائے ھوئے ھیں ، اور ویسے بھی وہ جس راہ پر گامزن تھے ، اس راہ کے راھی کے متعلق عارف جامی (۲) نے یہ فیصلہ دے کر :

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن "جامی"

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

---

۱ - رسالہ کاکا صاحب - صفحہ ۳۳ -

۲ - مولانا جامی کا نام عبد الرحمن ، لقب عماد الدین و نور الدین ، تخلص جامی تھا - آپ کے والد کا نام احمد بن دشتی تھا - آپ کی ولادت جام میں شعبان ۸۱۷ھ کو ھوئی - مولانا جامی عارف کامل اور علوم ظاھری و باطنی کے ماھر اور جامع تھے اور حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳ پر)

همیشه کے لیے حسب و نسب کی بحث کو ختم کر دیا هے ، لهذا هم بهی اس بحث کو ختم کرتے هوئے آگے بڑھتے هیں -

مست بابا کے صاحبزادے سید بهادر تهے، جو ''ایک صاحب'' کے نام سے بهی مشهور هوئے - صاحبِ ''مجمع البرکات'' نے ان کے نام بهادر کی وجه تسمیه بیان کرتے هوئے لکھا که

''جون در زمان کودکی امور خلائق از ایشاں کشاده شدند ، از آن ویرا حضرت پدر بهادر خاں خواند ، یعنی مرد شجاع -''

جب بچپن هی کے زمانے میں ان سے مخلوق کے کام نکلنے لگے ، تو اس کی وجه سے ان کو ان کے والد نے بهادر خاں که کر پکارا ، یعنی مردِ شجاع -

سید بهادر ایک عابد و زاهد بزرگ تهے ، اور اپنے دور کے اقطاب میں ان کا شمار هوتا تها - انهیں کے صاحبزادے حضرت شیخ رحمکار هیں جو صابق صوبۂ سوحد کے افق پر آفتابِ هدایت بن کر تاباں هوئے ، اور

(باقی حاشیه صفحه ۲۷۲)

سعد الدین کاشغری کے ارشد مریدین میں تهے - زمانۂ طفولیت میں جب آپ خراسان میں تهے تو خواجه محمد پارسا کی صحبت میں ایک عرصے تک رهے - خواجه احرار قدس سره کو بهی آپ سے بڑی عقیدت تهی،اور وه آپ کا بڑا احترام کرتے تهے - چناں چه انتهائی عقیدت اور محبت میں اپنے مکاتیب کو جو آپ کو لکهتے تهے لفظ عرضداشت سے تعبیر کرتے تهے ، اور فرمایا کرتے تهے که خراسان میں ایک آفتاب هے، پهر لوگ چراغ کی روشنی میں ماوراء النهر کیوں آتے هیں ؟ مولانا جامی کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۴ هے - آپ نے ۸۱ سال کی عمر میں ۱۸ محرم بروز جمعه ۸۹۸ھ میں وفات پائی - آپ کا مزار خیابان هرات میں هے(ماخوذ از'' سفینته الاولیاء'' - داراشکوه قادری -''تذکره مولانا عبد الرحمان جامی'')

اس سارے علاقے کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور بنادیا ۔

ولادت :

شیخ رحمکار کی ولادت با سعادت ۳۰ شعبان یا یکم رمضان کو ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ع) میں ھوئی ۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد محترم قصبہ زیارت کا کا صاحب سے جانب جنوب چھ میل کے فاصلے پر جنگل میں مقیم تھے۔

جناب محمد سرفراز خاں خٹک عقاب نے جو سابق صوبۂ سرحد کی ثقافتی اور روحانی تاریخ کے محققین میں سے ایک ھیں اپنے رسالے ''کا کا صاحب'' میں آپ کے سنہ ولادت پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھا کہ سب لوگ ''تاریخ مرصع'' سے خوشحال کی بیاض خاص سے نقل کی ھوئی عبارت کی بناپر کہ بتاریخ ۲۴ رجب ۱۰۶۳ ھ بروز جمعہ ، جمعہ کے خطبے کے وقت جب خطیب نے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو حضرت شیخ رحمکار کی روح نے اس قالب جسمانی کو خالی کردیا ۔ اس وقت شیخ کی عمر قریب اسی سال کے پہنچ چکی تھی ۔ آپ کا سن ولادت آپ کی عمر کے بیاسی سال منہا کر کے ۹۸۳ ھ قرار دیتے ھیں ، حالاں کہ آپ کے ایک مرید فقیر جمیل بیگ نے اپنی کتاب''تذکرۃالاولیاء'' میں لکھا ھے کہ شیخ ملی نے جو شیخ رحمکار کے خاص مرید تھے مجھ سے کہا کہ ھمارے مرشد نے اپنی زندگی کے بیاسی سالوں میں چار من اور چار سیر مختلف قسم کا غلہ یعنی جو اور جوار وغیرہ کھایا تھا ۔ اس روایت کی بنا پر عقاب صاحب کا خیال ھے کہ آپ کا سن ولادت ۹۸۱ھ ھے، اور خوشحال خاں خٹک کی روایت کا جواب دیتے ھوئے وہ لکھتے ھیں کہ لوگوں نے اس عبارت سے سن ولادت متعین کرتے ھوئے لفظ قریب کو نظر انداز کردیا ھے جو خود تخمینے یا اندازے کو ظاہر کرتا ھے(۱)

تعلیم :

علوم ظاھری میں جن بزرگوں نے آپ کے جوھر قابل کو جلا بخشی افسوس ھے کہ ھمیں ان کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں ملتا ، لیکن یہ

---

۱ ۔ ماخوذ از رسالہ کا کا صاحب تالیف محمد سرفراز خاں خٹک عقاب ساکن بنوں ۔ صفحہ ۱۶ - ۱۷

حقیقت ہے کہ شیخ رحمکار بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی علوم متداولہ کی تعلیم سے فارغ ہوچکے تھے ، تفسیر و حدیث سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ، اور تفسیر و حدیث کی تقریباً اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں ۔

حکیم محمد امجد مرحوم نے اپنی کتاب ''تاریخ زیارت کا کا صاحب'' میں آپ کے ایک استاد اخون دین صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

ازیں جہت تشہیر یافته که جناب اخ‌الدین یا اخون الدین صاحب ، استاد کا کا صاحب است	انهوں نے اس وجه سے شہرت پائی که جناب اخ‌الدین یا اخون‌دین کا کا صاحب کے استاد ہیں ۔

تاریخ زیارت کا کا صاحب میں بحواله ''مجموعة الخطب'' منقول ہے که اخون دین صاحب، صاحبِ علم و فضل و بزرگ تھے ۔ وہ حصول معرفت و سلوک کے لیے حضرت شیخ رحمکار کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ چند روز کے بعد انهوں نے واپس جانے کی اجازت چاهی ، مگر آپ نے اجازت نه دی ، مگر وہ بغیر اجازت هی روانه هوگئے ۔ آخر انهیں شیخ کی کرامت سے واپس آنا پڑا ۔ اخون الدین صاحب نے واپسی کے بعد آپ سے درخواست کی که اگر آپ مشکوٰة شریف کے چند سبق مجھ سے پڑھ لیں تو یه میرے لیے موجب تسکین هوگا ۔ حضرت شیخ رحمکار نے ان کی یه درخواست منظور فرمالی ، اور مشکوٰة شریف کے چند اسباق ان سے پڑھ لیے ۔

میله میں قیام:

اپنے والد کی وفات کے تین سال بعد آپ میله تشریف لائے ، اور ایک چشمے کے قریب قیام فرما کر عبادت و ریاضت میں مشغول هو گئے ۔ آهسته آهسته اس علاقے میں آپ کی عبادت وریاضت کی شہرت پھیلی اور لوگوں کا هجوم هونے لگا ۔ دور دور سے لوگ طلب حق میں آپ کے آستانے پر حاضر هوتے اور رشد و هدایت سے فیض یاب هوکر جاتے ۔

اکبر کی عقیدت :

''مجمع البرکات'' کے بعض اندراجات سے پته چلتا ہے که جس زمانے میں اکبر بادشاہ دهلی سے پشاور آیا تو اس نے نوشهره میں آپ سے ملاقات

کی اور نہایت عقیدت سے پیش آیا اور آپ سے گزارش کی کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمایے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے غیراللہ سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو آپ کو اٹک تک اپنے ساتھ لے گیا اور وہاں سے اس نے آپ کو نہایت عزت واحترام سے واپس کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس نے انکار کے باوجود علاقۂ خٹک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر میں دیا، لیکن آپ نے وہ جاگیر پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک کے والد شہباز خاں خٹک کو دے دی جو ان کے مرید تھے۔

بیعت :

شیخ رحمکار کے تذکرہ نگاروں نے آپ کا سلسلۂ طریقت اویسی بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

”و طریقۂ شیخ اویسی(۱) بود، ونور حضرت نبی صلی اللہ علیہ‌وسلم مربی و از قول صریح او قدس سرہ این طریقۂ اویسی معلوم شدہ است، حضرت‌ایشان‌طریقۂ‌اویسی‌بہرکس‌ظاہر نمی‌کرد و نمی‌گفت، از جہت آنکہ از اسرار است‌وسر اسرار اولٰی‌تر است۔“	حضرت شیخ (رحمکار) کا طریقہ اویسی تھا اور نبی صلی اللہ عیلہ وسلم کا نور آپ کا مربی تھا آپ کے قول صریح سے آپ کا یہ طریقہ اویسی معلوم ہؤا ہے آپ اس طریقۂ اویسی کو ہر ایک پر ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی سے کہتے

۱ - اویسیہ طریقے کے سلسلے میں ابوالفضل نے ”آئین اکبری“ میں لکھا کہ یہ مرتبۂ بزرگ (ولایت) بجز خدا کی مدد یا قسمت کے حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ بیشتر یہ مرتبہ بالواسطہ یعنی مرشد کی امداد سے حاصل ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات بلاواسطہ بھی اس مرتبے تک پہنچتے ہیں۔ قسم ثانی کے اولیاء کو اویسی کہتے ہیں۔ ماخوذ از ترجمہ ’آئین اکبری‘ جلد دوم۔ صفحہ ۳۱۸

تھے ، اس لیے کہ وہ اسرار میں سے ہے، اور اسرار کا چھپانا زیادہ بہتر ہے ۔

''مقامات قطبیہ'' میں ہے ۔ اویسی طریقہ داشت ، نوازش زنبی یافت (۱)

اویسی طریقے کا طالب براہِ راست فیضان نبوی سے مستفید ھوتا ہے ، لیکن ''مجمع البرکات'' میں ہے کہ اویسی طریقے کے علاوہ آپ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت تھے ۔

''مقامات قطبیہ'' میں ہے کہ

''واز قول حضرت ایشاں نشنیدہ ام لیکن از آداب و مدح بسیار ، و رفتن بسوے مزار پر انوار بخاطر میرسد کہ بطریقۂ سہروردی از جانب پدر خود شیخ بہادر ہم نسبتے دارد (۲) و از قول صریح او قدس سرہ' طریقۂ اویسی معلوم نشدہ است(۲) ۔''

اگرچہ میں نے حضرت سے نہیں سنا ، لیکن آپ کے غیر معمولی ادب اور بہت تعریف کی وجہ سے ، اور مزار پرانوار پر جانے کی وجہ سے مجھے خیال ھوتا ہے کہ وہ طریقۂ سہروردی میں اپنے والد شیخ بہادر سے بھی نسبت رکھتے تھے ۔ اور آپ کے صریح قول سے آپ کا اویسی ھونا معلوم نہیں ھوتا ہے ۔

''مجمع البرکات'' میں ہمیں وثوق کے ساتھ اس کی تصریح ملتی ہے کہ آپ نے یقینی طور پر سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت کی تھی ، ''مجمع البرکات'' میں کے کہ

''ایشاں قدس سرہ' بہ اتفاق مشائخ وارباب عرفان ذی تحقیق وعلماء ذی تدقیق نزد ہیچ کس بیعت نکرد ، غیراز پدر بزرگوار خود ۔''

انھوں نے یعنی (شیخ رحمکار) قدس سرہ' باتفاق مشائخ اور ارباب عرفان ذی تحقیق و علماء ذی تدقیق کسی سے بیعت نہیں کی تھی سوائے اپنے والد بزرگوار کے ۔

---

۱ - ''مقامات قطبیہ'' ۔ صفحہ ۱۹

۲ - ایضاً ۔ صفحہ ۲۱

صاحب ''مجمع البرکات'' کا خیال ہے کہ آپ کے والد شیخ بہادر سلسلۂ چشتیہ میں شیخ محمد جعفر لاہوری چشتی سے بیعت تھے ۔ ان کا خیال ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں بھی آپ کی بیعت وخلافت ہوگی ۔

جناب سرفراز صاحب عقاب مؤلف رسالہ ''کا کا صاحب'' نے حضرت شیخ رحمکار کے طریقت اور ان کے مرشد کے متعلق بحث کرتے ہوئے مختلف کتابوں کے حوالے سے لکھا کہ ''مراقبات رحمکار'' کی منقبت نمبر ۲۳ میں آپ کا طریقہ اویسیہ اور منقبت نمبر ۸ میں قلندریہ لکھا ہے ۔ ''مقامات قطبیہ'' سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ سہروردیہ تھا (۱) ۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کا پیر کون تھا ۔ آپ کے مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کے مختلف پیر بتائے ہیں، مثلاً اخوند اسمٰعیل(۲) نے جو آپ کے مرید ہیں ۱۰۷۹ھ میں اپنی کتاب ''مناقب رحمکار''میں منقبت نمبر۱۶ میں شیخ حسن بیگ کے حوالے سے جو آپ کے مریدوں میں سے ایک تھے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے پیردستگر پیر سباک کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے (۳) ان کے ۶۷ سال بعد ''قصۃ المشائخ'' کے مؤلف نے اپنی کتاب ''قصۃ المشائخ'' میں لکھا کہ پیر سباک کے بہت سے مرید تھے ، چناں چہ شیخ رحمکار خٹک ، جن کا مزار حدود خٹک میں ہے اور جو کامل

---

۱ - ''کا کا صاحب'' - صفحہ ۵۳

۲ - اخوند اسمٰعیل مصنف''مراقبات رحمکار'' حضرت شیخ رحمکار کے مریدوں میں تھے ، چہار باغ سوات کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد کا نام شاہ ویس تھا انھوں نے فارسی نثر اور نظم میں ۱۰۷۹ھ(۱۶۶۸ع)اور۱۰۸۶ھ کے درمیان'مراقبات رحمکار' لکھی جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی ۔ حضرت شیخ رحمکار کے مناقب پر سب سے قدیم اور مستند کتاب ہے۔ اس میں اخوند اسمٰعیل کے بیٹے مظفر کی دو نظمیں بھی شامل ہیں (ماخوذ از رسالہ ''کا کا صاحب''۔ تالیف محمدسرفراز خاں عقاب صفحہ ۶

۳ - ایضاً ۔ صفحہ ۴۸

اکمل پیر تھے سباک کے صحابہ میں سے ایک تھے(۱) میر احمد شاہ رضوانی، صاحب ''تحفۃ الاولیاء'' نے آپ کا پیر اخوند پنجو بابا کو بتایا ہے(۲)، محمد درویش نے اپنی کتاب ''تحفۃ السالکین'' میں آپ کے پیر کا نام حاجی بہادر کوہاٹ لکھا ہے ، وہ لکھتے ہیں کہ :

''ایک دن ایک شخص نے میرے مخدوم (حاجی بہادر کوہاٹ) کی مجلس میں یہ بات شروع کی کہ مشائخ پناہ......شیخ رحمکار خٹک نے لوگوں میں فقر کا ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور خٹک ، یوسف زئی اور پشاور وغیرہ کے سب لوگ ان کے پاس طلب اور باطنی کمالات حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں ۔''

یہ سن کر ایک ساعت خاموش رہے...ایک گھنٹے کے بعد......اخوند اللہ داد قوم اوان...کو بلایا اور اس سے کہا کل اس شخص کے پاس جاؤ اور...اسے کہو کہ...تم نے لوگوں کی تلقین اور ارشاد کی راہ اختیار کی ہے اور طالبان حق کو اپنا مرید بناتے ہو ، حالانکہ ظاہر میں تمہارا پیر اور مرشد نہیں ہے......اور پیر طریقت کے اذن اور اجازت کے بغیر پیری کرنی جائز اور روا نہیں ، جو کوئی ظاہری پیر اور مرشد نہیں رکھتا ، وہ اویسی کہلاتا ہے ، ان کے لیے ارشاد اور تعلیم لینے اور دینے کا راستہ بند ہے ، کیوں کہ طالبان حق کو ان سے فائدہ نہیں ملتا...اور تم اویسیوں کے گروہ سے ہو...اس خیال اور اشغال سے اجتناب کرو ۔

جب اس نے یہ سنا...تو نعرہ لگایا کہ...چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص رخصت ہوجائے ۔ اس پر سب لوگ جو وہاں جمع تھے تتر بتر ہوگئے۔ بیس پچیس دن کے بعد اللہ داد

---

۱ - ماخوذ از رسالہ کاکا صاحب تالیف محمد سرفراز خان عقاب صفحہ ۴۷

۲ - ایضاً ۔ صفحہ ۴۲

کو دوبارہ اس کے پاس بھیجا اور دعا اور توجہ کرنے کی اجازت دے دی۔۔۔تب شیخ رحمکار نے پھر زور سے نعرہ لگایا کہ کوھاٹ کے صاحب نے مجھے اذن اور اجازت دی ھے۔۔۔آؤ ممانعت نہیں ھے -

''تحفتہ السالکین'' کے آخر میں جو اشعار ھیں ، ان میں حاجی بہادر صاحب کوھاٹ کے مریدوں کا ذکر ھے ، ان میں سے ایک شعر یہ ھے :

شیخ رحمکار عاشق و صادق
هم ازو بہره یافت شد لائق (۱)

حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم نے اپنی کتاب ''مقامات قطبیه'' میں آپ کو اویسی لکھا ھے اور آپ کے والد کے مزار پر زیادہ آمد و رفت دیکھ کر اس خیال کا بھی اظہار کیا ھے کہ شیخ رحمکار سلسلۂ سہروردیه میں اپنے والد کے مرید تھے - پھر شیخ عبدالحلم نے اس قرینے کو بھی اپنی دلیل بنایا ھے کہ جب وہ اپنے والد کا نام لیتے تو نہایت ادب سے لیتے اور ان کو ریشتنی (راست گو) کہتے تھے ، چناں چه وہ لکھتے ھیں کہ

''ھر گاہ چوں نام پدر خود قطب عالم شیخ بہادر صاحب یاد میکردے بطریق ادب یاد میکردے ، و او را ریشتنی (راست گو) می گفتے- (۲)''

جب کبھی وہ اپنے والد قطب عالم شیخ بہادر کو یاد کرتے ، نہایت ادب سے یاد کرتے ، ان کو ریشتنی (راست گو) کہتے -

عقاب صاحب نے اپنے رسالے '' کا کا صاحب''میں حضرت شیخ رحمکار کے سلسلۂ طریقت اور مرشد کے متعلق ان تمام اختلافات و اقوال کونقل کرتے ہوئے صاحب''تحفۃالسالکین''کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا کہ وہ ان تمام روایت و اقوال کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے ھیں کہ حضرت شیخ رحمکار ، حضرت شیخ حاجی بہادر کوھاٹ کے ماذون تھے ، لیکن چونکہ

---

۱ - رسالہ '' کا کا صاحب'' صفحہ ۵۰-۵۱-
۲ - ''مقامات قطبیه'' باب اول صفحہ ۲۱ -

آپ کو حاجی بہادر سے اذن تھا اور آپ نے ان سے طریقہ حاصل نہیں کیا تھا ، اس لیے حاجی بہادر کے سلسلے کے مطابق آپ نقشبندی نہ تھے ۔

لیکن عقاب صاحب کے ان دلائل کے باوجود ہم اپنے آپ کو ان کا ہم خیال نہیں پاتے ، بلکہ ہم آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم صاحبِ ''مقامات قطبیہ'' کے اس قیاس کو ترجیح دیتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے والد کی جانب سے سلسلۂ سہروردیہ میں ماذون تھے ۔ چونکہ شیخ عبدالحلیم آپ کے صاحبزادے ہیں ، صاحبِ علم و فضل اور صاحب تقویٰ ہیں ایک بیٹے سے زیادہ اپنے باپ کے حالات کو اور کون جان سکتا ہے ، اس لیے ہم انہیں کے قیاس کو قرین قیاس سمجھتے ہیں ۔ پھر ہمارا یہ قیاس ، یقین کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے ، جب کہ آپ کے ایک اور معتقد سید عبداللہ شاہ مؤلف ''مجمع البرکات'' کی روایت صراحت سے ہمیں اس قیاس کی تائید میں ملتی ہے جسے ہم گزشتہ اوراق میں نقل کر آئے ہیں ، جس میں واضح طور سے مذکور ہے کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے والد سے بیعت تھے ۔

عشق الٰہی :

حضرت شیخ رحمکار عشقِ الٰہی سے سرشار اور مقامِ عبدیت کی انتہائی منزل پر فائز تھے ۔ وہ اس منزل کے کیف اور لذتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :

ایں لفظ از خواص حضرت ایشاں بود کہ از روئے مہربانی با بسیار کساں میگفتندے کہ شیخی بہ شیخاں بخشیدم ، پیری بہ پیراں بخشیدم و سلوک بہ سالکاں بخشیدم و تصوف بہ صوفیاں بخشیدم و من بر آنم کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زنجیر بندہ گری در گردن من انداختہ و او تعالیٰ ایں زنجیر از گردنم بدر

حضرت شیخ (رحمکار) کے خصوصی الفاظ میں سے یہ ایک تھا جو مہربانی کی بنا پر بہت سے لوگوں سے کہتے تھے کہ میں نے شیخی شیخوں کو اور سلوک سالکوں کو اور تصوف صوفیوں کو بخش دیا ، اور میں اس پر ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی بندگی کی زنجیر میری گردن میں ڈال دے اور حق تعالیٰ

نگردانند (۱) یه زنجیر میری گردن سے نه نکالے

شیخ عبدالحلیم صاحب ''مقامات قطبیه'' نے ان کو شہباز اوج و عشق و محبت اور شہسوار میدان عبودیت بتاتے ہوئے لکھا که :

حضرت شیخ المشائخ شیخنارا طی مقام عبودیت حاصل شده و یقین کامل و صدق دل اورا روئے داده و راہ حقیقت بر او کشاده و شہباز اوج عشق و محبت بود(۲)	حضرت شیخ المشائخ ہمارے شیخ کو مقام عبودیت حاصل ہو چکا تھا اور یقین کامل اور صدق دل کی منزل آپ پر ظاہر ہوچکی تھی اور راہ حقیقت آپ پر کھل چکی تھی ۔ آپ عشق و محبت کی بلندیوں کے شہباز تھے ۔

آگے چل کر لکھا ہے که

حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سره شہسوار میدان عبودیت و صدق و یقین بوده(۳) ۔	حضرت شیخ المشائخ ہمارے شیخ قدس سره میدان عبودیت کے شہسوار تھے ۔

استغنا و بے نیازی :

استغنا و بے نیازی حضرت شیخ رحمکار کا امتیازی وصف تھا ۔ وہ نه صرف خود دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز رہتے تھے بلکه اپنے مریدوں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے ۔ ''مقامات قطبیه'' میں ہے که :

حضرت ایشاں ترک حب دنیا کرده بودند ۔ یک مرید را زبان مبارک قسم ظاہر نمود که زر سرخ و سفید در دل من برابر سنگ است (۴)	حضرت شیخ (رحمکار) دنیا کی محبت ترک کیے ہوئے تھے ۔ ایک مرید سے قسم کھا کر فرمایا که سونا اور چاندی میرے دل میں پتھر کے برابر ہے ۔

۱ ۔ مقامات قطبیه ۔ صفحه ۱۹
۲ ۔ ایضاً صفحه ۱۱۱
۳ ۔ ایضاً صفحه ۱۱۲
۴ ۔ ایضا ۔ صفحه ۱۵۹

اپنے مریدین کو بھی استغنا اور بے نیازی کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ دنیا سے بےنیاز ہو کر آخرت کی زندگی کو اپنا مقصدِ اعلیٰ بنائیں۔ "مقاماتِ قطبیہ" میں ہے کہ:

حضرت ایشاں بعض اصحابِ خود را در باطن از کار دنیا میداشتند که در بودن دنیا هیچ فائده نیست(۱)

آپ اپنے بعض اصحاب کو باطن میں کارِ دنیا سے روکا کرتے تھے کہ محض دنیا کے دھندوں میں پڑ جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ایک مرتبہ شیخ دریا خاں چمکنی(۲) جو آپ کے جلیل القدر خلفاء

۱۔ مقامات قطبیہ صفحہ ۱۱۱

۲۔ شیخ دریا خاں چمکنی ایک رئیس تھے۔ امارت کو چھوڑ کر فقر کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے حضرت سید آدم بنوری کے حلقۂ اردات میں داخل ہوئے، پھر حضرت شیخ رحمکار سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا (ماخوذ از تذکرۂ شیخ رحمکار صفحہ ۱۳۴) مقاماتِ قطبیہ میں ہے کہ شیخ دریا چمکنی نے آپ سے حج کی اجازت طلب کی، لیکن آپ نے اجازت نہ دی پھر وہ چند دن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی اور کچھ دور تک ان کو رخصت کرنے کے لیے گئے۔ جب رخصت کرکے لوٹنے لگے تو فرمایا کہ یہ دیکھنا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دیکھنا ہے۔ شیخ دریا خاں حج کے لیے چلے گئے۔ جب وہ حج کرکے واپس ہوئے تو انھیں راستے میں حضرت شیخ کی رحلت کی خبر ملی۔ انھیں آپ کا وہ قول یاد آیا کہ چلتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دیکھنا تو قیامت کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے۔ انھیں اس وقت اندازہ ہؤا کہ ان کے شیخ نے ان کو اس طرح دائمی طور پر رخصت کیا تھا۔

(مقامات قطبیہ۔ صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲)

میں تھے آپ کی خدمت میں کچھ مٹھائی لے کر حاضر ہوئے۔ جب انھوں نے آپ کی خدمت میں پیش کی تو فرمایا کہ :

مرتبۂ دیگر ایں میار کہ عاشقانِ خدا را بایں خاشاک کارنیست (۱)

دوسری مرتبہ یہ مت لے کر آؤ کہ عاشقان خدا کو خس و خاشاک سے کیا واسطہ ۔

تواضع و انکسار :

اس مرتبۂ عالی پر فائز ہونے کے باوجود آپ بے حد متواضع اور منکسرالمزاج تھے ۔ ''مقامات قطبیہ'' میں ہے کہ :

حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سرہ، کثیر المتواضع بود و از کبر و خودی بالکل منقطع بود(۲) ۔

حضرت شیخ قدس سرہ بہت متواضع اور کبر و خودی سے بالکل منقطع تھے ۔

علم و فضل :

علومِ رسمیہ و شرعیہ میں بھی آپ آفتابِ علم تھے ۔ تقریباً پچیس سال تک آپ تحصیلِ علم میں مصروف رہ کر علم و فضل کا درخشاں آفتاب بنے ۔ علومِ قرآنیہ سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ۔ ''مقامات قطبیہ'' میں ہے کہ :

حضرت شیخنا در دقائق و اسرار معانی قرآنِ سرّے و در کۂ عظیم داشت ۔

ہمارے شیخ قرآن مجید کے معانی کی باریکیوں اور قرآن مجید کے اسرار کے سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

قرآن مجید کی تفاسیر کے مطالعے کا بھی غیر معمولی ذوق تھا ۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و اصولِ فقہ کی تقریباً اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے پاس رہتی تھیں ۔ ''تفسیر بحرالمعانی'' کو بے حد پسند فرماتے تھے ۔ ان اٹھارہ کتابوں کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ :

ایں تعلیم ظاہری فقیر است ۔

یہ فقیر کی ظاہرا تعلیم ہے ۔

---

۱ - مقاماتِ قطبیہ صفحہ ۱۲۲

۲ - ایضاً صفحہ ۸۶

کبھی فرماتے کہ :

مرا ایں چراغہا است ، بہ روشنی اینہا می روم و می کنم و می دارم ، آنچہ دروے ہست و اجتناب ورزم آں کہ در آں ممنوع است (۱)

میرے لیے یہ کتابیں چراغ ھیں - میں ان کی روشنی میں چل رھا ھوں اور اس پر عمل کرتا ھوں جس پر ان میں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ھے اور ان سے اجتناب اختیار کرتا ھوں جن سے ان میں روکا گیا ھے -

عملی طور سے جہاں آپ دریائے تصوف کے شناور تھے ، وھیں ایک عالم علوم تصوف کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا - "مقامات قطبیہ" میں ھے کہ :

حضرت ایشاں را در علم الیقین و حق الیقین و عین الیقین حظ عظیم و علم کامل بود ، دریں مقامات درک وافر میداشت ، زیرا کہ طے ہمہ مقامات کردہ ، و ہمہ را دیدہ و منظور و محظوظ آنہا بودند(۲) -

حضرت علم الیقین ، حق الیقین اور عین الیقین میں بڑا حصہ رکھتے تھے اور آپ کا علم کامل تھا اور ان مقامات میں بڑا درک رکھتے تھے ، کیونکہ آپ نے یہ تمام مقامات طے کیے تھے اور ہر ایک کو دیکھا تھا اور ان سے حظ حاصل کیا تھا -

تعلیم و تعلّم سے خاص ذوق تھا - آپ کی نگرانی و اہتمام میں سات مدرسے قائم تھے - ان میں سے تین مدرسوں میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی اور چار مدرسوں میں مختلف فنون پڑھائے جاتے تھے -

تذکیر و وعظ :

حضرت شیخ رحمکار کے نظام اصلاح و تربیت میں تذکیر و وعظ کو بڑی اھمیت حاصل تھی - آپ کے مواعظ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، حکمت و موعظت کا ایک گنجینہ ھوتے تھے - اثر و تاثیر کا یہ عالم تھا

---

۱ - تذکرۂ شیخ رحمکار بحوالۂ مجمع البرکات صفحہ ۳۳۹

۲ - مقامات قطبیہ - صفحہ ۷۷

کہ "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ آپ کے وعظ میں ایک خاص اثر تھا ، جس سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا ۔

شیخ عبدالحلیم مؤلف "مقاماتِ قطبیہ" کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ رحمکار نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ وعظ کہو ، میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق منبر پر بیٹھ کر وعظ کہا ، قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطالب و نکات نہایت دل آویز طریقے پر بیان کیے ، لیکن مجھے ایسا محسوس ہؤا کہ میرے سحرِ خطابت نے سامعین کو بالکل متاثر نہیں کیا ۔ میں اپنا وعظ ختم کرکے منبر پر سے اُترا اور آپ منبر پر تشریف لائے ۔ خطبۂ ماثورہ پڑھنے کے بعد ابھی آپ نے زبان مبارک سے دو چار کلمے ہی ادا فرمائے تھے کہ مجمع کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی ، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہو ۔ پھر دوسرے ہفتے بھی آپ نے وعظ فرمایا اور اس دن بھی یہی حالت ہوئی ۔ رات کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت ! اس کی کیا وجہ ہے کہ میں نے اس دن وعظ کہا لیکن میں کسی کو بھی متاثر نہ کر سکا اور آپ نے دونوں دفعہ چند کلمات ارشاد فرمائے اور مجمع بے قرار ہوگیا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :

اے فرزند ! تو ہرچہ گفتی و گوئی سخناں از خود گوئی و بزبان خود میگوئی ، ہرچہ داری، و فقیر بزبان غیر گوید(۱)	اے فرزند تم نے جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ کہتے ہو ، اپنی زبان سے کہتے ہو جو کچھ رکھتے ہو اور فقیر کسی اور کی طرف سے کہتا ہے ۔

عادت مبارک تھی کہ جمعہ اور پنجشنبہ کے روز اشراق کے وقت سے لے کر چاشت کے وقت تک وعظ فرماتے تھے ، جس میں علماء اور اہلِ سلوک شریک ہوتے تھے ۔ اس مجلس میں عام لوگ شریک نہیں ہو سکتے تھے ۔ جمعہ کی نماز کے بعد جو وعظ فرماتے تھے ، وہ بہت ہی عام فہم اور سلیس زبان میں ہوتا تھا ۔ اس میں سب شریک ہوتے ۔ اس وعظ میں آپ ترغیب و تربیت کے مسائل اور ضروری دینی مسائل پیش فرماتے تھے ۔ یہ وعظ کبھی

---

۱ ۔ مجمع البرکات ۔ صفحہ ۳۴۴

عصر کی نماز تک اور کبھی ذرا اس سے پہلے تک جاری رہتا ۔

آپ کے مواعظ ہمیشہ پشتو زبان میں ہوتے تھے ، لیکن اگر کوئی دوسری زبان کا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اسی کی زبان میں اس کو جواب دیتے اور اس سے اس طرح گفتگو فرماتے گویا اس زبان کے اھلِ زبان میں ھیں ۔ صاحبِ ''مجمع البرکات'' نے آپ کے مختلف زبانوں کی مہارت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

در دنیا زبانے نبود که بایشاں نیامده و حضرت به همه مطلع بود، به هر زبان سخنان فرموده توگوئی که خاصه از اھلِ ایں زبان است ۔

دنیا میں کوئی زبان ایسی نہ تھی کہ آپ کو نہ آتی ہو ، حضرت تمام زبانوں سے واقف تھے اور ہر زبان میں اس طرح باتیں کرتے تھے کہ تم سمجھو گے گویا آپ خاص اس زبان کے اھل زبان میں ھیں ۔

اخفا :

حضرت شیخ رحمکار اخفائے حال کو پسند فرماتے تھے ، شہرت اور لوگوں کے ھجوم سے گریز کرتے تھے ۔ ''مقاماتِ قطبیه'' میں ھے کہ :

مدتے چند هر کسے که بزیارت او آمدے خوراک طعام وغیره نمیدادے تا شاید که ایشاں منع شوند ، پس زائرین توشه و زاد همراه خود آوردندے ، و مردم قرا می پختند ، بعد ازآں حضرت ایشاں امر کرد ، کسانے که نزدیک او بودند و سکونت بقریب ایشاں داشتند ،

ایک مدت تک جو کوئی بھی آپ کی زیارت کو آتا اس کو کھانا اور خوراک وغیرہ نہیں دیتے تھے تاکہ شاید اس طرح لوگ آنے سے رک جائیں ، پس (یہ دیکھ کر) زیارت کے لیے آنے والے توشه اور زادِ راہ اپنے همراہ لانے لگے اور گاؤں کے لوگ ان کو پکا کر دینے لگے ۔ اس

---

۲ ۔ مقامات قطبیه ۔ صفحه ۱۲۲

۳ ۔ مقامات قطبیه ۔ صفحه ۸۶

تا زادلا و توشۂ زائران نپزند ، تاغلو و انبوہ خلق نشود ، بعد ازآں زائران حضرت شاں زاد و توشہ مع دیگھائے خود آوردندے و می پختے ۔ چناں کہ حضرت شاں حکم کرد کہ دیگھائے زائرین بشکستند ، بس ازآں زائرین گرسنہ میبودند و ھم منع نشدند پیاپے می‌آمدند ، چوں مدتے بریں گذشت حضرت شاں فرمود کہ قصد آں داشتم کہ ابنوہ خلق ازخود منع کنم و چوں حق جل و علا در پئے ما گماشتہ ۔ ھیچ وجہ خلاصی نمی بینم و چارہ ندارم ۔ بعد ازآں رخصت داد کہ ھر کہ خواھد خدمت ایشاں کردہ نمایند وخود ھم‌احیاناً ایشاں راچیزے خوردنی می دادند(۱)

کے بعد حضوت شیخ رحمکار نے اپنے آس پاس رھنے والوں کو حکم دیا کہ وہ زائرین کا کھانا نہ پکائیں ، تاکہ لوگوں کا ھنگامہ اور ھجوم نہ ھو ۔ اس کے بعد زائرین کھانے پینے کی چیزیں اور دیگیں اپنے ساتھ لانے لگے اور خود پکانے لگے ۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ رحمکار نے حکم دیا کہ ان زائرین کی دیگیں توڑ دی جائیں ، پس آنے والے زائر بھوکے رھنے لگے ، مگر پھر بھی آنے سے نہ رکے۔ اس پر بھی پے در پے آتے تھے۔ جب اس طرح ایک زمانہ گزر گیا (اور یہ رنگ نہ بدلا) تو حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کے ھجوم کو اپنے پاس آنے سے روکوں لیکن جب حق جل و علا نے میرا یہ مقدر کر دیا ھے میں اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت اور چارہ نہیں دیکھتا ۔ پھر آپ نے اجازت دے دی کہ جو چاھے زائریں کی خدمت کرے اور خود بھی کبھی کبھی زائرین کو کھانے کے لیے کچھ چیزیں بھیجتے تھے ۔

---

۱ ۔ مقامات قطبیہ حصہ اول ۔ صفحہ ۲۰

فیاضی و سخاوت :

فیاضی و سخاوت حضرت شیخ رحمکار کا امتیازی وصف تھا - وہ اس وصف میں درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ قرض لے کر لوگوں پر خیرات کرتے - ''مقاماتِ قطبیہ'' میں ہے کہ شیخ رحمکار کی شفقت مسکینوں اور فقیروں پر زیادہ تھی - جتنا کوئی غریب ہوتا تھا آپ کو زیادہ محبوب ہوتا تھا (۱) فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ :

حضرت ایشاں چنداں قرض و وام برائے صدقات و خیرات میگرفتے کہ بعقل نمی آمد کہ حضرت ایشاں ازیں قرض خلاص شوند - مگر حق جل و علا آں قرض را در مدتِ قلیل ادا کردے و بدستور حضرت ایشاں دیگر قرض گرفتے و خیرات فرمودے و آناں را نیز دراقل مدت حق تعالیٰ بلطف خود ادا فرمودے و تا وقت مرگ بریں نمط قرضہا میکردندے و تصدق نمودندے(۲)

حضرت شیخ رحمکار اس قدر قرض و اُدھار صدقات و خیرات کے لیے لیتے تھے کہ عقل میں نہیں آتا تھا کہ آپ اس قرض سے کس طرح چھٹکارا حاصل کر سکیں گے - مگر حق جلّ و علا اس قرض کو تھوڑی مدت میں ادا کروا دیتا تھا اور بدستور حضرت اور قرض لے لیتے تھے اور حق تعالیٰ اس کو بھی کم مدت میں اپنے لطف خاص سے ادا کروا دیتا - یہاں تک کہ اپنی وفات تک اسی طرح قرض لیتے رہے اور صدقہ کرتے رہے -

''مقاماتِ قطبیہ'' میں ہے کہ آپ کے والد حضرت شیخ بہادر کی وفات کے بعد جو ترکہ آپ کو ملا آپ نے وہ سب کا سب ایک دم راہِ خدا میں خیرات کردیا -

جب آپ کی خانقاہ میں طالبانِ حق کا ھجوم بڑھا تو آپ نے ان کے لیے لنگر کا انتظام فرمایا - آپ اکثر لنگر کی وجہ سے مقروض ہو جاتے تھے - مریدین و معتقدین میں سے کوئی قرض پر پریشانی کا اظہار کرتا تو فرماتے:

---

۱ - مقامات قطبیہ حصہ اول - صفحہ ۱۴۶

۲ - ایضاً - صفحہ ۱۴۶

اے فرزند ! غم مخور ، حق سبحانه و تعالیٰ مسبب الاسباب هست ، هرکه به او تکیه کند روزی او فراخ است، و اولاد او نیز از برکت توکل او در دنیا بسیار عیش دار باشد(۱)	اے بیٹے ! کچھ غم نه کرو ۔ حق سبحانه و تعالیٰ مسبب‌الاسباب هے جو کوئی اس پر بھروسه کرتا هے نه صرف اس کی روزی فراخ هوگی بلکه اس کی اولاد کو بھی توکل کی وجه سے دنیا میں اچھی روزی حاصل هو گی ۔

حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور کسی سائل کے سوال کو رد نه کرنا آپ کا خاص شعار تھا ۔ ''مجمع البرکات'' میں هے که :

گاهے سائلے از هر نوع تاآخر ازدرگاه ایشاں تہی و بے نوا نماند ، اگرچه سوالش از حد متجاوز بود(۲)	کسی نوعیت کا سائل آخر وقت تک آپ کی بارگاہ سے خالی هاتھ نه جاتا تھا اگرچه اس کا سوال حد سے بڑھا هؤا هوتا ۔

حسنِ اخلاق و سادگی :

حضرت جمیل بیگ مشهور به فقیر صاحب مرید و خلیفۂ خاص حضرت شیخ رحمکار کی ایک تالیف''تذکرۃالاولیاء'' کے نام سے پشتواکیڈیمی پشاور میں هماری نظر سے گذری جو خود ان کے قلم کی لکھی هوئی هے ۔ یه کتاب فارسی میں هے اور اس میں قدیم مختلف صوفیه کے تذکرے هیں ۔ کتاب کے شروع میں حضرت جمیل بیگ نے اپنے مرشد حضرت شیخ رحمکار کے کچھ حالات اور مناقب لکھے هیں ۔ انهوں نے اپنے مرشد کی سیرت اور حسن اخلاق کے متعلق جو کچھ لکھا هے هم اس کا ترجمه یہاں دیتے هیں که اس سے همارے سامنے حضرت شیخ رحمکار کی پاکیزہ سیرت ، بلندیِ کردار اور حسنِ اخلاق اور ان کے معمولات کی صحیح تصویر آتی هے ۔ جمیل‌بیگ نے اپنے شیخ کے مناقب و اوصاف اور معلومات پر روشنی ڈالتے هوئے لکھا هے :

---

۱ ۔ مجمع‌البرکات ۔ صفحه ۱۲۲
۲ ۔ ایضاً صفحه ۳۳۲

خدائے تعالیٰ نے بلوغ ہی سے میرے مرشد کو ان چند باتوں سے نوازا تھا تاکہ ان کی عمرِ عزیز ضائع نہ ہو ۔ آپ خاموش اور گوشہ نشین تھے ۔ بات نرمی سے کرتے تھے۔ آواز بلند نہیں ہوتی تھی ۔ آپ کی ہنسی ، قہقہے سے کم تھی ۔ کبھی کبھی تبسم کرتے تھے ۔ بے آواز ، حلم و بردباری آپ میں اس قدر تھی کہ اگر مچھر آپ کے جسم پر کاٹتا تو نرمی سے ہاتھ اٹھاتے اور اسے اڑا دیتے ۔ چلنے میں آہستہ چلتے تھے اور کبک رفتار تھے صرف چند قدم چلتے تھے ۔ مسجد کو جاتے تھے اور مسجد سے حجرے کو واپس آتے تھے ۔ عبادت کے پیاسے تھے اور فقیروں اور مسکینوں کے لیے سخاوت کے تشنہ تھے .... صبح صادق سے پہلے مسجد میں آتے ، اور کبھی کبھی صبح صادق کے بعد آتے ۔ آپ سے پہلے کوئی مسجد میں نہ آتا تھا ۔ پانچ وقت کی نماز ہمیشہ مسجد میں ادا فرماتے ۔ نماز فجر پڑھنے کے بعد معرفت کی تعلیم ، عبادت اور تلاوت میں مشغول ہوجاتے ، یہاں تک کہ آفتاب بلند ہوجاتا ، پھر آپ نماز چاشت ادا فرماتے ... کپڑے جسم پر پارہ پارہ رہتے تھے اور روٹی ٹکرے ٹکرے تھی ۔ جب تک حیات رہے ، اس وضع پر قائم رہے ۔ کبھی کبھی ایک پرانی چادر اوڑھ لیتے ، اور ایک چھوٹی سی دستار سر پر باندھتے ، کبھی کبھی ایک پرانا کپڑا اونی یا سوتی سر کو لپیٹ لیتے ۔ جوتے کھجور کے بُنے ہوئے پتوں کے پہنتے تھے ۔ آپ نے ساری عمر اسی طرح گزاری ۔ اگر کوئی نیا کپڑا لاتا تو آپ اس کی خاطرداری کے لیے تھوڑی دیر کے لیے پہن لیتے ، پھر وہ کپڑا درویشوں کو دے دیتے ، اور پرانے کپڑے خود پہن لیتے ۔ سرما کی راتوں میں نفل نماز میں پڑھنے کی وجہ سے میرے مرشد کے پاؤں تڑخے ہوئے رہتے تھے ۔ گرمیوں اور سردیوں میں رات دن نماز پڑھتے رہتے ، صرف تھوڑی دیر آرام کرتے ... غرض کہ جملہ اوصاف

میں وہ حسن بصری ثانی تھے(۱) ۔
حضرت شیخ رحمکار کے حسن اخلاق کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مقامات قطبیہ کے مؤلف شیخ عبد الحلیم نے لکھا کہ

حضرت ایشاں در قول خود راست و صادق زماں خود بوده ، از مالا یعنی متحرز و دور میبود و بر قول نبی علیه السلام عمل میداشت و میکرد و هرگز زبان مبارک ایشاں لغو و بیهوده نرفته و قائل برحق میبود و نیز حضرت ایشاں را افعال نیک بود و کمال به کمال میداشت ، و آراسته بر فعل نبی علیه السلام بود و برآں عمل میکرد ، و از هوا و نفس بالکل منقطع بود ، و براه حق قدم نهاده میرفت و سرها نفس و هوا بریده در پیش خود انداخته بود که تعلق هر حواس خمسه میدارد ، و نیز حضر ایشاں اخلاق حمیده میداشت و از ذمیمه اثرے درو نبود (۲)

حضرت شیخ رحمکار اپنے قول میں سچے اور اپنے زمانے کے صادق تھے، لغو اور بیہودہ باتوں سے احتراز کرتے تھے اور نبی علیه السلام کے قول پر عمل کرتے تھے ، اور ہرگز ان کی زبان سے کوئی لغو اور بےہودہ بات نہ نکلتی تھی اور حق کے قائل تھے ، اور نیز حضرت کے تمام کام اچھے تھے اور کمال حد کمال تک رکھتے تھے اور نبی علیه السلام کے فعل سے آراستہ تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، اور ہوا اور نفس سے بالکل منقطع تھے اور حق کے راستے پر قدم رکھ کر چلتے تھے اور خواهشات اور نفس کے سر کو کاٹ کر اپنے سامنے ڈال دیا تھا ، جن کا تعلق حواسہ خمسہ سے تھا اور حضرت ، اخلاق حمیدہ رکھتے تھے ، اور برائیوں کا ذرا بھی اثر آپ میں نہ تھا ۔

---

۱ ۔ تذکرة الاولیاء قلمی ۔ تالیف جمیل بیگ برادر شہباز خٹک مملوکہ پشتو اکیڈیمی پشاور ۔ صفحہ ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ ۔
۲ ۔ مقامات قطبیہ حصہ اول صفحہ ۳۹

ہمعصر صوفیہ سے ملاقاتیں :

اس دور کے جن اکابر صوفیہ سے آپ نے ملاقاتیں فرمائیں ۔ ان میں حضرت سید آدم بنّوری ، اخون پنجو بابا ، پیر سباق اور اخون سالک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔

حضرت سید آدم بنّوری جو حضرت مجدد الف ثانی(۱) کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں ، جب ہندوستان سے افغانستان جاتے ہوئے سرائے اکوڑہ تشریف لائے اور حضرت رحمکار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو آپ فوراً ان کی ملاقات کے لیے سرائے اکوڑہ حاضر ہوئے اور حضرت سید آدم بنّوری سے اصرار کیا کہ وہ چند روز ان کی خانقاہ میں قیام فرمائیں ۔ حضرت سید آدم بنّوری آپ کے اصرار پر ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے ۔ حضرت شیخ رحمکار نے ان کی مہمانی اور تواضع میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی ۔ ''مجمع البرکات'' میں ہے کہ :

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت سید آدم بنّوری نے حضرت شیخ رحمکار سے فرمایا کہ :

اے حضرت شیخ ! شما بیائید ، نماز پس شمایاں گزارم ، شاید کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ببرکتِ نماز شما بمن و بیارانِ من رحم فرماید	اے حضرت شیخ ! آپ آئیے ، میں نماز آپ کے پیچھے پڑھوں گا ۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ' آپ کی نماز کی برکت کی وجہ سے ، مجھ پر اور میرے یاروں پر رحم فرمائے ۔

حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ :

ہرگز امامتِ شما نکنم	میں ہرگز تمھاری امامت نہیں کروں گا ۔

سید آدم بنوری نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

برائے ما امامت کن ، دیگر ہر چہ کنی (۱) ۔	ہمارے لیے امامت کر ، پھر جو جی چاہے کرنا ۔

۱ ۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد ،
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴ پر)

۲ جب حضرت سید آدم بنّوری کا بے حد اسرار بڑھا تو مجبوراً آپ مصلے پر تشریف لائے اور امامت فرمائی ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۳)
لقب بدرالدین کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربّانی تھا ۔ آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے مرید و خلیفہ تھے ۔ حضرت شیخ احمد کی ولادت باسعادت ۲۶ جون ۱۵۵۴ ع (۹۷۰ ھ) کو سرھند میں ھوئی ، ابتداًء آپ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی ، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بھلول بدخشانی سے پائی ۔ حصول ِتعلیم کے بعد ایک عرصے تک آپ اکبر آباد میں مقیم رھے ۔ اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ھوئی ۔ ۱۰۰۸ ھ (۱۵۹۹ع) میں آپ نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ھوئے ۔ خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد کی بنا پر لاھور میں ارشاد و ھدایت کرتے رھے ۔ ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ع) میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے وطن سرھند میں ارشاد و ھدایت کا سلسلہ شروع کیا ، ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ء) میں آپ کے مجددانہ فیوض و برکات سارے پاک وھند اور بیرون پاک و ھند میں پھیل چکے تھے ۔ جھانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعۂ گوالیار میں قید رکھا ۔ آخر اپنی غلطی پر نادم ھوکر معافی کا خواھاں ھوا اور آپ کو رھا کر دیا ۔ آخر میں جھانگیر آپ کا بیحد معتقد ھوگیا تھا ۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ ھ (۱۶۲۴ع) کو حضرت مجدد الف ثانی واصل الی اللہ ھوئے ۔ آپ کا مزار مبارک سرھند میں مرجع خاص وعام ھے ۔ (ماخوذ از فٹ نوٹ ''تذکرۂ صوفیائے سندھ ، صفحہ ۵۳ بہ حوالۂ رود ِ کوثر'')

تین روز تک حضرت سید آدم بنوری کا قیام آپ کی خانقاہ میں رہا۔ تیسرے روز وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ رحمکار سے فرمایا کہ میں حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہوں۔ اپنے صاحبزادوں میں سے کسی صاحبزادے کو میرے ساتھ کر دیجیے۔ حضرت شیخ رحمکار نے اپنے صاحبزادے محمد گل کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ راستے میں اپنے مریدوں سے شیخ رحمکار کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

چند نمازہا پس شیخ خود احمد سرہندی گزاردہ بودم و ایں پانزدہ، پس ایشاں دیگر ہیچ نماز بدیں طریق نہ بخود توانائی دارم که بگذارم، نہ دیگرے بداں نوع طاقت دارد

چند نمازیں میں نے اپنے شیخ احمد سرہندی کے پیچھے پڑھی تھیں اور پندرہ نمازیں اب ان کے پیچھے پڑھی ہیں، کوئی نماز نہ میں خود اس طرح پڑھ سکتا ہوں اور نہ کوئی دوسرا ہے جو اس قسم کی طاقت رکھتا ہو۔

اخون پنجو بابا : جو سابق صوبۂ سرحد کے مشہور صوفیائے کرام میں ہیں انھوں نے حضرت شیخ رحمکار کے والد شیخ بہادر سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا اور وہ حضرت شیخ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بچپن ہی میں آپ کے چہرے پر آثار ولایت و عرفان دیکھ کر دعائیں دیں اور آپ سے فرمایا میاں صاحبزادے جب آپ خدا کے فضل سے عرفان و تصوف کے بلند مقام پر پہنچیں تو اس فقیر کو فراموش نہ فرمایے۔

پیر سباق جو آپ کے عہد کے مشہور بزرگ تھے آپ جوانی کے زمانے میں دو مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مختلف موضوعات پر گفتگو فرمائی۔

اخون سالاک یا اخون چالاک، اپنے شیخ اخون پنجو بابا کے ارشاد کی بنا پر دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ رحمکار ان کے ساتھ نہایت عزت و تکریم سے پیش آئے اور انھیں یہ اعزاز بخشا کہ اپنے مصلے پر بٹھایا۔ مصلے پر بیٹھتے ہی انھوں نے آپ کے فیوض و برکات کو محسوس کیا اور وہ مصلے سے ہٹ کر بیٹھنے لگے۔ آپ نے اصرار کیا

کہ وہ مصلے ھی پر بیٹھیں ، مگر وہ نہ مانے اور کہا کہ :

اے اخون ! مرا توانائی نیست کہ یک جا بہ عالماں بنشینم ۔	اے اخون ! مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ یک جا عالموں کے ساتھ بیٹوں۔
حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ :	
عالم کلاں توئی	بڑے عالم تو آپ ھی ھیں۔

پھر بعض علمی مسائل پر گفتگو ہوئی ۔

حضرت مجدد الف ثانی متوفیٰ ۱۰۳۴ ھ (۱۶۲۴ ع) اور حضرت شیخ رحمکار کا زمانہ ایک ھی ھے ۔ اگرچہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا تذکرہ ھمیں کسی کتاب میں نہیں ملتا ، لیکن دونوں ایک دوسرے کا بیحد احترام کرتے تھے دونوں کی مراسلت رھی ھے ۔ جس سے دونوں کے باھمی ربط اور اخلاص و محبت کا پتا چلتا ھے ۔

"مجمع البرکات" میں ھے کہ :

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ۱۴ مریدوں کا ایک وفد اپنے ایک خط کے ساتھ آپ کے پاس روانہ کیا تھا ۔ جب یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اس وفد کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آئے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب کو نہایت عقیدت و احترام سے پڑھا ۔ یہ وفد چند روز آپ کی خانقاہ میں ٹھیرا رھا ۔ جب اس وفد نے واپسی کے لیے اصرار کیا تو آپ نے اپنے مرید خاص شیخ جمال الدین کو خلوت میں بلرایا اور حضرت مجدد الف ثانی کے گرامی نامے کا جواب لکھوا کر وفد کے حوالے کیا (۱) ۔

مرض الموت:

حضرت شیخ رحمکار کا مرض الموت تقریباً ایک سال تک ممتد رھا ۔ ایک سال کی طویل بیماری میں آپ ھمیشہ با وضو کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے رھے حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ بیماری کی وجہ سے سخت

---

۱ - ان بزرگوں کی ملاقات کی تفصیل "مجمع البرکات" سے ماخوذ ھے۔

تکلیف آپ کو لاحق تھی ۔ اکثر دو آدمی پکڑ کر آپ کو جائے نماز تک پہنچاتے ۔ تیمار داروں میں آپ کے بھائی شیخ عفّان نے آپ کی تیمار داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔

وصیت :

دوران مرض میں اپنے بھائی شیخ عفّان کو وصیت فرمائی کہ میرے مرض کی جب شدت بڑھ جائے تو میری وفات کے وقت کسی اجنبی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

حق سبحانہ تعالیٰ مرا از اظہار اسراررِبی محفوظ داشتہ ، مبادا کہ من در شدت مرض چیزے ظاہر کنم ، و آنہا آن را فاش کنند ، خوب نخواہد بود ۔ (۱)

حق تعالیٰ نے مجھ کو اظہار اسرار ربی سے محفوظ رکھا ، ایسا نہ ہو کہ میں شدت مرض میں کوئی چیز ظاہر کر دوں اور وہ اس کو فاش کر دیں یہ اچھا نہیں ہوگا ۔

نصیحتیں:

آپ کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ جمال الدین کا بیان ہے کہ وفات سے سات روز پہلے ۱۶ رجب ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۲ء) کو آپ نے اپنے مریدوں اور خلفاء میں سے ۷۰ افراد کو بلوایا اور خاص خاص نصیحتیں فرمائیں اور سلوک و عرفان کے اہم رموز و معارف ان کو سمجھائے ۔ یہ سلسلہ چار روز تک جاری رہا ۔ شیخ جمال الدین ان مجالس کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

بسیار وصیتہا از ہر نوع بمایان فرمودند ، دیگر ہیچ کس نزد ایشان در آں روز ہا نگذاشتیم (۲) ۔

ہر قسم کی بہت سی وصیتیں آپ نے فرمائیں اور ان دنوں میں ہم کسی دوسرے شخص کو اپنے ساتھیوں کے علاوہ آپ کے پاس آنے کے لیے نہیں چھوڑتے تھے ۔

---

۱ ۔ ''مقامات قطبیہ'' ۔ صفحہ ۱۷۱ ۔

۲ ۔ ''مجمع البرکات'' ۔

انھیں دنوں آپ نے شیخ عفّان کے سامنے بقا باللہ اور فنافی اللہ پر ایک نہایت مؤثر تقریر کی - اسی ضمن میں اکوڑے سے واپسی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

برق رحمت از ابر محبت درخشیدو حقیقت مکاشفہ جمال ذات روے داد، وبکمالیت فنافی اللہ و بقا باللہ رسانید ، واز کون و مکان در گذشته که آں جا شب، بود نه روز نه آسمان و نه زمین و نه یمین و نه یسار و نه تحت و نه فوق ، و نه پیش و نه پس که لالیل عنداللہ ولانہار و او ار درفہمانید ، فہم‌من ، وایں راکسے فہم نکنند ، مگر آں را که فہم کنانند (۱)

ابر محبت سے برق رحمت چمکی اور مکاشفے سے جمال ذات کی حقیقت ظاہر ہوئی اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے کمال تک پہنچایا اور کون و مکان سے گزر کر وهاں پہنچا که جہاں رات تھی نه دن تھا ، نه آسمان تھا نه زمین - نه داهنا تھا ، نه بایاں ، نه تحت تھا نه فوق ، نه آگے تھا نه پیچھے، که اللہ کے هاں نه رات ہے نه دن اور اس نے مجھ کو سمجھایا میری سمجھ کے مطابق اور اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا مگر جس کو سمجھا دیا جائے -

خوشحال خاں کی اجازت طلبی :

آخری رات کو پشتو کے عظیم المرتبت اور نامور شاعر خوشحال خاں خٹک نے حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادوں سے اجازت طلب کی که وه رات بھر شیخ رحمکار کے پاس رہ کر شیخ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاهتے هیں - صاحبزادوں نے اجازت دے دی - وه رات بھر آپ کی خدمت میں حاضر رہے - صبح کے وقت قضائے حاجت کے لیے آپ بیدار هوئے - خوشحال خان نے استنجے اور وضو کے لیے لوٹے میں پانی رکھا - آپ نے وضو فرما کر فجر کی نماز ادا فرمائی ، نماز کے بعد لوگ جوق در جوق آتے رہے اور آپ سے روحانی استفاده کرتے رہے - جب سورج زوال پذیر ہونے

۱ - ''مقامات قطبیه'' - صفحه ۱۷۲ -

لگا ، تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا زوال ہوگیا ہے ؟ کسی نے کہا کہ ہاں ہوگیا ہے - کوئی بولا کہ نہیں - جب لوگوں میں اختلاف رائے ہوا تو فرمایا اچھا مجھے یہ بتا دو کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں ؟ تاکہ میں آخری نماز ادا کروں اور خدا کے سامنے جمعہ کی نماز ادا کرلوں اور خدائے تعالیٰ کے سامنے جمعہ کی نماز کا تحفہ لے جاؤں کہ جمعہ تمام دنوں سے افضل ہے - زوال کے بعد آپ اٹھے ، وضو کیا اور نماز ادا فرمائی - صاحبِ ''مجمع البرکات'' نے اس نماز کی ادائیگی کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

نماز را بقیام ظاهراً و باطناً هرچه بود از شروط و ارکان و آداب از سنن و فضائل با استقامت هرچه در حیات داشته ادا نمود -

نماز کھڑے ہوکر ادا کی اور ظاہری و باطنی نماز کے تمام شرائط و ارکان و آداب و سنن اور فضائل کا پورا پورا لحاظ رکھا - جس طرح کہ استقامت کے ساتھ آپ اپنی پوری زندگی میں نمازوں میں اُن کا خیال رکھ کر ادا کرتے تھے -

نماز کے بعد باوجود نقاہت کے اپنے معتقدین سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو تا کہ میں امام کا خطبہ سن لوں - خواجہ جمال الدین کا بیان ہے کہ آپ میرے اور خواجہ گل نور کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے -

وفات

شیخ اخ الدین نے خطبہ پڑھا - دورانِ خطبے میں ایک دم آپ نے فرمایا

الموت جسر'' یوصل الحبیب الی الحبیبِ

موت ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچا دیتا ہے -

یہ کہہ کر آپ اُسی وقت جنت کو سدھارے -

''مجمع البرکات'' میں ہے کہ :

هماں زمان حق را توصل کردند و پروانۂ جاناں گشت و عالم قدس را پرواز کرد

اسی وقت آپ واصل بحق ہوئے اور محبوب کے پروانہ ہوئے ، اور روح عالم قدس کو پرواز کرگئی -

۲۴ رجب ۱۰٦۳ ھ (۱٦۵۳ع) کو یہ آفتابِ ہدایت اسّی سال تک اس عالم کو اپنی ضیا باریوں سے منور کرکے غروب ہوگیا ۔ ''مقامات قطبیہ'' میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر اسّی (۸۰) سال کی تھی ، اس حساب سے آپ ۹۸۳ ھ (۱۵۷۵ع) میں اکبر بادشاہ کے جلوس کے بیسویں سال پیدا ہوئے اور شاھجہاں کے جلوس کے چھبیسویں سال وفات پائی ۔ شاھجہاں کی حکومت ۱۰٦۳ ھ (۱٦۵۲ع) میں ختم ہوئی ۔ اس طرح شاھجہان نے آپ کی وفات کے بعد چھ سال تک حکومت کی اور اورنگ‌زیب آپ کی وفات کے چھ سال بعد تخت پر بیٹھا ۔ آپ کی تاریخ وفات کلمۂ ''کاکا قطب'' (۱۰٦۳ھ)سے نکلتی ہے ۔

تجهیز و تکفین:

اس آفتابِ ولایت کی تجہیز و تکفین کی جن بزرگوں نے سعادت حاصل کی اُن میں آپ کے خلیفہ شیخ عبداللطیف ، خواجہ گل نور ، فقیر محمد سعید ، خواجہ مسکین ، خواجہ جمال الدین ، شیخ اخون دین اور پشتو کا مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

تدفین:

خوشحال خاں خٹک کا بیان ہے کہ نماز جمعہ کے بعد جب جنازہ تیار ہوگیا تو ہر علاقے کے معتقدین اور مریدین اور خلفاء حاضر تھے ۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ رحمکار کو اس کے علاقے میں دفن کیا جائے ۔ آخر کار صلاح و مشورے کے بعد طے ہوا کہ آپ کو علاقۂ یوسف زئی اور علاقۂ خٹک کی سرحد پر دفن کیا جائے ۔ چناں چہ آپ کو نماز جنازہ کے بعد اس جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خاص و عام ہے ۔

پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک نے فارسی میں آپ کا حسب ذیل قطعۂ تاریخِ وفات کہا :

چوں رفت از جہاں شیخ دیں رحمکار
رجب بود جمعہ بسہ و سہ هفت

چو تاریخ فوتش بجستم ز عقل
چنیں گفت با ما کہ با فقر رفت
۱۰۶۳

گنبد:

آپ کے مزار کے گنبد کی تعمیر آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم نے ۱۰۸۱ ھ (۱۶۰۰-۱) میں کرائی۔ اس کی تعمیر میں اس علاقے کے بڑے بڑے خوانین نے دل کھول کر حصہ لیا۔ یہ مغلیہ فنِ تعمیر کا ایک بہترین شاہکار ہے - جسے ہندوستان کے معماروں نے تعمیر کیا تھا

اولاد :

شیخ رحمکار کے پانچ صاحبزادے تھے۔

۱ - شیخ ضیاء الدین معروف بہ شہید بابا۔
۲ - حضرت شیخ محمد گل صاحب معروف بہ حاجی محمد بابا۔
۳ - شیخ خلیل گل معروف بہ مزرے بابا صاحب۔
۴ - حضرت شیخ عبدالحلیم صاحب معروف بہ حلیم گل بابا وسپین ا'با.
۵ - نجم‌الدین صاحب ، جنھوں نے بچپن میں وفات پائی۔

شیخ اسمعیل نے اپنی کتاب ''مناقب'' میں آپ کے صاحبزادوں کے اسماء اس طرح نظم کیے ہیں :

خلف الصدق او ''ضیاء الدین''
نافع المسلمین و زین عباد
ہر دو در گوش کردہ ''عبدالحلیم''
از ازل آمدہ ست نیک نہاد
سرو باغ کرم ''محمد گل''
نیست چوں او دریں زماں جواد
دستۂ گل بود زنار ''خلیل''
حق بلطف خودش نگہ داراد
محضۂ او کہ ہست ''نجم الدین''
مشعل رہ روانِ بادا باد

شیخ ضیاء الدین شہید بابا :

شیخ رحمکار کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے شیخ ضیاء الدین شہید بابا نے ان کی جگہ مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی ۔ وہ بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ، خود ان کے متعلق حضرت شیخ رحمکار نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ :

بعد من ضیاء الدین را مراتب علیا است که کفار و عبّاد صنام از برکت لمعات ضیاء او و بشرف او مشرف خواهند شوند ۔

میرے بعد ضیاء الدین مراتب عالی پر فائز ہوں گے ، اور کفار اور بت پوجنے والے ان کی روشنی کی چمک کی برکت اور ان کی بزرگی سے مشرف ہوں گے ۔

انھوں نے اپنے فیوض و برکات سے پشاور اور اس کے نواح کو مالا مال کردیا ، ان کے یمن و برکت کی وجہ سے بہت سے کافر شرک و بت‌پرستی سے تائب ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ۔ حضرت شیخ ضیاء الدین اپنے والد کی وفات کے بعد تئیس سال یا اس سے کچھ زائد رشد ہدایت اور اعلائے کلمة الحق میں مصروف رہے ، یہاں تک خوشحال خاں کے بیٹے اشرف خاں کے اشارے سے انھیں جامِ شہادت پینا پڑا ۔ ان کے واقعۂ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ اشرف خاں کی بہن حضرت شیخ ضیاء الدین سے بیاہی تھی ۔ وفات کے وقت خوشحال خاں نے حضرت شیخ ضیاء الدین کو بلاکر وصیت کی تھی کہ اگر میری اولاد میں کبھی کوئی اختلاف ہو تو آپ اس کا تصفیہ فرمائیں ، اور اپنے دوسرے بیٹے بہرام خاں کے حقوق کی رعایت کرنے کے لیے خاص طور پر تاکید کی تھی ۔ چنان‌چہ جب خوشحال خاں خٹک کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اشرف خاں اور بہرام خاں میں جھگڑا پڑا تو اپنے باپ کی وصیت کے مطابق یہ دونوں حضرت شیخ ضیاءالدین کے پاس رجوع ہوئے ۔ آپ نے پہلے تو دونوں کی صلح و صفائی کرادی ، اور پھر تصفیہ کیا کہ بالائی علاقہ بہرام خاں کو اور زیریں علاقہ اشرف خاں کو دے دیا جائے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ضیاءالدین کے اس فیصلے کو اشرف خاں نے دل سے تسلیم نہیں

کیا تھا - کچھ دن بعد وہ اس فیصلے سے روگرداں ہوگیا ، اور اس نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ جن کی وجہ سے بہرام خاں کو اپنے علاقے سے نکل جانے پر مجبور ہونا پڑا - وہ اپنے علاقے سے نکل کر چھچھ کے علاقے میں چلا گیا - اشرف خاں نے پہلے تو اس کو ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دینا منظور کیا ، مگر کچھ دن کے بعد وہ بھی بند کردیا ، اور بہرام خاں کے تمام علاقے پر قبضہ کرلیا - چھچھ کے خوانین نے بہرام خاں کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کیا ، آخر وہ پریشان ہوکر حضرت شیخ ضیاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور اپنی مظلومیت کی ساری داستان ان کو سنائی - آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا جو ہوا اس پر صبر کرو ، اور اللہ کی رضا پر راضی رہو - اس کے بعد بہرام خاں شیخ ضیاء الدین ہی کے پاس رہنے لگا ، لیکن شیخ کے پاس اس کے قیام کی وجہ سے اشرف خاں اپنے دل میں طرح طرح کے خطرات محسوس کرنے لگا - اس نے کئی دفعہ حضرت شیخ سے کہلایا کہ وہ بہرام خاں کو اپنے پاس سے نکال دیں ، مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اس کا نکالنا میری مروت اور شرافت سے بعید ہے - اس جواب سے اشرف خاں اور بھی مشتعل ہوگیا ، اور اس نے حضرت شیخ کو مختلف طریقوں پر تنگ کرنا شروع کیا - آخر آپ نے مجبور ہوکر ترکِ وطن کا ارادہ کیا ، اور آپ نے چاہا کہ آپ ضلع کوہاٹ کے علاقۂ چونترہ ، قوم بارک میں منتقل ہوجائیں - چناں‌چہ آپ اس ارادے سے علاقۂ چونترہ ، قوم بارک میں گئے - اس قوم کے سرداروں نے آپ کی بڑی پزیرائی کی - آپ نے واپس ہوکر اس علاقے میں منتقل ہونے کی تیاری شروع کی - اشرف خاں کو جب معلوم ہؤا کہ آپ قوم بارک میں منتقل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے آپ کو کہلا بھیجا کہ اول تو آپ یہاں سے نہ جائیں ، اور اگر جانا ہی چاہتے ہیں تو قوم خرم یا ساغری میں منتقل ہوجایے - پھر اس نے خرم قوم میں بھی آپ کے منتقل ہونے سے انکار کردیا - آپ اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور چونترہ کے لیے روانہ ہوگئے - جب علاقہ خوڑہ سے گزر کر آپ علاقۂ زیڑا میں پہنچے ، جو پشاور اور کوہاٹ کی سرحد پر واقع ہے تو اشرف خاں

کے سوار تعاقب کرتے ہوئے اس مقام پر آپ کو ملے ، اور انھوں نے کہا کہ اشرف خاں نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں - آپ کے رفقائے سفر اور بارک قوم کے سرداروں نے ہر چند آپ سے عرض کیا کہ آپ سفر جاری رکھیں ، لیکن آپ ان کی رائے ماننے کے لیے تیار نہ ہوے اور اپنے وطن واپس ہونے لگے - بارک سرداروں نے چاہا کہ وہ آپ کو وطن تک واپس چھوڑ آئیں ، مگر آپ نے انھیں شکریے کے ساتھ اپنے وطن واپس کردیا ، اور آپ خود اپنے وطن اکوڑہ واپس تشریف لے آئے - صاحبِ مجمع 'البرکات' کا بیان ہے کہ واپسی پر اشرف خاں نے

در شان ایشان بے ادبی و بے حرمتی بسیار نمود ، چه گویم که استماع آں بمخلصان روا و لائق نیست -	آپ کی شان میں بہت بے ادبی و بے حرمتی کی ، میں اس کو کیا بیان کر سکتا ہوں کہ اس کا سنانا مخلصین کے لیے مناسب نہیں -

اپنے وطن اکوڑہ تشریف لانے کے بعد گیارھویں دن حضرت شیخ ضیاءالدین کو شہید کر دیا گیا - کہتے ہیں کہ اشرف خاں نے ان کو زہر دلوا کر شہید کروایا اور وہ اپنے والد کے مزار مبارک کے متصل دفن کیے گئے - شیخ ضیاء الدین سجادہ نشین ہونے کے بعد ۲۳ سال حیات رہے -

اشرف خاں کو اس خونِ ناحق کے بعد ایک دن بھی چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا - چند ہی دن کے بعد وہ عتاب شاہی کی زد میں آیا ، انتہائی ذلت کے ساتھ قید کر کے دھلی لے جایا گیا ، وہاں سے دکن کے کسی جیل خانے میں ڈال دیا گیا - آخر میں وہ اپنی ان تمام نکبتوں کا سبب حضرت شیخ ضیاء الدین کے خون ناحق کو سمجھتا تھا - وہ شاعر تھا ، ھجری تخلص کرتا تھا - اس نے اپنے اشعار میں اس کا اظہار بھی کیا ہے - کہا جاتا ہے کہ وہ اسی ذلت و نکبت میں ہندوستان میں مر گیا - ایک جگہ اپنے مصائب کے حقیقی سبب کو محسوس کرتے ہوئے کہتا ہے :

میں اورنگ زیب کے قید و بند میں نہیں ہوں کہ رہائی پاؤں بلکہ میں شیخ رحمکار زیڑی بابا کے قید و بند میں ہوں - دکن میں دم کرنے والا کوئی نہیں کہ مجھ پر دم کرے - مجھے سیاہ

اژدھے نے ڈس لیا ھے ۔

حضرت شیخ ضیاء الدین نے اپنی شہادت کے وقت سات صاحبزادے چھوڑے جن کے نام یه ھیں ۔

(۱) نجم الدین بابا (۲) شکور گل بابا (۳) برھان الدین یا برھان گل بابا (۴) زین العابدین باز گل بابا (۵) قیاس الدین بابا (۶) عباس الدین بابا (۷) دلدار الدین یا دلدار گل بابا ۔

شیخ ضیاء الدین کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت زین العابدین گل بابا اپنے والد کی جگه مسند آرائے رشد و ھدایت ھوئے ۔ حضرت زین العابدین ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ع) میں پیدا ھوئے ، ان کے سن وفات کے متعلق تمام تذکرہ نویس خاموش ھیں ۔ حضرت زین العابدین کا مزار حضرت شیخ رحمکار کے روضے سے جانب شمال مشرق واقع ھے ۔

شیخ محمد گل :

حضرت شیخ رحمکار کے دوسرے صاحبزادے شیخ محمد گل تھے ، جن کا مختصر تذکرہ گذشته اوراق میں گزر چکا ھے که حضرت شیخ رحمکار نے ان کو حضرت آدم بنّوری کے ساتھ حج کے لیے بھیجا تھا ۔ ''مجمع البرکات'' میں ھے که جب یه حج ادا کرنے کے بعد واپس ھورھے تھے تو ایران کے علاقے میں کافروں کے ھاتھوں شہید ھوئے وفات سے کچھ پہلے وصیت فرمائی :

مرا اگر توانید بدیار خود ببرید و بنزدیک حضرت ایشان دفن کنید

اگر تم سے ممکن ھو تو میرے وطن لے جاؤ ، اور میرے والد کے قریب دفن کرو ۔

چناں چه وہ اپنی وصیت کے مطابق لائے گئے ، اور ان کو ان کی وصیت کے مطابق حضرت شیخ رحمکار کے مزار کے متصل دفن کیا گیا ۔ ان کی اولاد کے متعلق ضمیمۂ ''مقامات قطبیه'' میں ھے که :

ایں صاحب بسیار کم اولاد دارد ازیک نفر مردانه در اولاد او زیادہ نباشد، و در موضع کوٹ علاقه رانی زئی می

یه صاحب (حضرت شیخ محمد گل) بہت کم اولاد رکھتے تھے ، ان کی اولاد میں ایک نفر مرد سے زیادہ کوئی نہیں

شد۔ مزار او هم در زیارت است (۱) | هوتا اور وہ موضع کوٹ علاقۂ رانی زئی میں رهتا هے ، ان کا مزار بهی زیارت میں هے ۔

شیخ محمد گل کے ایک صاحبزادے تهے ، جن کا نام احمد گل تها ۔

شیخ خلیل گل :

شیخ خلیل گل مشهور به مزرے بابا حضرت شیخ رحمکار کے تیسرے صاحبزادے تهے ، جو اپنے والد کی زندگی هی میں ٹوٹئی علاقه انزی میں تشریف لے گئے ۔ مزری سے مشهور هوئے اور وهیں سکونت اختیار فرمالی تهی ۔ حضرت شیخ گل کی اولاد آج بهی اس علاقے میں آباد هے ۔ ان کی اولاد کے چند گهرانے امازی گڑهی علاقۂ هشت نگر اور ٹوٹئی اور آگره علاقۂ آتمان خیل میں موجود هیں ۔

شیخ خلیل کا مزار ٹوٹئی میں زیارت گاه خاص و عام هے ۔ شیخ خلیل گل نے دو صاحبزادے میاں یحیٰ صاحب اور کوکو صاحب چهوڑے ، ان کی اولاد کا سلسله میاں یحیٰ صاحب سے چلا ۔

شیخ عبد الحلیم :

یه حضرت شیخ رحمکار کے چوتهے صاحبزادے هیں ۔ ان کا نام تو عبدالحلیم تها لیکن یه مشهور ''حلیم گل بابا'' کے نام سے تهے اور علم و فضل و زهد و ورع سے ممتاز تهے ۔ ان کے تبحر علمی اور علم و فضل کو دیکھ کر ان کو ''دانشمند'' کے لقب سے بهی یاد کیا جاتا تها ۔ اس کے علاوه وه ''سپین بابا'' اور صاحبِ هندوستان کے لقب سے بهی مشهور تهے ۔ انهوں نے هند و پاک کے مختلف شهروں میں سفر کر کے متعدد اساتذه سے علوم دینیه کی تعلیم و تکمیل کی تهی ۔ وه اپنے والد کی وفات کے وقت هندوستان میں تهے ۔ وهیں ان کو اپنے والد کی وفات کی اطلاع ملی ۔ وفات کے بعد وه اپنے والد کے مزار مبارک پر حاضر هوئے اور طریقۂ اویسی کے مطابق صاحبِ مزار سے روحانی استفاده کیا ۔

---

۱ ۔ مقاماتِ قطبیه ص ۱۷۶

صاحبِ تصانیف تھے - شیخ عبد الحلیم کا علمی دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے حضرت شیخ رحمکار کے حالات و مناقب اور سوانح حیات کو فارسی میں 'مقاماتِ قطبیہ' اور 'مقامات قدسیہ' کے نام سے مرتب کر کے محفوظ کیا - یہ کتاب حضرت شیخ رحمکار کے صحیح حالات تک پہنچنے کا بڑا ذریعہ ہے ورنہ حضرت شیخ رحمکار کے حالات تک اس درجہ مفصل دسترس مشکل تھی -

'مقاماتِ قطبیہ' ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں جنرل پرنٹنگ پریس دھلی سے شائع ہوئی تھی - یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے - مؤلف نے پہلے حصے کو 'مقاماتِ قطبیہ' اور دوسرے حصے کو 'مقاماتِ قدسیہ' کا نام دیا - پہلا حصہ ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۱۴ باب اور تتمہ ہے - اس حصے میں تمام تر سوانحی مواد ہے -

دوسرا حصہ بیس مقالوں اور ایک تتمے پر مشتمل ہے جو صفحہ ۱۸۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۶۷ پر ختم ہوتا ہے - اس کتاب کو ابواسد اللہ مہتد اللہ نبیرۂ شیخ عبد الحلیم نے از سرِ نو ترتیب دیتے ہوئے دیباچے میں لکھا کہ :

> میں ایک روز ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں تقریباً تمام اولیاء اللہ کے حالات تھے ، مگر میں نے اس میں اپنے بزرگوں کا سلسلہ یعنی کاکا صاحب وغیرہ کے حالات نہیں پائے - میں اس خیال میں تھا کہ کوئی ایسا رسالہ ملے کہ اس سے کاکا صاحب (شیخ رحمکار) کے حالات معلوم ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کاکا صاحب اور ان کے بزرگ کون سا طریقہ رکھتے تھے اور ان کا مرتبہ کیا تھا - میں اسی خیال میں پشاور گیا اور وہاں سے موضع زیارت گیا - مزارِ شیخ کی زیارت کی ، اور اپنے مدعا کی جستجو میں رہا - میں نے سنا کہ عبد الحلیم صاحب فرزند چہارم شیخ جی (شیخ رحمکار) نے جو علوم ظاہری و باطنی میں ایک سمندر تھے ، شیخ جی (شیخ رحمکار) کے مناقب پر ایک کتاب لکھی ہے، مگر وہ کتاب ایک ناخواندہ شخص کے پاس ہے ، جو

کسی دوسرے کو نہیں دیتا کہ اسے مشتہر کرے ۔ مگر شکر ہے
کہ جیسے ہی میں اس کے پاس گیا ، اس نے یہ کتاب میرے
حوالے کر دی ۔ میں اس کتاب کو لے آیا ، اور تنہائی میں
اس جگہ پر جہاں شیخ جی (شیخ رحمکار) عزلت گزیں رہتے تھے
اوراس کو میلہ کہتے ہیں اس کا مطالعہ کیا ۔ تین روز میں اس
کتاب کے مطالعے کو مکمل کر سکا ۔ میں اس کتاب کو دیکھ
کر بہت خوش ہوا ، اور میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر
مالکِ کتاب راضی ہو جائے تو وہ جس قدر قیمت مانگے گا
میں اسے دے کر اس کتاب کو طبع و مشتہر کروں گا ،مگر
خدا کا فضل یہ ہوا کہ مالکِ کتاب نے مجھ سے کچھ نہیں لیا،
اور کتاب عاریتاً اس شرط پر میرے حوالے کر دی کہ جب میں
اس کو نقل کرلوں تو اصل کتاب اس کے حوالے کردوں ،
بلکہ اس کے علاوہ شیخ عبد الحلیم کی ایک اور کتاب بھی اس
نے میرے حوالے کی ، جو علم سلوک پر تھی ۔ میں نے اس پر
بھی قبضہ کیا ، اور گھر آ کر اس کے مسودے کو ترتیب دینا
شروع کیا ۔ میں نے پہلی کتاب کا نام جس کا تعلق حضرت
شیخ رحمکار کے حالات و مناقب سے تھا ''مقاماتِ قطبیہ'' و
اور دوسری کتاب کا جس کا تعلق علم تصوف سے تھا اس کا
نام ''مقامات قدسیہ'' رکھا ، اور ان دونوں کتابوں کا مجموعی نام
''مقامات قطبیہ و مقامات قدسیہ'' رکھا ۔ میں نے شیخ عبدالحلیم
کی عبارت میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں کی تا کہ کتاب
کی برکتیں نہ جائیں ۔ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۸ (۱) ۔
یہ کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے :
بعد از حمد و صلوۃ بر رسول میگوید عبد الحلیم کہ او وسیلۂ
جوینده بسوئے خدائے کریم کہ من ذیل عصیاں آلودہ دارم

---

۱ ۔ ماخوذ از دیباچہ ''مقامات قطبیہ'' ۔ صفحہ ۱ ۔ ۲ ۔ ۳

تحقیق الا آنکه امید دارم از لطف رحیم که او گناه من بیامرزد(۱)
اس کتاب کے دوسرے حصے میں تصوف کے مسائل و رموز کو بھی بیان کیا گیا ہے اور شیخ محمد حسن (۲) کی کتاب ''بحرالمعانی'' کے حوالے

---

۱ - مقامات قطبیه - صفحه ۱۷
۲ - سید محمد حسین کا تذکرۂ صاحبِ ''اخبار الاخیار'' حضرت شیخ عبدالحق محدث دهلوی نے اس طرح کیا ہے که سید محمد بن جعفر مکی حسینی ، شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دهلی) کے عظیم المرتبت خلفاء میں ،توحید و تفرید میں بلند مقام رکھتے تھے - انھوں نے جو اپنے حالات لکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے که ان کا زمانه سلطان محمد تغلق سے بھلول لودھی تک ہے - سلطان بھلول لودھی کے زمانے میں ان کی عمر سو سے متجاوز تھی - مکۂ معظمه کے شرفا میں تھے - پہلے دهلی میں پھر سرھند میں سکونت اختیار کی - اپنی کتاب ''بحرالمعانی'' میں انھوں نے لکھا ہے که میں ساٹھ سال تک علوم ظاھری کو حاصل کرتا رہا اور اس کسب کمال میں محبوبِ ازل اور مقصود ابد سے غافل رہا - اسی ''بحرالمعانی'' میں ہے که بہت سی ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد وہ حضرت چراغ دهلی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور تین ماہ بارہ روز آپ کی خدمت میں رہے - مرید ہونے کے بعد شیخ چراغ دهلی کی چند خدمتیں ان کے سپرد تھیں ، ایک تو وضو کے پانی کا اہتمام ان کے سپرد تھا اور وہ اپنے شیخ کو وضو کراتے تھے ، دوسرے چراغ کے روشن کرنے کا اہتمام بھی ان کے سپرد تھا - خود سید محمد جعفر کا بیان ہے که میں اپنے شیخ کی یه خدمتیں اس وقت سے کرتا تھا که جب که میرے عہد میں محمد تغلق

(باقی حاشیه صفحه ۳۱۹ پر)

متعدد مقامات دیے گئے ہیں - اس کے علاوہ ان میں شاہ شرف الدین یحییٰ منیری (۱) کے مکتوبات ''رسالۂ قشیریہ'' ، ''عوارف المعارف'' اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۹)
کمھبایت کے مقطع‌دار تھے اور ایک ہزار تین سو سواروں کا ایک رسالہ ان کے پاس تھا -
ان کی تصانیف میں ''بحرالمعانی''، ''رسالہ پنج نکات'' اور ''بحرالانساب'' مشہور ہیں - ''بحرالمعانی'' میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ دو کتابیں ایک 'دقائق المعانی'' اور دوسرے ''حقائق المعانی'' لکھیں گے - لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ انھوں نے یہ دونوں کتابیں لکھیں یا نہیں (ماخوذ از ''اخبار الاخیار'' - صفحہ ۱۳۶ تا ۱۴۰)

۱ - مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ (۶۳-۱۲۶۲ء) کو بمقام منیر ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے - ان کا سلسلۂ نسب چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے جاملتا ہے - حضرت شرف‌الدین کے اجداد بیت المقدس سے آکر منیر میں آباد ہوئے - حضرت شرف الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں پائی - جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کے والد نے ان کو مولانا ابوتوامہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے سنار گاؤں بھیجا اور انھوں نے مولانا ابو توامہ سے تعلیم حاصل کی - تعلیم ہی کے زمانے میں اپنے استاد کی صاحبزادی سے عقد کیا - جب وہ علومِ شرعیہ کی تکمیل کر چکے تو 'لطائف اشرفی' میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی شرفِ ملازمت کے لیے دھلی تشریف لے گئے اور ارادت وارشاد کے لیے درخواست کی - حضرت خواجہ محبوب الٰہی نے فرمایا میرے بھائی شرف الدین تمھاری مریدی اور سلوک
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۱ پر)

صوفیائے کرام کے مختلف رسائل کے حوالوں سے بھی متعدد مسائل بیان کیے گئے ھیں ۔

شیخ عبدالحلیم کا مزار پُرانوار زیارت کا کا صاحب میں حضرت شیخ رحمکار اور دوسرے بھائیوں بھتیجوں کی قبروں سے علاحدہ جانبِ جنوب تھوڑے سے فاصلے پر واقع ھے ۔ شیخ عبدالحلیم کے پانچ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ھیں :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۰)

کی تعلیم برادرم نجیب الدین سے متعلق ھے تم ان کے پاس جاؤ ۔ چنانچہ وہ شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ھوئے اور شیخ نجیب الدین نے ان کو فوراً بیعت کر لیا اور کچھ نصیحتیں فرماکر رخصت کیا اور فرمایا اگر راستے میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا ۔ جب وہ ضلع آرہ میں بھیا کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سنی ۔ آواز سن کر دل میں ایک ھوک اٹھی اور جذب وسرمستی میں بھیا کے جنگل میں انھوں نے بارہ سال گزارے ۔ جب دل نورِ معرفت سے منور ھوگیا تو آبادی کی طرف رخ کیا اور بہار شریف میں سکونت اختیار کی ۔ سلطان محمد تغلق نے ان کی بزرگی اور درویشی کی شہرت سن کر مجدالملک مقطع بہار کو حکم دیا کہ وہ حضرت شرف الدین کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائے اور اس کے اخراجات پرگنۂ راجگیراں سے حضرت کے حوالے کیے جائیں ۔ مجدالملک نے اس کی تعمیل کی اور اسی خانقاہ میں حضرت شرف‌الدین یحلی منیری نے رشد و ھدایت کا چراغ روشن کیا ۔

۰۰ شوال ، شب پنجشنبہ ۷۸۲ھ (۱۳۸۰ع) کو حضرت شرف الدین احمد بن یحلی نے وصال فرمایا ۔ مزار پُرانوار بہار شریف میں ھے (ماخوذ از "بزمِ صوفیہ" ۔ صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۷)

(۱) افضل بابا (۲) گل حسن بابا (۳) فخرالدین بابا (۴) غنی دل بابا (۵) رحمت شاہ بابا ۔

خلفاء و مریدین :

حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ۔ جنھوں نے مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں سلسلۂ سہروردیہ کو غیر معمولی ترقی دے کر اس سلسلے کے فیضان کو عام کر دیا ، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

(۱) خواجہ شمس الدین ہروی (۲) شاہ عبداللطیف (۳) خواجہ جمال الدین (۴) حضرت شیخ اخ الدین (۵) خواجہ گل نور (۶) غازی خان بابا (۷) میاں عبدالرحیم صاحب مشہور بہ میاں جی گل (۸) شیخ علی گل و ملی گل (۹) شیخ بابر بابا (۱۰) شیخ دریا خان چمکنی (۱۱) شیخ فتح گل (۱۲) مرزا گل بابا (۱۳) شیخ ادین صاحب (۱۴) شیخ عبدالرحیم صاحب (۱۵) شیخ محمد حیات صاحب ۔

خواجہ شمس الدین ہروی :

حضرت شیخ رحمکار کے جلیل‌القدر خلفاء میں ہیں ۔ یہ صاحبِ تصنیف و تالیف تھے ۔ ''اسرارالسالکین'' حضرت خواجہ شمس الدین ہروی کی مشہور تالیف ہے ۔ اس کتاب میں انھوں نے حضرت شیخ رحمکار کے فضائل و مناقب ، ان کے مسائلِ تصوف و سلوک کو یک‌جا جمع کر دیا ہے ۔ افسوس ہے کہ اس کتاب کا تذکرہ اب صرف تذکروں کی زیب و زینت ہے اور اصل کتاب کا کوئی نسخہ نہیں ملتا ، لیکن صاحبِ ''مجمع البرکات'' جنھوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا تھا وہ اس کتاب کی معنویت وضخامت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

و ازیں جملہ مناقبات تصنیف خواجہ شیخ شمس‌الدین ہروی کہ در توران زیارتے دارد عمدہ تر است کہ آں مانند پنج بہرہ باندازۂ تفسیر حسینی است ، و از آں در مناقبات دیگر

حضرت شیخ رحمکار کے مناقب میں ایک تصنیف شیخ شمس‌الدین ہروی کی بھی ہے کہ جن کا مزار توران میں ہے ۔ یہ ایک نہایت عمدہ تصنیف ہے، جو ''تفسیر حسینی'' سے

عمدہ نیست ۔

تقریباً پانچ گنا ضخیم ہے ، اور اس سے بہتر مناقب اور اصولِ مناقب میں کوئی دوسری کتاب نہیں ۔

پھر اسی کتاب پر شیخ رحمکار کے سلسلے میں تبصرہ کرتے ہوئے ، اور جو کچھ انھوں نے اپنی کتاب میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

لیکن اے عزیز ! در نظر باریک من فقیر آں اصول کہ در اسرار السالکین مذکور اند و مناقبات شریف حضرت بداں مرتب ، و ہمہ حاصل مناقبات ہمہ اند کہ بے آں بمنقابات حضرت اصل دانش نیست ، پس آں از روئے استعمال و تتبع بسیار صعب تر است ، چہ انجا بجا ست و طوالت نیز بسیار دارد کہ مجموع کلاں تر است ...... درین رسالہ فقیر بقدر وسع خود قدرے از ضروریات بطریقۂ اختصار از آں مجموعہ مطرلہ ایراد کردہ مرقوم ساختہ ۔

لیکن اے عزیز ! مجھ فقیر کی باریک نظر میں وہ اصول جو ''اسرار السالکین'' میں مذکور ہیں ، اور حضرت کے مناقب شریف جو اس میں ہیں ، وہ تمام مناقب کا نچوڑ ہیں کہ ان کے بغیر حضرت کے اصل مناقب تک عقل نہیں پہنچتی ، پس اس سے استعمال اور تتبع بہت مشکل ہے اس لیے کہ جو اس میں ہے بجا ہے اور طوالت بہت رکھتا ہے کہ یہ بڑا مجموعہ ہے ...... اس رسالے میں فقیر نے بقدر وسعت اپنی ضرورت کے مطابق لے کر بطریقۂ اختصار اس طویل مجموعے سے لکھا ہے ۔

خواجہ جمال الدین :

شیخ رحمکار کے خلفاء میں خواجہ جمال الدین کو بھی خاص شہرت و عظمت حاصل ہے ، انھوں نے بھی اپنے شیخ کی سوانح حیات اور ان کے فضائل و مناقب کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا تھا ، صاحبِ ''مجمع البرکات'' کا بیان ہے کہ شیخ کے فضائل و مناقب میں خواجہ شمس الدین کی کتاب کے بعد یہ کتاب سب سے عمدہ ہے ۔

صاحب "مجمع البرکات" نے خواجہ جمال الدین کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ان کا اصل نام جمیل بیگ یا جمیل خاں تھا ، جو خوشحال خاں خٹک کے بھائی تھے ، اور ریاست و امارت کو چھوڑ کر حضرت شیخ رحمکار کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے ، صاحبِ جذب و سرمستی تھے -

خواجہ جمال الدین کا مزار موضع تنگاڑو کے قریب علاقۂ خٹک تحصیل نوشہرہ میں اکوڑے سے بجانب جنوب اور زیارت کاکا صاحب سے مشرق جانب واقع ہے ، ان کی اولاد فقیر خیل کے نام سے نوشہرہ کے مختلف دیہات و قصبات میں پھیلی ہوئی ہے -

شیخ اخ الدین :

حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء میں شیخ اخ الدین کی یہ خصوصیت ہے کہ شیخ رحمکار کے وہ اُستاد بھی تھے ، اور آپ نے حدیث کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ" کے چند سبق ان سے پڑھے بھی تھے -

شیخ اخ الدین نے حضرت شیخ رحمکار کے گیارہ سال بعد ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۳ء) وفات پائی - کسی نے ان کی وفات کی تاریخ ذیل کے قطعے میں نکالی ہے :

چو رفت از دار فانی شیخ اخ الدین
قدم برداشت بر آئیں پیشیں
طلب کردم ز ہاتف سالِ تاریخ
ندا ایں داد بودِ ایں شہ اخ الدیں
۱۰۷۴ھ

شیخ اخ الدین کا مزار پر انوار اکوڑہ خٹک میں زیارت گاہ خاص و عام ہے -

سرفراز صاحب عقاب نے ان کے متعلق کچھ اور تفصیلات دیتے ہوئے اپنے رسالے "کاکا صاحب" میں لکھا کہ شیخ اخ الدین کو شیخ ادین بھی کہتے ہیں - نصر صاحب نے ان کا نام اخو الدین سلجوق لکھا ہے ، اور مؤلف "مجمع البرکات" نے ان کا نام اخون ادین تحریر کیا ہے - انھوں نے

دینی تعلیم دہلی میں حاصل کی تھی ، اور ان کی شادی امنزو میں ہوئی تھی۔ اپنے دور کے متبحر عالم تھے ۔ ان کی اولاد آج تک زیارت کاکا صاحب میں موجود ہے ، اور کاکا خیل ان کی بڑی عزت کرتے ہیں ۔ شیخ ادین نے ۱۰۷۴ (۶۴-۱۶۶۳ء) میں وفات پائی، ان کا مزار سرائے اکوڑہ میں ہے(۱)۔

غازی خان بابا :

غازی خان بابا بھی حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء اور عزیزوں میں تھے ۔ ان کا مزار زیارت کاکا صاحب میں شیخ رحمکار کے روضۂ مبارک سے جانب مغرب محلہ قنبرخیل میں واقع ہے ۔

میاں عبدالرحیم مشہور بہ میاں جی گل :

میاں عبدالرحیم مشہور بہ میاں جی گل ، سادات بخارا میں سے تھے ۔ چونکہ ان کا پیشہ معلمی تھا ، اس لیے میاں جی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ ابتداًء حاجی بہادر کوہاٹی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ، پھر حضرت رحمکار سے بیعت کر کے سلوک و عرفان کے اعلیٰ منازل طے کیے ۔ ان کا مزار موضع شویکی میں واقع ہے ، جو ضلع کوہاٹ میں لاچی سے شکردرہ جانے والی سڑک پر نو میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ ان کی اولاد آج بھی شکردرہ اور بعض دوسرے دیہات میں موجود ہے ۔

شیخ علی گل و ملی گل :

یہ دونوں حقیقی بھائی حضرت شیخ کے خادم خاص اور جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ حضرت شیخ رحمکار کی نظر شفقت و التفات ان دونوں پر بیحد تھی ۔ اخون اسماعیل نے بارگاہ حضرت شیخ رحمکار میں ان دونوں بھائیوں کے تقرب و خصوصیات کو دیکھتے ہوئے لکھا کہ

ہر دو سرہنگانِ درگاہ و نہنگانِ محیط بارگاہ حضرت بود"

اخون اسماعیل کا بیان ہے کہ شیخ ملّی تو حضرت شیخ رحمکار کے ہاں تقرب و اختصاص کی اس منزل پر فائز تھے کہ جہاں نیازمندیاں ناز بن جاتی ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :

۱۔ ماخوذ از رسالہ "کاکا صاحب" ۔ صفحہ ۶۲ ۔

''شیخ ملّی که در خلا و ملا به آنحضرت محرم بود
اکثر اوقات ابواب گستاخی مفتوح داشت''

دونوں بھائیوں کے سپرد لنگر کا اہتمام و انتظام تھا - دونوں بھائی خود کھانا پکاتے اور فقراء میں تقسیم کرتے تھے - دونوں میں بیحد اتفاق ، خلوص اور یگانگت تھی - ان دونوں کی محبت و یگانگت کا مظہر آج بھی وہ دو قبریں ہیں جو چار دیواری میں حضرت شیخ رحمکار کے روضۂ مبارک سے مغربی جانب واقع ہیں(۱) -

شیخ محمد حیات :

یہ بھی حضرت شیخ رحمکار کے جلیل القدر خلفاء میں تھے - صاحبِ زھد و ورع اور مستجاب الدعوات تھے - کہا جاتا ہے کہ نواب سعداللہ خاں(۲) جو آیندہ چل کر شاھجہاں(۳) کا وزیر ہوا ، اپنے

۱- یہ تمام خلفاء کے حالات ''تذکرۂ شیخ رحمکار'' مرتبۂ سید سیاح الدین کاکاخیل صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۵ سے ماخوذ ہیں -

۲ - سعد اللہ خاں ضلع جھنگ کے ایک قصبے چنیوٹ میں پیدا ہؤا ، اور لاہور میں ہوش سنبھالا اور حفظِ قرآن مجید کے بعد علّامہ یوسف اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی اور ایک طویل عرصے تک مدرسۂ وزیر خاں لاہور میں تعلیم پاتا رہا - جب شاھجہاں اپنے جلوس کے چودھویں سال لاہور آیا ، اس نے سعد اللہ خاں کے علم و فضل کی شہرت سن کر ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) اس کو طلب کیا اور سعد اللہ خاں کا لقب دے کر اپنے ملازموں میں شامل کر لیا ، یہاں تک کہ رجب ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۴ء) میں اس کو اپنا وزیر بنایا - سعد اللہ خاں نے مرض قولنج سے ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۵ء) میں وفات پائی ، (ماخوذ از ''نزھۃالخواطر'' ، جلد ۵ - صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶) -

۳ - عہدِ حکومت شاھجہان ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذی قعدہ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۷ پر)

زمانۂ طالب علمی میں جب کہ وہ نہایت غریب تھا شیخ محمد حیات کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہؤا اور دعا کا طالب ہؤا کہ اسے ترقی و خوشحالی نصیب ہو۔ شیخ محمد حیات نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ ان کی دعا کا اثر تھا کہ وہ وزارت عظمیٰ کے جلیل‌القدر عہدے پر فائز ہوا۔

شیخ محمد حیات کا مزار پُر انوار موضع پلوٹ علاقۂ ٹیکسلا ، حسن ابدال میں مرجع خاص و عام ہے(۱)۔

جمیل بیگ مشہور بہ فقیر صاحب :

جمیل بیگ مشہور بہ فقیر صاحب پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک کے حقیقی بھائی تھے ، اور حضرت شیخ رحمکار کے مرید اور جلیل‌القدر خلفاء میں تھے۔ انھوں نے ایک کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کے نام سے لکھی تھی ۔ جس کا ایک خطی نسخہ جو خود ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے ، اور دنیا میں واحد نسخہ ہے پشتو اکیڈیمی پشاور میں موجود ہے۔ اس کا سائز ۱۵/۲۲ ہے ، کاغذ دیسی حنائی ہے ، ہر صفحے پر ۱۳ سطریں ہیں - یہ کتاب فارسی میں ہے ، اور اس میں قدیم مختلف صوفیہ کے تذکرے ہیں - شروع میں جمیل بیگ نے اپنے مرشد شیخ رحمکار کا کچھ حال اور مناقب لکھے ہیں - کتاب کی ابتدا میں انھوں نے لکھا :

و نام کاتب ایں کتاب جمیل ابن شہباز افغان خٹک مرید شیخ رحمکار افغان خٹک رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ العزیز ، و مرید شدم ، مرا فقیر خوانند ، ہمیں نامم جاری شد برمن

اور اس کتاب کے کاتب کا نام جمیل ابن شہباز افغان خٹک مرید شیخ رحمکار افغان خٹک رحمۃ اللہ علیہ ، قدس سرہ العزیز ہے ، میں مرید ہوا ، اور مجھ کو لوگ فقیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶)

۱۰۶۸ھ- وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ (فٹ‌نوٹ ''مقالات‌الشعراء'' صفحہ ۳۹ بضمن ابراہیم)۔

۱- ماخوذ از ''تذکرۂ شیخ رحمکار''۔

و بعد چند سال مرا وجد حاصل شد ، عامه گفتند که دیوانه شد ، مرشدم گفت ... همچو یک دو دیوانه دیگر بودے(۱) -

کہہ کر بلاتے تھے ، میرا نام یہی مشہور ہوگیا ، اور چند سال کے بعد مجھے وجد کی کیفیت حاصل ہوئی ، لوگ کہتے تھے کہ یہ دیوانہ ہوگیا ، میرے پیر نے یہ بات سنی تو کہا کہ (کاش) ایسے ایک دو دیوانے اور ہوتے -

ان کے علاوہ عقاب صاحب نے اپنے رسالے ''کاکا صاحب'' میں آپ کے حسب ذیل مریدوں کا مختصر تذکرہ کیا ہے -

۱ - مظفر صاحبزادہ اخوند اسماعیل ، ۲ - عبدالرحیم معروف به شیخ رحیم ، ۳ - سرمست هشت نگری - ۴ - حاجی تیمر - ۵ - نیاز بیگ - ۶ - شیخ عثمان ، ۷ - مُلّا لذت ساکن باج گٹه (بنیر) ، ۸ - دریا خاں چمکنی ، ۹ - شیخ حسین بیگ ، ۱۰ - شاهی فقیر - ۱۱ - نظر یوسف زئی - ۱۲ - شیخ کمال - ۱۳ - دادر - ۱۴ - بهادر خاں(۲) -

خوشحال خاں خٹک :

پشتو شاعری و ادب کا گلِ سر سبد جس کی خوشبو سے سابق صوبۂ سرحد کی وادیاں مہک اٹھیں ، جس کے پاکیزہ نغموں سے اس علاقے کے گاؤں قصبے اور شہر گونج اٹھے ، جس کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پہنچی ، جو پشتو شاعری و ادب کے آسمان پر مہرِ درخشاں بن کر چمکا ، جس نے پشتو شاعری کی سطح کو آسمان کا همدوش بنایا ، جس نے پشتو کے گلستانِ شاعری میں نئے نئے گل بوٹے کھلائے وہ خوشحال خاں خٹک ہے - یہ عظیم المرتبت شاعر بھی حضرت شیخ رحمکار کے مخلص ترین مریدوں میں تھا -

---

۱ - ''تذکرة الاولیاء'' قلمی مملوکہ پشتو اکیڈیمی - پشاور - تالیف جمیل بیگ فقیر - صفحه ۸ -

۲ - رساله ''کاکا صاحب'' - صفحه ۶۰ تا ۶۲ -

اس کا نام خوشحال خاں ، اس کے والد کا نام شہباز خاں تھا ۔ وہ نسباً خٹک کے قبیلے حسن خیل یاتری سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کا پردادا ملک اکوڑے جو کوہاٹ کے علاقے ٹیری کے ایک گاؤں میں رہتا تھا اور جس کے باپ کا نام درویش محمد عرف ''چنجو'' تھا ، کسی بات پر اپنے اعزہ سے ناراض ہوکر اپنے چند معتمدین کو لے کر خوڑے کے درۂ سونیالہ میں آکر مقیم ہوگیا ۔ اس نے اس علاقے میں تاخت و تاراج کو اپنا ذریعۂ معیشت بنایا ۔

اسی زمانے میں اکبر بادشاہ اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کے تعاقب میں اس علاقے میں آیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ اٹک سے لے کر پشاور تک کی شاہراہ غیر محفوظ ہے ۔ اسے خیال ہؤا کہ اس کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس نے قبائلی سرداروں سے مشورہ کرکے اس شاہراہ کی حفاظت کا انتظام ملک اکوڑے خاں کے سپرد کیا اور خیر آباد سے نوشہرہ تک کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیا ۔ ملک اکوڑے نے الطافِ شاہانہ کو اپنی طرف مبذول دیکھ کر شاہی ملازمت قبول کرلی ۔ اب اس کی حیثیت ایک شاہی ملازم کی تھی ۔ اس نے نوشہرہ سے مشرق جانب سات آٹھ میل کے فاصلے پر بڑی سڑک سے جانب جنوب اور دریائے لنڈہ کے جنوبی کنارے کے درمیان ایک آبادی کی بنیاد سرائے کے نام سے رکھی ، جو آگے چل کر اکوڑہ خٹک کے نام سے مشہور ہوئی ۔ وہ خود بھی بستی میں رہنے سہنے لگا ۔

ملک اکوڑہ ایک لڑائی میں نازو خاں بولاق کے ھاتھوں قتل ہؤا ۔ ملک خاں کے آٹھ بیٹے تھے ، سب سے بڑا لڑکا محمد یحیٰ خاں تھا جو اپنے باپ کی جگہ جانشین ہؤا ۔ یحیٰ خاں بھی بڑا بہادر اور شجیع تھا ۔ یہ بھی ایک لڑائی میں اپنے بیٹے عالم علی خاں کے ساتھ قتل ہؤا تو اس کے بیٹے شہباز خاں کو سردار تسلیم کرلیا گیا ۔

اسی شہباز خاں کے ھاں ماہ ربیع الثانی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں عہد جہانگیرمیں پشتوشاعری کا وہ گل سرسبد خوشحال خاں پیدا ہؤا جس کے نغمے آج بھی صدیاں گزر جانے پر اھل نظر کو مست بنائے ہوئے ھیں ۔ وہ اپنی

ولادت کے سنہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

دھجرت زر دویشت سن وو چه زه راغلم په جهان	سنه ایک هزار بائیس هجری تھا که میں اس دنیا میں آیا

وہ اپنے اشعار میں اپنے آباء و اجداد کی شرافت و شجاعت اور اپنے حسب و نسب پر روشنی ڈالتے ہوئے والہانہ انداز میں کہتا ہے کہ

مجزہئے دتیغ راکرہ پہ اصل کنبے پنبتوں یم
پلار پہ نیکہ نہ یم ہے دولتہ ہے خشم

(مجھے) تلوار سے حصہ ملا ہے ، میں حسب نسب میں پشتون ہوں ۔ باپ دادا سے بے دولت اور بے حشم نہیں رہا ہوں ۔

پلارم سور کفن و کور تہلار نیکونہ وارہ
دیر خلق پرومر خون ئے لار شوتر عالم

باپ بھی خون میں رنگا ہوا کفن لے کر قبر میں گئے ، اور دادا پردادا بھی ۔ ان کے انتقام میں بہت لوگ مارے گئے ۔

پلارم شہباز خان پہ سخاوت لکہ حاتم وو
زرہئے دزمری پہ تورہ تیرووتر رستم

میرے باپ شہباز خاں تھے ، جو سخاوت میں دوسرے حاتم تھے ، ان کا دل شیر کا تھا ، اور بہادری میں وہ رستم سے بڑھ کے تھے ۔

تنیک ولار پہ شرعہ تل ئے کاروپہ رہتیا کنبے
خط سودائے نہ وونور دانا وولہ فہم

شرع پر سختی سے قائم رہے ، اور ان کے کام همیشه صداقت کے ساتھ رہے ۔ لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا ، ویسے فہم و فراست میں دانا تھے ۔

خوبہ نیکہ ستایم یحیی خان جنت ئے ځا ئے شه
روغ لکہ یوسف وو درست تر سر تر قدم

اور دادا کی کہاں تک تعریف کروں ! یحیی خاں خدا انھیں جنت میں جگہ دے ، حسن میں سر سے پاؤں تک حضرت یوسف کی طرح تھے ۔

بل نیکہ ځماملک اکوچہ پہ ختک کنبے
دہ را ورہ دابرخہ دلویئی مقدم

میرے پردادا ملک اکوڑ تھے ، خٹکوں میں سب سے پہلے وهی لڑائی کا حصہ لائے تھے ۔

دیرش کالونه وشول چه مے پلار دے شہید شوے
مر کسر یوسف زوماهم اور کره یاندے سم

میرے والد کو شہید هوئے تیس سال هو چکے ، انهیں یوسف زئی قبیلے کے لوگوں نے مارا تھا ، میں نے بھی ان پر هاتھ کے هاتھ آگ لگا دی تھی ۔

(''منتخبات خوشحال خاں خٹک'' ، صفحہ ۱۴۴ - ۱۴۵)

افسوس هے کہ خوشحال کے ابتدائی حالات کے متعلق اس کے تمام تذکرہ نگار خاموش نظر آتے هیں . نہ همیں اس کے تذکروں میں یہ رهنمائی ملتی هے کہ اس کے جوهر قابل کو کن اساتذہ اور بزرگوں نے مجلیٰ ومصفیٰ بنایا تھا ، لیکن اس کے کلام سے همیں اس کے تبحرعلمی اور علم و فضل کا اندازہ هوتا هے ۔ وہ اپنے ایک قصیدے میں اپنی تعلیم پر روشنی ڈالتے هوئے کہتا هے کہ :

میری طبیعت وهبی اور عطائی هے ، اکتسابی نہیں ، اس لیے مجھے املاء تک کے لکھنے کا علم نہیں ، میں ایک گھنٹہ درس میں گزارتا تھا تو بیس گھنٹے شکار میں :

د جهان تحصیل به کل واره ځماوو
که اخته نه وے دنبکار په اشتغال

شکار مجھے کسب کمال کے لیے کب چھوڑتا تھا ، اور یہی نہیں ، میں نے دنیا بھر کے علوم وفنون کی تکمیل کر لی هوتی اگر شکار کے شغل میں منہمک نہ رهتا ۔

اس کے ان اشعار سے اندازہ هوتا هے کہ اس نے تعلیم تو معمولی پائی تھی ، لیکن اپنے طبعی ذوق اور مطالعے کی بنا پر علم وفضل کی بلند منزلوں پر فائز هؤا تھا ۔

۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ع) میں خوشحال خاں کا باپ قبیلۂ مندنٹر کے اکا خیلوں کے هاتھ سے ایک تیر سے زخمی هؤا ، اور پانچویں روز اس

نے وفات پائی ، وہ اپنے اشعار میں ایک جگہ اپنی پیدائش اور اپنے والد کے سنہ وفات پر خود ھی روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ھے کہ :

د هجرت زر دوه ویشت سن وو
چه زه راغلم په جهان ——— !
هغه کال پوره پنځوس وو
چه شهید شو شهباز خان
دهغه دور بادشاه وو
قدر دان شاه جهان

ایک هزار بائسیواں سال هجری تھا کہ میں دنیا میں آیا اور وہ سال پورا ہؤا ، ایک هزار پچاس هجری تھا کہ شہباز خاں شہید ہوئے ۔ اس وقت شاہجہاں جیسے قدر دان بادشاہ تھے ۔ (''منتخبات خوشحال خاں خٹک'' ۔ صفحہ ۱۶۰)

باپ کی وفات کے بعد لوگوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار منتخب کرلیا ۔ اس نے سردار ہوتے ھی باپ کا انتقام لینے کے لیےیوسف زئیوں پر لشکر کشی کی ، اور اکا خیلیوں کا قتلِ عام کر کے ان کے کئی گاؤں کو جلا دیا ۔

جب وہ اس لڑائی سے واپس لوٹا تو شاہجہاں نے اسے اپنے ایک فرمان کے ذریعہ سے منصب داری عطا کر کے بعض مہموں پر بھیجنا شروع کیا ۔ سب سے پہلی مہم جس پر وہ گیا کانگڑے کے قلعے تارا گڑھ کی مہم تھی ، جس میں اسے غیر معمولی کامیابی ہوئی ۔ اس کامیابی پر خوش ہو کر شاہجہاں نے اسے لاهور میں چار لاکھ روپیہ نقد اور ڈھائی لاکھ کی جاگیر عطا کی ، اور حکم دیا کہ وہ خدمت شاهی کے لیے پانسو سوار اور ایک هزار پیدل فوج تیار رکھے ۔ پھر اسے کچھ دن بعد داراشکوہ اور مراد بخش کے ساتھ بلخ و بدخشاں اور قندھار کی مہموں پر بھیجا گیا ، جس میں اس کی شاندار خدمات کی وجہ سے اس کے منصب میں اضافہ ہوتا رہا ۔ شاہجہاں اس سے بیحد خوش تھا

اور وہ بھی اشعار میں جا بجا شاہجہاں کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ ایک جگہ عالمگیر سے بیزار ہو کر شاہجہاں کی قدردانیوں کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے:

قدر دان زما د کار شاه جهان وو ——— !
د اورنگ زیب بادشاه بنکاره دے خود احوال
چه نیک خواه بد خواه همه ورته یکسان دی
نه تمیز نه ئے د عدل اعتدال

میرے کام کی قدر بس شاہجہاں کے دل میں تھی، ورنہ اورنگ زیب کا حال تو ظاہر ہی ہے
جس کے خیر خواہ اور بد خواہ دونوں ایک ہی سے ہیں خود اسے نہ عدل کی تمیز نہ اعتدال کی۔

("منتخبات خوشحال خاں" - صفحہ ۱۲۶)

اس زمانے میں جب کہ شاہجہاں عالمگیر کے حکم سے قید ہؤا اور اور دارا شکوہ پر بھائی کے ھاتھوں تباہیاں آئیں، اور وہ اپنے وطن سے دور پنجاب میں اپنی زندگی کے اداس دن گزار رہا تھا، اسے اپنی غریب الوطنی اور شاہجہان اور دارا شکوہ کی مصیبتوں کا غم ستاتا ہے، اور اس کا یہ غم اس طرح اشعار کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے:

په فلک باندے د هیچا حکم نیشة
چه ئے ظلم، سمونه، انقلاب کنبم
دا کرے په کوټ کښے بند شاهجهان دے
د دارا به هغه کوم فانی جناب کنبم

آسمان پر کسی کا حکم نہیں چلتا، جو میں اس کے ظلم و سم اور گردشوں کا حال لکھوں۔
شاہجہان آگرے کے قلعے میں قید پڑا ہے، ایسے ہی دارا کا کیا حال لکھوں۔

یو مکتوب د خپل آشنا رالره راغے
اوبنکے برغے تو ئیوم چه ځواب کنبم

ما خوشحال پہ خواب دا حال لیدلے نہ وو
چہ بہ دادغم بیتونہ پہ پنجاب کنبم

میرے محبوب کا ایک خط آیا ہے ، اب اس کا جواب لکھتے وقت میں دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپکا رہا ہوں ۔ مجھ خوشحال نے تو یہ صورت کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی کہ غم کا یہ قصیدہ میں پنجاب میں بیٹھ کر لکھوں گا ۔

("منتخبات خوشحال خان" ۔ صفحہ ۶۱)

۱۰۶۷ھ (۱۶۵۷ع) میں شاہجہان نے وفات پائی ، اور اس کی جگہ اورنگ زیب اس کا جانشین ہؤا ۔ تقریباً چھ سال تک اس نے خوشحال خان سے بالکل تعارض نہیں کیا ، لیکن ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ع) میں جب اورنگ زیب نے مہابت خان کی جگہ سید امیر خان خوافی کو کابل کا صوبیدار بنا کر پشاور بھیجا تو اس نے یہاں رہ کر خوشحال خان کی طاقت اور اثر و رسوخ کو محسوس کیا ، اور اسے اندازہ ہؤا کہ اگر اس کی طاقت نہ توڑ دی گئی تو وہ اس کی راہ کا سنگ گراں ثابت ہوگا ۔ پہلے تو اس نے اس کے چچاؤں اور قبیلے کے دوسرے افراد کو مختلف لالچ دے کر اس کے خلاف کر دیا ، پھر اس نے موقع پا کر اورنگ زیب سے کہا کہ جب تک کہ بعض زمینداروں کو قید نہ کیا جائے گا تو اس وقت تک اس علاقے میں شاہی فرامین اور احکام نافذ نہیں ہو سکتے ۔ اورنگ زیب نے اسے اجازت دے دی اس نے پشاور آتے ہی خوشحال خان خٹک کو اس بہانے سے بلایا کہ اسے اس سے کچھ مشورہ کرنا ہے ۔ جیسے ہی وہ پشاور پہنچا ، چوتھے روز سرکاری سپاہیوں نے اسے گھیر لیا ، اور گرفتار کرنے کے بعد اس کے پاؤں میں پانچ چھ سیر کی بیڑیاں ڈال کر جیل خانے میں ڈال دیا ۔ وہ اپنی امیدوں کی بساط کو اورنگ زیب کے ہاتھوں اُلٹتے ہوئے دیکھ کر کہتا ہے ۔

ماوے زہ بے د مغل پہ نوکرئ
رکیبونہ کرم د سرو ، دسپینو نال

په ناحق ئے زنځیرونه را په پښو کړل
واه ! واه هسے نوازش ! هسے آمال

میرا تو خیال تھا کہ میں مغلوں کی نوکری میں اپنے گھوڑے کی رکابیں سونے کی اور اس کے نعل چاندی کے بنواؤں گا ، مگر یہاں تو بے گناہ میرے پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں، واہ کیا بات ہے میری آرزؤں کی ، اور کیا کہنے اس کی نوازشوں کے ۔

(''منتخبات خوشحال خان'' ۔ صفحہ ۱۳۲)

خوشحال خان دو مہینے تک پشاور میں قید رہا ، پھر اسے دھلی لے جایا گیا ۔ تقریباً ایک سال تک وہ دھلی میں نظر بند رہا پھر اسے سوائی مادھو پور جے پور کے ایک پہاڑی قلعے میں رنتھنبور میں قید کر دیا گیا ۔ تقریباً وہ پانچ سال تک قید و نظر بند رہا ، اسی قید و نظر بندی کی وجہ سے خوشحال خان کے قلب میں مغلوں کی مخالفت کا ایک الاؤ بھڑک اٹھا ۔ اسی زمانے میں اس کی مغلوں سے محبت نفرت سے بدلی ، جس کا سب سے بڑا ہدف اورنگ زیب تھا ۔ پشتو شاعری کے اس سرتاجِ شعرا نے جو بیک وقت صاحب سیف بھی تھا اور صاحبِ قلم بھی مغلوں کے خلاف اپنی نفرت کو شاعری کے سانچے میں ڈھال کر اپنی آتش نوائیوں سے اک آگ لگا دی ۔ وہ قلعے کی اسیری کے زمانے میں اپنی بےگناھی کو نہایت مظلومیت اور حسرتناک لہجے میں اسے شعر کا آب و رنگ دیتے ہوئے کہتا ہے :

په نا حق دا اورنگ زیب په بند بندی یم
خدائے خبر دے په تهمت او په بهتان
زه په ځان کنبے گناه نه و نیم خدائے کو
ولے نور خلق خبرے که شان شان
د گناه ے سر رشته معلومه نده ـــــــ !
مکر خپل هنر دځان و نیم تاوان
لکه زه ووم په راستئ په درستئ کنبے
دِ مغلِ په خدمت نه وو بلِ افغانِ

بالکل بےگناہ اورنگ زیب کی قید میں پڑا ہؤا ہوں، خدا جانتا ھے کہ تہمت اور بہتان کا شکار ھوں ، خدا کی قسم میں اپنا کوئی گناہ نہیں دیکھتا - میرے گناہ کی اصلیت اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں ، ھاں میری روشنیٔ طبع میرے لیےبلا بن گئی ھے - میری طرح راستی اور درستی کے ساتھ دوسرا کوئی افغان مغل کی خدمت نہیں کرتا تھا - - - - - -

نه گناه نه مے تقصیر وو
د بادشاه په بند زندان شوم

نہ میرا کوئی گناہ نہ قصور یوں ھی بادشاہ کی قید میں آ گیا ھوں -

له بگرامه پنبے تر لے
هندوستان لره روان شوم

پشاور سے پا بجولاں میں ہندوستان روانہ ہؤا -

ایک اور جگہ اپنے درد کو شاعرانہ نوا میں ڈھالتے ھوئے کہتا ھے:

اس میں شک نہیں کہ مغلوں کا نمک پروردہ ھوں ، مگر اورنگ زیب کے ھاتھوں کلیجہ منہ کو آ رھا ھے ، حالانکہ خدا جانتا ھے جو مجھے اپنے گناہ کے متعلق کچھ بھی خبر ھو - (مقدمہ ''منتخبات'')

قید و بند میں وطن کے احباب کی یاد جب اس کے سینے میں کروٹیں بدلتی ھے تو وہ بے چین ھو کر یوں نغمہ سرا ھوتا ھے :

د هیواد یاران ے هر زمان یاد یزی
چه ئے مخ په خوب کنبے اووینم ویارم
چه قاصد دیار دخولے کتابت راوری
څوئے لوند په او نبکو نه کرم نه ئے نعارم
زه خوشحال په خپل قسمت پورے حیران یم
چه په چرته گرځیدم په چرته لارم

اپنے وطن کے دوست مجھے ھرگھڑی یاد آتے رھتے ھیں ، اگر خواب میں بھی میں کبھی ان کا چہرہ دیکھ لیتا ھوں تو خوش ھو جاتا

ھوں - جب، کبھی قاصد محبوبہ کے پاس سے خط لےکر آتا ھے تو جب تک میں اسے آنسوؤں سے تر نہ کر لوں اسے نہیں لپیٹتا میں خوشحال ! اپنی قسمت کی گردش پر حیران ھوں کہ ابھی کہاں تھا اور ابھی کہاں ھوں -

(''منتخبات'' صفحہ ۶۰)

دھلی میں نظر بندی کے زمانے میں جب عید آتی ھے تو اس کے دل میں وطن اور گھر والوں کی یاد کی چوٹیں ابھرنے لگتی ھیں - وہ غریب الوطنی کی اس عید پر نوحہ کناں ھوتے ھوئے کہتا ھے :

زہ غم جن پہ عید پہ جشن خبر نہ شوم
کہ درست خلق د دھلی ابھتاج کہ
اوبہ ستر کولرہ لاڑے اور د زرہ شو
څوک بہ ځرنگ ژوند ون پہ دا مزاج کہ

مجھ غم زدہ کو تو جشن عید کی بھی خوشی نہ ھوئی ، حالانکہ دھلی بھر میں لوگوں نے خوشیاں منائیں - پانی آنکھوں کے حصے میں آیا ھے ، اور آگ دل بن کر رہ گئی ھے - بھلا ایسے مزاج کے ساتھ کوئی کیا زندگی گزارے گا :

(''منتخبات'' صفحہ ۹)

قلعۂ رن تھنبور کی قید کی تنہائیوں میں جب وطن کی یاد کی ھوک اُس کے دل میں اٹھتی ھے تو وہ اپنے اشعار کے آئینہ خانے میں ان یادوں کو اس طرح سجاتا ھے کہ قاری ان اشعار کو پڑھ کر متاثر ھوئے بغیر نہیں رہ سکتا - ایک جگہ کہتا ھے -

وہ ھوا جو کابل کی طرف سے اٹھ کر آتی ھے
مجھ پر عنبر چھڑکتی ھے -
جو کوئی کابل کا نام لیتا ھے ، میرے سینے میں
جوش اٹھتا ھے -
جو کوئی پشاور کا ذکر کرتا ھے تو میرا دل
روشن ھو جاتا ھے -
جو کوئی لاھور کا نام لیتا ھے تو اس سے

بھی میرے دل کو دلاسا ھوتا ھے ۔
کابل و پنجاب کے خواہ آدمی ھوں یا کتّے
جوں ھی مجھے دکھائی دیتے ھیں میرا
دل بے اختیار ان پر ٹوٹ پڑتا ھے ۔

("رودِ کوثر" صفحہ ۳۳۴)

وہ ایک جگہ اپنے قید کے سنہ کی نحوستوں کو نظم کرتے ھوئے کہتا ھے کہ:

زہ چہ دغعدم پہ کال بندی د اورنگ زیب شوم
کور او خیل خانہ سے پکبنے دیرہ وہ لہ دمؔ

میں سنہ ۱۰۷۲ھ میں اورنگ زیب کے ھاتھوں قید ھؤا تھا ۔ اس میں میرا تمام خاندان اور اھل و عیال پریشان رھے ۔

("منتخبات" صفحہ ۱۴۵

ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اسے وفاداری کے وعدے پر اس قید و بند سے رھائی ملی تھی ، لیکن جب وہ اپنے وطن واپس لوٹا تو کئی سال کی قید و بند کی مصیبتوں نے اس کے قلب میں مغلوں کے خلاف نفرت و عداوت کی بنیادوں کو اس قدر مستحکم کر دیا تھا کہ وہ اپنے وعدے پر قائم نہ رھا ۔ اس کے وطن کے حالات بگڑ چکے تھے ۔ پورے علاقے میں بد امنی پھیل چکی تھی ۔ یوسف زئی جن سے اس کی عداوت تھی ، اسی قبیلے کے لوگوں نے اس کے قید و بند کے زمانے میں اس کے خاندان کے لوگوں کو اپنی حفاظت میں نہایت احترام سے رکھا تھا ، اور اسی قبیلے کے لوگوں نے جا بجا مغلوں کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی ، لیکن اس عظیم احسان کے بعد جو یوسف زئیوں نے خوشحال خان کے خاندان پر کیا تھا ، اب ان کے مقابلے میں اس کی تلوار کند ھو چکی تھی ۔ ادھر غم و غصے کا ٹھاٹھیں مارتا ھؤا دریا مغلوں کے خلاف اس کے سینے میں موجزن تھا ۔ اس نے قید خانے ھی میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مغلوں سے اپنا انتقام لے گا ۔ وہ کبھی مغلوں کی وفاداری اور حمایت کا دم بھرتے ھوئے قبائل کو تلقین کرتا تھا کہ

د مغلو دولت خواه اوسه څو ژوے
و نفروته ئے هم کره سل سلام
دهغه به فیروزی په جهان نه وی
چه ئے و خوری د چا مالگه که حرام

جب تک زندہ رهو ، مغلوں کی حمایت کا دم بھرتے رهو ، ان کے نوکروں کو بھی سو سو سلام کرتے رهو ۔
جو شخص کسی کا نمک کھا کر اسے حرام کر دے ، وہ دنیا میں کبھی کامیاب و کامران نہ هوگا ۔

("منتخبات" صفحہ ۱۳۹)

اب وهی خوشحال خان مغلوں اور خصوصاً اورنگ زیب کے مقابلے میں شمشیر برهنه بن چکا تھا ۔ مغلوں کے وهی انعام و اکرام جو ایک دن اسے مغلوں کی تعریف میں رطب اللسان بنائے هوئے تھے ، اب اس کی نظر میں حقیر تھے ، مغلوں کی نفرت و عداوت نے اس کی شاعری کو ایک نیا رنگ دیا تھا ، اب وہ علی الاعلان پکار کہ رها تھا :

دا منصوبه دا انعامونه
وارۀ زندئ دی واره دامونه .
پښتون مغل به سره دوستان نشی
خوشحال ئے مه وینه دا اکرامونه

یہ منصب اور انعام سب پھندے هیں، اور سب دام ۔ پشتون اور مغل کبھی آپس میں دوست نہ هوں گے ، کم از کم خوشحال خان کو تو یہ انعام و اکرام کبھی نصیب نہ هو ۔

("منتخبات" صفحہ ۲۱۲)

وہ اورنگ زیب کے خلاف اپنے غم و غصے کو شعر کا روپ دیتے هوئے بعض بڑی تلخ حقیقتوں کو بیان کرتے هوئے کہتا هے :

میں اورنگ زیب کے عدل و انصاف کو خوب جانتا هوں
اور اس کے دین و مذهب اور نفس کشی و روزہ داری سے بھی
واقف هوں کیا اس کے سب بھائی ایک ایک کرکے اس کی

تلوار کے شکار نہیں ہوئے؟ اور اس کے باپ کو شکست کھا
کر قید خانے کی مصیبتیں جھیلنی نہیں پڑیں - خواہ کوئی شخص
دن میں ہزار بار سجدے کرے ، اور زمین پر سر مارے اور
روزوں کی کثرت سے اس کی ناف ریڑھ کی ھڈی سے مل جائے
جب تک اس کے دل میں نیکی نہ ہو اس کی سب عبادتیں اور
طہارتیں مکر و ریا ھیں ("رودِ کوثر")

"اورنگ زیب کی زبان کچھ اور کہتی ھے ، اور اس کا دل
کچھ اور سوچتا ھے - خدا کرے اس کے دل اور گردے مجروح
ھو جائیں ، اور وہ تیغ و تفنگ کا شکار ھو "

("رودِ کوثر" صفحہ ۴۳۰)

ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس نے اپنے قلم کو اورنگ زیب کی ھجو
کے لیے وقف کر دیا تھا - ایک شعر میں وہ اورنگ زیب کی ھجو پر روشنی
ڈالتے ہوئے کہتا ھے :

فردوسی لری څوبیته له محموده
زه لرم د اورنگ زیب د ذمجوال

"فردوسی نے محمود کی ھجو میں زیادہ سے زیادہ دو چار اشعار
کہے ہوں گے اور میرا دیوان تو اورنگ زیب کی مذمت کے
اشعار سے بھرا پڑا ھے "

(منتخبات - صفحہ ۱۲۵)

اورنگ زیب نے اگرچہ اس کے منصب و جاگیر کو بحال کر دیا
تھا ، لیکن اس کو انتقام اور عزت و ناموس کے سامنے اب یہ سب
چیزیں ھیچ نظر آتی تھیں ، وہ اس معاملے میں اپنی دلی کیفیات کو بیان
کرتے ہوئے کہتا ھے :

"وہ زندگی جو عزت و آبرو کے ساتھ نہ ھو ، ایسی زندگی
بسر کرنے والوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ھوتی ھے - آگ
لگے ان کے دیے ہوئے منصب اور نوکری کو جس سے میں

خود مغلوں کی نظر میں حقیر ہوں ۔ مجھے جب اپنے نام و ننگ
کا احساس ہوتا ہے فرطِ غیرت سے دیوانہ ہوجاتا ہوں، پھر مجھے
لاکھوں کے سود و زیاں کی کب خبر ہوتی ہے"

جب مغل گورنر مہابت خاں نے یوسف زئی قبائل پر دباؤ ڈالنے کے لیے قلعہ تعمیر کرنا چاہا تو خوشحال خاں نے اس کی سخت مخالفت کی ، لیکن مہابت خاں نے باوجود اس کی مخالفت کے لنگر کوٹ کا قلعہ تعمیر کرا لیا ، اس کے اس عمل نے آفریدیوں میں بغاوت کی آگ کو بھڑکا دیا ، اور اس آتش نوا شاعر نے اپنی آتش بیانی اور پُر اثر اشعار سے بغاوت کی اس آگ کو اور تیز تر کر دیا ۔ ایمل خاں مہمند، دریا خاں آفریدی اور خوشحال خاں خٹک نے مختلف مقامات پر اور کبھی مل کر مغل فوجوں کا مقابلہ کیا اور شکستیں دیں ۔ آخر پیہم ناکامیوں کو دیکھ کر اورنگ زیب کو دو سال تک اٹک کے قریب قیام کرنا پڑا ، وہ اپنے اشعار میں عالمگیر کی اس زمانے کی پریشانیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے :

اورنگ زیب راتہ یو کال او شوچہ پروت دے
پہ صورت حیران پریشان پہ زڑۂ افگار
کال پہ کال امرایان دی چہ پریو حئی
چہ طوفان شولے لنبکر کوم شے شمار

اورنگ زیب بھی ایک سال سے میرے مقابلے کے لیے ڈیرے ڈالے
پڑا ہے، بظاھر حیران و پریشان اور بباطن دل افگار ۔ ھر سال اس کے
اُمرا یہاں آ آ کر ناکام و تباہ ہوتے ہیں ، اور جو فوجیں تباہ
ہوئیں ان کا شمار ھی نہیں

("منتخبات" صفحہ ۱۱۵)

مغلوں نے اس کے بیٹے بہرام کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ، اور یہ اس قدر ناخلف ثابت ہؤا کہ اس نے ساری عمر اپنے باپ کو پریشان رکھا ، لیکن خوشحال خاں نے اس کی بھی مطلقاً پروا نہیں کی ۔ اس کے لیے جہاں تک ممکن تھا ، وہ مغلوں کے لیے طرح طرح کی دقتیں اور مشکلات پیدا کرتا رہا ۔ اپنے اس ناہنجار بیٹے سے

اسے جو تلخیاں پہنچیں اس نے انھیں نہایت دردناک طریقے پر کئی جگہ نظم کیا ہے - ایک جگہ ۱۰۹۰ھ(۱۶۷۹ع) میں بہرام کی نالائقی کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے :

د مغلومے بلا شوہ
غر پہ غر پہ کوھستان شوم
خپل اولس مے مغلی شو
نا امید لہ خاندان شوم
شوم بہرام مے دُحان غم شو
زۂ ھم غم د دہ دُحان شوم
نا خلف مے مخالف شو
زۂ د دہ پہ کار حیران شوم
پہ شامت د دہ تر آسہ
در تہ څہ وایم ثہ شان شوم

مغلوں کی بلا جب سے مجھ پر مسلط ہوئی ، تو پہاڑوں پہاڑوں پھرتا پھرا - میرے اپنے آدمی سب مغلوں کے ہوگئے ، میں تو اپنے خاندان کی طرف سے بھی نا امید ہوگیا ہوں - بہرام منحوس میری جان کے لیے عذاب ہوگیا ، اگرچہ میں بھی اس کے لیے وبال بن گیا ہوں - ناخلف بیٹا میرا مخالف ہوگیا - مجھے تو اس کی باتوں پر افسوس ہوتا ہے - اس بہرام کی شامت سے اب تک تمھیں کیا بتاؤں کہ میں کس قدر پریشان ہوا ہوں -

(''منتخبات'' - صفحہ ۲۳۱)

بہرام خاں نے ۱۰۹۲ھ(۱۶۸۱ع) میں اپنے بڑے بھائی اشرف خاں کو قلعۂ گوالیار میں قید کرا دیا - اس واقعہ سے اگرچہ خوشحال خاں کو سخت صدمہ پہنچا ، لیکن اس نے ہمت نہ ھاری ، وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ پشتونوں میں اتحاد پیدا کر کے مغلوں کو اپنے ھاں سے نکال دے ، لیکن اس کے گھر میں نا اتفاقی پیدا ہوچکی تھی ، قوم کے افراد مناصب و جاگیروں کی طرف دوڑ رہے تھے ، وہ عجیب کشمکش سے

گزر رہا تھا کہ ۱۰۹۷ھ(۱۶۸۵ع) میں اس کے علاقے میں قحط پڑا، پھر ایک وبا پھیلی - اس وبا کی وجہ سے جو تباہیاں اس کے خاندان پر آئیں وہ اپنے خاندان کے مرحومین پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے :

د غواص و کال وبا
خدائے ئے مہ رواله بیا
اکوڑ خیل سے په کنبے ومڑل
لوئے هلک مرد او نسا

۱۰۹۷ھ(۱۶۸۵ع) کی وبا، خدا یا پھر ایسی وبا نہ لانا
میری ددھیال کے کتنے چھوٹے بڑے مرد، عورت اس میں مرگئے

بخت ناک خان سے په کنبے و مڑ
مور ئے هم بوتله قضا
یو هلک ئے وو راپاتے
ور پسے شه زر فنا
چا ته ژاڑم له دے غمه
سود م کوم دے د ژڑا
لور په لور په دا لمبو کنبے
عالم پروت په واویلا
تر د کنه تر کابله
راخوره شوه دا بلا
په لکونو عالم ومڑ
چه شهرونه شول صحرا
اول قحط بیا وبا وه
په هر لوری وه غوغا

میرا بختنا ک بھی اسی میں مرا، اس کی ماں کو بھی موت لے گئی
اس کا ایک لڑکا رہ گیا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے جلد گزر گیا
اس آگ کے شعلوں میں ہر طرف لوگ چیخ رہے ھیں
دکن سے لے کر کابل تک آفت مچی ہوئی ہے

لاکھوں آدمی مر گئے ، شہر کے شہر ویران ہوگئے
پہلے قحط پڑا ، پھر وبا آئی ، ہر طرف ایک شور مچ گیا
(''منتخبات'' - صفحہ ۹۴)

زمانے نے ۱۰۹۸ھ(۱۶۸۶ع) میں اس کے لیے ایک اور نئی مصیبت پیدا کی - بہرام تو باپ کی جان کا لاگو تھا ھی ، اس نے اپنے دوسرے بھائی عابد خاں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا - ان دونوں کی ساز باز سے خوشحال خاں کا ایک اور بیٹا طاھر خاں عالم نوجوانی میں مارا گیا - اس کی ناگہانی موت نے باپ کی کمر بالکل توڑ دی - وہ مصائب کے ھجوم سے مجبور ھوکر نکل بھاگا اور حسن خیل آفریدیوں کے علاقے موسیٰ دری کے ایک گاؤں ڈمبرہ کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ھوگیا - کچھ عرصے کے بعد اٹھتر سال کی عمر میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ(۱۶۸۸ع) کو پشتو کا یہ عظیم المرتبت شاعر اس دنیا سے رخصت ھؤا -

مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری قبر ایسی جگہ بنائی جائے ، جہاں میری خاک پر مغلوں کا سایہ نہ پڑسکے اور نہ مغل سواروں کی گھوڑوں کی گرد میری قبر پر جاسکے کیونکہ میں نے مغلوں کے بہترین فوجیوں کو خاک و خون میں تڑپایا ھے - چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق اسے قصبہ اکوڑہ خٹک کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر ایسوڑی بالا گاؤں کے قریب پہاڑیوں کے دامن میں دفن کیا گیا - خوشحال خاں کی اسی وصیت کی طرف علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ھے :

کہوں تجھ سے اے ھمنشیں دل کی بات
وہ مدفن ھے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمند

یہ تھی اس شاعرِ آتش نوا کی مختصر داستانِ حیات ، لیکن ھمیں اس کی زندگی ، سیرت و کردار کے اور متعدد پہلو اس کے کلام میں ملتے ھیں - اب ھم اُس کی اپنی بنائی ھوئی تصویر کو اسی کے آئینے میں سجا کر یہاں پیش کرتے ھیں - اُس کے حسب و نسب اور تعلیم کے متعلق ھم گذشتہ اوراق میں تذکرہ کرچکے ھیں ، اس کے مذھب و مسلک کے متعلق

ہمیں اس کے کلام سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ اہل السنّت و الجماعت میں تھا اور مسلکاً حنفی تھا ۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے :

پشت به پشت راغلے مسلمان محمدی یم
چار د چار یا راندو سره واڑه منم سم
درست په داپوهیبزم چه څلور مذهبه حق دی
زه دحنفی مذهب دعوالرم محکم

میں پشت به پشت محمدی مسلمان چلا آیا ہوں ، اور چاروں یاروں کو ایک جیسا مانتا ہوں
اچھی طرح جانتا ہوں کہ چاروں مذہب حق ہیں ، مگر میں حنفی مذہب کا پکا دعویٰ رکھتا ہوں

("منتخبات" ۔ صفحہ ۱۴۳)

ایک اور جگہ خلفائے اربعہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے :

که په منینه د صدیق ولاڑ صادق یم
هسے سا گنڑه په مهر د عمر حیدر
په عثمان باند به څه وایم چه څویم
په هزار رنګه مئین یم په حیدر
محبت د خاندان لرم په زڑه کښبے
دولس واره اماسان م دی بصر

جیسے میں حضرت صدیق رض اکبر کی محبت میں صادق ہوں ، ایسے ہی مجھے حضرت عمر رض کی محبت میں بھی جانو ۔
حضرت عثمان رض کے لیے میں کیا کہوں کہ میں انہیں کتنا چاہتا ہوں ، اور میں حضرت حیدر رض کرار پر ہزار دل سے عاشق ہوں ۔
میں دل سے ساری آل کی محبت رکھتا ہوں ، بارہ امام سب ہی میری آنکھوں کا نور ہیں ۔

("منتخبات" ۔ صفحہ ۲۵۵)

ایک اور جگہ اپنی سنّیت پر فخر کرتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہے :

زہ خوشحال چار یاریم خوش لہ خدا یہ
چہ سنی راغلم پہ دین د پیغمبر

میں خوشحال چار یاری ہوں ، اور اپنے خدا سے خوش ہوں کہ میں اپنے پیغمبر کے دین پر سُنی بن کے آیا

(''منتخبات'' - صفحہ ۲۵۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشی حیثیت سے خاصا بے نیاز تھا - ایک جگہ وہ اپنی معاشی بے نیازی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی زندگی کی کیفیات کو بیان کرتا ہے :

نہ د سوال پہ ہنر پوہ یم
نہ طالع لرم د پور
نہ زاہد د شکرانو یم
نہ ملایم زکوۃ خور
نہ دہقان نہ سودا گریم
نہ حرفت لرم ځر نور
مائے گہی لرم پہ سر کنبے
پہ میراث د تو رو شور
وہفتاد وتہ نیزدے شوم
ہر نعمت راځی پہ کور
کہ پہ کور راشی زر گونہ
ہسے در وسی لور پہ لور

نہ مجھے مانگنے کا ڈھنگ آتا ہے نہ قرض لینے کی شامت لایا ہوں - نہ میں دکھاوے کا شکرانے کھانے والا بزرگ ہوں،نہ زکوٰۃ خور مُلّاہوں، نہ دہقان ہوں ، نہ سوداگر - نہ مجھے کوئی پیشہ آتا ہے نہ اور کچھ کام -
پیدائشی طور پر میراث میں تلوار کی جھنکار کا شور اپنے سر میں لے کر آیا ہوں -
ستّر برس کا ہونے کو آیا ہوں ، مجھے اُس کی ہر نعمت گھر بیٹھے

ملتی رہی ہے ۔ گھر میں ہزاروں جیسے آتے ہیں ویسے ہی ادھر اُدھر چلے بھی جاتے ہیں ۔

خپل روش بہ اوس نور نہ گرم
کہ مے نور کرہ مسخ مے تور
کہ ځما ترلاسہ راشی
خزانے د درست لاھور
تار پہ تار بہ ئے خورے کرم
ځان بہ نہ گرم دپیغور
زر د نوم دپارہ نبہ دی
هیڅ پہ کار نہ دی پہ کور

اب اس کے بعد میں اپنی روش نہ بدلوں گا ، اگر میں نے بدلی تو میرا منہ کالا ہو
اگر میرے ہاتھ لاہور کے خزانے آ گئے
تو میں انھیں سب میں بکھیر کر بانٹ دوں گا اورکبھی اپنے اوپر طعن تشنیع نہیں ہونے دوں گا
مال و زر نام و نمود کے لیے اچھا ہوتا ہے ، اُسے گھر میں رکھنا اورجمع کرنا نہیں چاہیے

("منتخبات" - صفحہ ۲۳۹)

وہ کثیر الاولاد تھا ۔ اس نے اپنے اشعار میں اپنے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد لکھی ہے اور ان میں سے بعض کے نام بھی لیے ہیں :

ځوئے مے اشرف دے چہ خور شوے کور پرےتمول دے
زہ چہ پہ بند لاړم خیل خانہ مے شوہ بر ھمہ
ځلرینبت حؤیہ نور لرم یودے پہ کنبے چہ لوئے دے
واړہ برخور دار شہ خدائے و ساتہ لہ غمہ
اوس پنیځہ نمسی لرم افضل د اشرف خان دے
خدائے دے برخور دار کہ پہ دہ ډیر لرمہ تم
یو مے سکہ ورور دے چہ لار د حق نیولے

دوه رونړه مے نور دی یو په نم دویم بے نم
ځائے مے ملک پور دے چه سرائے بولی وګړی
قام اولس مے پروت دے ترلکی په غره په سمه
شل زره ځوانان لرمه همه له یوه ذاته
واړه یګانه شه په خدمت کښے راته خم

اشرف خاں میرا بیٹا ہے جس کی وجہ سے بھرا گھر سمٹا سنبھلا ہؤا ہے
کیونکہ جب سے میں قید ہو گیا تھا تو میرا سب کاروبار بکھر گیا تھا - میرے چوبیس بیٹے اور بھی ہیں اور یہ اُن سب سے بڑا ہے (خدا کرے) سب برخوردار ہوں ، خدا ان کو غم سے محفوظ رکھے
اب پانچ پوتے بھی ہیں ، افضل ، اشرف خاں کا بیٹا ہے ، خدا اسے برخوردار کرے
ایک میرا سگا بھائی ہے جس نے حق کا راستہ اختیار کر رکھا ہے - میرے دو بھائی اور بھی ہیں - ایک آسودہ حال ہے اور دوسرا مفلس - مرکز میرا ملک پور ہے جسے لوگ سرائے کے نام سے پکارتے ہیں - اور قوم قبیلہ میرا کیا پہاڑوں میں اور کیا میدانوں میں لکی تک پھیلا ہؤا ہے -
بیس ہزار جوانوں کی فوج رکھتا ہوں - سب ایک ہی ذات کے ہیں ، اور سب کے سب میری خدمت میں سر جھکائے رہتے ہیں -
("منتخبات" صفحہ ۱۳۶)

۱۰۹۱ھ (۱۶۸۲ع) میں جب کے اُس کی عمر ستر سال کی تھی اُس نے اپنے لڑکوں کی تعداد تیس بتائی ہے - ایک جگہ کہتا ہے :

اس رمضان کے مہینے میں میں پورے ستر سال کا ہو گیا ہوں
اس وقت ۱۰۹۱ھ (۱۶۸۲ع) اور میزان کی تحویل ہے -
سب ملا کے میرے تیس بیٹے ہیں جو اس وقت زندہ ہیں -

اس کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کی تھی لیکن وہ اس شادی سے خوش نظر نہیں آتا ، بلکہ وہ

اپنی بیوی سے اس قدر بد دل ہے کہ اپنے بیٹوں کی نالائقیوں کو بھی اپنی بیوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

چه په عمر شوم اتلس
د شباب په عنفوان
راکره راغله جینئ
پلار نیکه ئے بد ذاتان
بل هنر کسب ئے نه وو
سفیهان وو پاده بان
بدسرشت به څو کرسئ
احمقان په خو ئے ددان
سکه پلار په تیغ وژلے
هم د ورنړو قاتلان
خپل قسمت کړه را تر غاره
د دے هسے خاندان
مشران زویه مے واړه
خدائے له دمے نه کړل عیان
څه بلا ده چه را تله
دا ځما په شبستان
زړۀ خوږ د په یوه نه شو
خوگ د زیرۀ دی خوږ د ځان
واړه یوتر بل اخته دی
په خپل کنیے خبگ جو یان
یو و پلار نیک ئه نه شو
همگی د مور په شان

جب میں اٹھارہ سال کا ہؤا ، اور جوانی کا عین شباب تھا کہ میرے ھاں ایک لڑکی آئی ، جس کے باپ دادا بد ذات تھے ۔ اُنھیں کوئی ھنر یا کام نہیں آتا تھا ۔ سب کمینے ، گڈریے اور

گنوار تھے

کئی پشتوں سے بد فطرت چلے آرہے تھے ، سب احمق ، خوبو میں
وحشی درندے تھے

قسمت نے ایسے گھرانے کی لڑکی کو میرے گلے ڈال دیا

خدا نے اسی سے میرے سارے بڑے لڑکے پیدا کیے ،کیا بلا تھی
جو میرے خلوت خانے میں آئی

(میری اولاد میں) کسی ایک کو دیکھ کر تسلی نہیں ہوتی

دل کا درد اپنی جان کا عذاب ہے

سب آپس میں ایک دوسرے کے درپے ہیں ، اپنے ہی گھر
کے اندر لڑتے بھڑتے ہیں

ان میں سے ایک بھی اپنے باپ دادا پہ نہیں گیا ، یہ سب اپنی
ماں کی طرح ہیں ("منتخبات - صفحہ ۱۶۱" - ۱۶۲)

سنہ ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) میں وہ اپنے بڑے بیٹوں کی سیرت و کردار
پر نام بنام تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

میرے بڑے بیٹوں کا جب امتحان لیا گیا تو معلوم ہوا کہ
اشرف خان کام لینے والا ہے ، ساتھ ہی کام کرنے والا

سدو ، کام کو سمجھتا ہے ، چاہے خود کام نہ کر سکتا ہو

یحییٰ کام کے لیے دوڑتا ہے ، اور ذرا سی دیر میں کام کو
نمٹا دیتا ہے

عابد خان ، خود بھی تجربے میں کامل ہے ، اور دوسروں
سے بھی اچھی طرح کام لے سکتا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال خان خٹک آخر عمر میں اپنے بیٹوں
کی نالائقیوں اور بزدلیوں ، اور اُن کی آپس کی نا اتفاقیوں کی وجہ سے اُن
سے بہت ُپر دل ہوگیا تھا ۔ اُس نے جا بجا اپنے اشعار میں ان کی نا اہلی اور
نالائقی کا ماتم کیا ہے ۔ ایک جگہ کہتا ہے :

شپز اووہ پیڑیٔ ځما وہ گور تہ لاڑے
ھمگی پہ ونیورنگ پہ تیغ وژلی

اشرف خان به یو پرهار په خان وانخلی
نه دا نور دده د موره چه زوولی
خود پلا رپه نوم مے خوری چه مشران دی
نور د تورے دکار نه دی داغولی
خو حسد بخل تفاق مئے دے په بخره
کله لویو لویو چارو وته زغلی

میری چھ سات پشتیں گور میں گئیں ، سب کے سب خون میں رنگے ہوئے اور تلوار کے گھائل۔

اشرف خاں ایک زخم بھی اپنے جسم پر برداشت نہیں کرے گا ، اور نہ ھی اُس کے اور ماں جائے بھائی۔
بڑے بیٹے تو ابھی تک باپ کا نام لے لے کے کھا رہے ھیں (ورنہ) یہ بزدل اس کے علاوہ بہادری میں کسی کام کے نہیں۔
بس یہی حسد ، بخل اور نفاق اُن کے حصے میں آیا ھے ، بڑے اور اھم کاموں کی طرف وہ کب جاتے ھیں۔

("منتخبات ۔ صفحہ ۲۴۵")

وہ جب دیکھتا ھے کہ خود اس کے بیٹے مغلوں کے جاہ و مناسب حاصل کرنے کے لیے اُس کی کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آئے ھیں تو وہ خون کے آنسو بہاتے ہوئے کہتا ھے :

څه ے ځایه ترتیب وو
چه به ماکوؤ ارمان
چه په بد بوٹی محنت که
غرامت رے په باغوان
به مے ننگ شته نه مے شرم
څه نابود دی دا سگان
غلیم د اورنگ زیب یم
سر په غر په بیابان

زه په ننگ د پنبتا نه یم
دوئی نیولی مغلان
لکه سپی هسے جا روزی
د مغل په آش و نان
د منصب په اضافو دی
تل په ماپسے روان
ځما لاس ور باندے رسی
را واهه نهشی په خان
چه ځے پلا ر سره غلیم وی
هم هغه ځے زڑۂ اوخان
چه په واڑوکنبے ارشد دے
نن یادیذی اشرف ځان
د مور پلا رینکه ته نه دے
دانا کس دے لابل شان

کیسی اکارت گئی وہ تربیت جس کا مجھے ارمان تھا
ایک ناکارہ پودے پر جو محنت کریگا ، اُس کو آخر میں نقصان اٹھانا پڑے گا
نہ ان میں شرم ہے ، نہ غیرت ، کیسے ناکارہ ہیں یہ کتے
میں تو اورنگ زیب کا دشمن ہوں ، دن رات جنگلوں اور بیابانوں میں گھومتا پھرتا ہوں
میں پشتونوں کی عزت و وقار کی حفاظت میں کوشاں ہوں ، اور انھوں نے مغلوں سے دوستی گانٹھی ہے
اور مغلوں کے شوربے روٹی پر کتوں کی طرح جاکے گرتے ہیں
اپنے عہدوں میں ترقی کے خواہاں ہیں ، اور ہمیشہ میرے درپے رہتے ہیں
مجھ میں انھیں مارنے کی طاقت ہے ، مگر اپنے آپ کو کوئی نہیں مار سکتا

جو ان کے باپ کا دشمن ہے ، وھی ان کا دل و جان ہے
جو ان میں سب سے بڑا ہے ، وہ آج اشرف خان کہلاتا ہے
وہ اپنی ماں کے باپ دادا جیسا نہیں ، وہ کچھ اور ھی طرح کا ہے

(''منتخبات - صفحہ ۱۶۲ '' - ۱۶۳)

یہ تھے اس کے وہ مختصر حالات کے ٹکڑے جو ھمیں اس کی شاعری میں ملتے ھیں لیکن جہاں تک اُس کی شاعری کا تعلق ہے ، وہ پشتو شاعری میں اقلیم سخن کا وہ تاجدار ہے ، جس کا کوئی حریف اس زبان میں ھمیں دوسرا نظر نہیں آتا ، وہ ایک آفاقی شاعر ھے ، اس شاعری میں جامعیت اور تنوع ہے - اُس کی ھمه گیر شاعری ، ھمیں اردو کے مشہور شاعر نظیر اکبر آبادی کی یا دلاتی ہے - اُس کی شاعری کے حسین و جمیل گل دستے میں ھمیں سیاست و اخلاق ، حسن و عشق ، تصوف اور حب وطن کے وہ خوش رنگ اور سدا بہار پھول ملتے ھیں که جن کی بہاریں کبھی خزاں نہیں دیکھ سکیں گی -

وہ اپنی شاعری کی ابتدا کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے که :

پہ شل کاله کنبے دیگ ځما د شعر پہ اور بار شو
پہ دا دور مے پوخ کڑہ ، چه شپته کاله مے تللی

بیس برس کی عمر میں شاعری کی دیگ چولھے پر چڑھائی گئی تھی ، اب جب که میری عمر کے ساٹھ سال گزر چکے ھیں ، تب کہیں جاکے وہ پکی ہے -

(''منتخبات صفحہ ۱۹۸'')

وہ اپنی شاعری کی ھمه گیری اور اپنی شاعری کی الہامی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

د الهام غوندے خبر وی چه را د روسی
چه ځما پہ زڑہ نزول که لایزال
درست دیوان مے لکه باغ د علم گنج دے
پکښے هر رنگه گلونه هر نهال

د دیوان که مے بیت بیت سره حساب کڑے
تر ځلو ینبت زره به تیر شی په ځبتکال
په غزل په رباعی مے زړهٔ مئیں دے
چه مداح یم د دلبرو د جمال

ایک بات ہوتی ہے کہ بالکل الہام کی طرح آتی ہے، جسے خدائے پاک میرے دل میں اُتار دیتا ہے
میرا سالم دیوان باغ کی طرح علم کا خزانہ ہے، جس میں ہر قسم کے پیڑ، پودے، اور ہر رنگ کے پھول ملتے ہیں
اگر میرے دیوان کا ایک ایک شعر شمار کیا جائے تو اسّی سال، میں چالیس ہزار سے بڑھ جائیں گے
غزل اور رباعی مجھے زیادہ مرغوب ہیں، کیونکہ میں تو خوبرویوں کے حسن کا مدّاح ہوں
("منتخبات صفحہ ۱۲۳")

وہ اپنی شاعری پر فخر اور اپنے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

په پښتو شعر چه ما علم بلند کیرو
د خبر و ملک مے فتح په سمند گیرو

پشتو شاعری میں جب میں نے علم بلند کیا تو کلام کے ملک کو قلم کے ذریعہ سے فتح کرلیا۔

قتلمے مے ورته سازے کڑے د قندو
د اور بشو په ډو ډو چه چا شخوند کڑ
لعل او در مے ورته او پیئیل د نظم
د مشکنیر و بنجاره مے مستمند کڑه
هر کلام مے واردات دی یا الهام دے
چه موزون مے پد تقطیع د بحر بند کڑ
په تبشیه او په تمثیل په نزاکت کنیے
عذوبت مے د خبرے چند در چند کڑ

په تازه تازه مضمون د پښتو شعر
په معنی مے د شیراز او د خجند کړ
د بوستان ونے مے واړه پیوندی دی
حقیقت مے د مجاز سره پیوند کړ
نه اندوه د مدح ذم نه هغه کس یم
چه د زړۀ په زور مے شعر چا پسند کړ
په پارسی ژبه مے هم ژبه گویا ده
په پښتو ژ به مے خلق بهره مند کړ

ان کے لیے جو 'جو کی روٹیاں مزے لے لے کے کھایا کرتے تھے ، میں نے میٹھے قتلے تیار کیے -
میں نے ان کے لیے نظم کے لعل اور موتی پروئے ، اور پوت بیچنے والے بنجاروں کا کاروبار ختم کردیا
ہر بات گویا میرے دل میں خود آتی ھے یا الہام ھوتی ھے جنھیں میں نے بحر کی تقطیع میں لاکر موزوں کردیا
تشبیه ، تمثیل اور نزاکت میں کلام کی شیرینی اور حلاوت کو کہیں زیادہ بڑھا دیا
نئے اور اچھوتے مضامین سے میں نے پشتو کے اشعار کو حقیقی معنیٰ میں شیراز اور خجند کی فارسی کے ہم پلّه بنا دیا
باغ کے تمام پیڑوں کو پیوندی کردیا ، گویا مجاز کو حقیقت سے ملا دیا
نه مجھے آفریں کی پروا ، نه نفریں کی ، اور نه میں وہ ھوں جو چاھوں که خواہ مخواہ کوئی میرے شعر کو پسند کرے
فارسی میں بھی میری زبان چلتی ھے ، مگر پشتو میں تو میں نے لوگوں کو بہت بہرہ مند کیا ھے

("منتخبات صفحه ۱۱۷")

پشتو زبان کی شاعری کو جو آب و رنگ اس نے بخشا ھے ، اور اس سے قبل پشتو شاعری کی تہی مائیگی کی جو کیفیت تھی اس کو بیان

کرتے ہوئے کہتا ہے :

بندوبست د پښتو شعر ما پیدا کړو
ګنړه شعر د پښتو وه غیر سال
نه ئے وزن، نه غروض نه ئے تقطیع وو
دوه مصرع ئے خصیف بحر د وه طال
د غزل نه ئے مطلع نه ئے مقطع وه
نه صفت نه ئے تشبیه نه ئے مثال
مګرزه ئے چه ګویا په شاعری کړم
پښتانه مئے پو هیئول ایزد تعال

پشتو زبان میں شاعری کا انتظام میں نے کیا، ورنہ پشتو کا شعر کسی گنتی میں نہ تھا۔
نہ اس میں وزن تھا، نہ تقطیع نہ عروض کا التزام، دو مصرعے بحرِ خفیف میں ہوتے تو دو بحرِ طویل میں۔
غزل میں نہ مطلع تھا نہ مقطع، نہ اس میں توصیف ہوتی تھی، نہ تشبیہ و تمثیل۔
مگر خدا نے جب مجھے شاعری میں لگایا تو خدائے تعالیٰ پشتونوں کو سکھانا، سمجھانا چاھتا تھا۔

په دا بندوبست به نور تر ما ئبر شی
پس له ما چه که د شعر قیل و قال
که د شعر وئیل غیب یا هنر دے
د ښه فم له محبته ئے دے حال

اس ترقیٔ شعری کے بعد دوسرے جو میرے بعد شاعری کریں گے مجھ سے بہتر ہوجائیں گے
شعر کہنا عیب ہے یا کمال، در حقیقت وہ کسی حسین کی محبت سے پیدا ہوتا ہے

(منتخبات صفحہ - ۱۲۲)
پشتو زبان پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

که د نظم که دنثر که د خط د بے
په پښتو ژ به بے حق دے بے حسابه
نه پخوا پکښے کتاب وو نه مئے خط وو
دادی ما پکښے تصنیف کړل ثو کتابه

نظم ہو ، خواہ نثر ہو ، خواہ خط ، ہر لحاظ سے پشتو زبان پر میرا بہت بڑا احسان ہے
کیونکہ پہلے اس میں نہ خط تھا اور نہ کوئی کتاب ، یہ تو میں نے اس میں کئی کتابیں تصنیف کر ڈالیں

(منتخبات صفحہ - ۲۷۱)

خوشحال خاں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عین اُس زمانے میں جب فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی ، اور ہندوستان کے بڑے بڑے شعرا فارسی میں شعر کہنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے ، اس نے فارسی سے صرف نظر کرکے اپنی مادری زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا - ایک جگہ وہ اس پر ناز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

پارسی شعر مے هم زده سلیقه لرم د واړو
پښتو شعر بے خوښ شو هر حوک خپل گنړی نباغلی
په وزن په مضمون په نزاکت هم په تشبیه کښے
پښتو وئیل مے عین تر پارسئی دی رسولی
پښتو ژبه مشکله د دے بحر موندہ نشی
هم مالره یوحو بحره په ژیر مبو د رانملی

مجھے فارسی میں شعر کہنا آتا ہے ، اس کا سلیقہ بھی رکھتا ہوں ، مگر مجھے پشتو شعر پسند ہے ، کیونکہ ہر شخص اچھی چیز کو اپنا لینا چاھتا ہے
بحر ، مضمون ، نازک خیالی اور تشبیہ غرض ہر لحاظ سے میں نے پشتو شاعری کو فارسی شاعری کے ہم پلہ کردیا
پشتو زبان ایک تو مشکل ہے ، دوسرے اس میں بحر نہیں

ملتی ، مجھے بھی یہ چند بحرین بڑی مشکل سے ھاتھ آئیں

(منتخبات صفحہ - ۱۹۷)

شاعری کی ان عظیم المرتبت بلندیوں پر فائز ہونے کے بعد بھی شاعری سے بیزاری اُس کے کلام میں نمایاں نظر آتی ھے - آس نے اپنے مجموعۂ کلام میں اس بیزاری کا متعدد جگہ اظہار کیا ھے :

زه د شعر په کار هم نه یم خوشحال
ولے خدائے سے کڑه په نمازه دامقال
په جهان تر شاعری بد شه نیشته
خدائے اخته مه کڑه سڑے په دا جنجال

میں شعر و شاعری کے کام سے ہرگز خوش نہیں ہوں ، مگر کیا کیا جائے خدا نے یہ شاعری میرے گلے منڈھ دی

دنیا میں شاعری سے بری کوئی چیز نہیں ، خدا کسی کو اس مخمصے میں نہ ڈالے ، شاعری میں ایک سوچتے ھی رہنے سے کلیجا منہ کو آتا ھے

(منتخبات صفحہ - ۱۱۸)

خوشحال خاں کی شاعری میں تنوع ، ھمہ گیری ، آس کی وسعت نظر کی آئینہ دار ھے جو بہت کم دوسروں کے حصے میں آئی ھے - آس کے انداز بیان میں بڑی کشش ھے - اُس کے اسلوب تشبیہ میں ایک ایسا کیف ھے جو شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ھے - وہ ایک جگہ اپنے محبوب کی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ھے :

څوک چه قمر یاد که روئے دے را یاد شی
څوک چه عنبر یاد که موئے دے را یاد شی
څوک چه مقر یاد که کوئے دے را یاد شی
څوک چه سقر یاد که خوئے دے را یاد شی

کوئی چاند کا نام لیتا ھے تو تیرا چہرہ یاد آ جاتا ھے ، کوئی عنبر کا ذکر کرتا ھے تو تیری زلفیں یاد آجاتی ھیں ، کوئی ٹھیرنے کی جگہ کا نام لیتا ھے تو تیرا کوچہ یاد آجاتا ھے ، اگر کوئی

دوزخ کے عذاب کا ذکر کرتا ہے تو تیری عادتیں یاد آجاتی ہیں
(منتخابات صفحہ - ۲۱۸)

تخیل کی لطافت ، فکر کی بلندی ، کلام کی رنگینی ، حسن و عشق کی واردات و کیفیات کی بہترین مثالیں ہمیں اس کے اشعار میں ملتی ہیں - نمونتاً چند مثالیں پیش ہیں :

یه زڑه سے هسے نال سے اے له دووستر گو غائیبه
که بله نامه و ایمه نامه ستا راشی په ژ به

اے میری آنکھوں سے غائب محبوب ! میرے دل میں تو اس طرح بسا ہے کہ کسی اور کا نام بھی لو تو تیرا ہی نام زبان سے نکلتا ہے
(منتخبات - صفحه ۱۴)

دما زڑهٔ مئے په حلقه د زلفو یورڈ
لکه لوئے ماهی په شست د ماهی گیر

میرا دل وہ اپنی زلفوں کے حلقے میں پھنسا کر اس طرح لے گئی ، جیسے ماہی گیر کے پھندے میں بڑی مچھلی آجائے -
(منتخبات - صفحه ۴۰)

چه ما کڑی په جهان کبنے رنڑا ستر گے
بے اه تاسے خوگے نه شوے په چا ستر گے
که زه ستاله مخه او گورم بل مخ ته
نور په قطع دے ڑندے شی څما ستر گے

جب سے میں نے دنیا میں آنکھیں کھولی ہیں ، تمھارے سوا میری آنکھوں میں کوئی نہ جچا -
اگر تمہیں چھوڑ کے کسی اور کو دیکھوں تو میری آنکھیں اندھی ہو جائیں - (منتخبات - صفحه ۵۵) -
نظیر اکبرآبادی (۱) نے اپنی ایک طویل نظم میں یہ کہ کر

۱- نظیر اکبر آبادی کا نام سیدولی محمد تخلص نظیر تھا - اُن کے
(باقی حاشیه صفحه ۳۵۰ پر)

عاشق کے لیے 'بڑھاپے کا ماتم کیا ہے :

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے 'بڑھاپا

(صفحہ ۳۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

والد کا نام سید محمد فاروق تھا ، جو شرفائے اکبر آباد (آگرے) سے تھے اور نوری دروازے آگرے میں رہا کرتے تھے - میاں نظیر ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ء) میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے ، تعلیم مولوی محمد کاظم ابن مولوی دوست محمد نبیرۂ میر رفیع الدین محدّث سے حاصل کی - نظیر کی ابتدائی عمر کا حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گزرا - ان کا پیشہ معلمی تھا - خود اُنھوں نے اپنی ایک نظم میں اپنی سیرت و کردار اور اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :

کہتے ہیں ٹک جس کو نظیر ، سنیے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلّم غریب ، بزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اُس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچۂ آب و ناں
فہم نہ تھا علم سے عربی کے اُسے
فارسی میں ہاں ، مگر جانے تھا کچھ این و آں
سست روش ، پست قد ، سانولا ، ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا ، قد کے موافق عیاں
ماتھے پر ایک خال تھا ، چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی ، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کاندھوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں

باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۱ پر)

ہندی کا ایک اور شاعر جو نظیر سے بھی پہلے ہو گزرا ہے کیشوداس(۱) ہے - جب اُس کے سر پر پیری کی کمان کڑکی تو بے تاب ہو کر پکار اٹھا :

(صفحہ ۳۵۰ کا بقیہ حاشیہ)

فرد غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اُسے
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہرزہ جاں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسے ہی تھی اُن دنوں جن دنوں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب
پختگی و خامی کے اُس کے تھا خط درمیاں

میاں نظیر نے شاعری میں کس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا اس کے متعلق اُن کے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا یہ ذوق وہبی تھا اور وہ فطری شاعر تھے - نظیر ۱۲۴۳ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے اور ۹۸ سال کی عمر میں ۲۶ صفر ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۰ع) کو انھوں نے وفات پائی اور اپنے ہی مکان میں زیر نیم دفن کیے گئے [مقدمہ کلیات نظیر (نسخہ آسی) ص ۳۲-۳۳-۴۲-۴۶-۴۷]

۱- ہندی کا مشہور شاعر کیشوداس ۱۶۱۲ سمبت مطابق ۱۵۵۵ع (۹۶۳ھ) میں پیدا ہؤا - اس کے گھر کا ماحول ادبی تھا - اُس کے والد کاشی ناتھ سنسکرت کے جید عالم اور کیشو کے بڑے بھائی بلبدھر مصر ، ہندی کے اچھے ماہر تھے - کیشو کا کلام دوسرے شعرائے ہندی کے مقابلے میں دقیق ہے - اس نے عالم ہونے کے بعد شاعری کی طرف توجہ کی تھی - اس کی تصانیف کی تعداد لالہ بھگوان داس نے ۱۱ لکھی ہے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں : ۱ - دگیان گیتا ۲ - جہانگیر چندرکا ۳ - ویر سنگھ دیو چیت ۴ - رتن باونی ۵ - رسک پریا ۶ -
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۲ پر)

کیسو کیسن اسکری جیسی ار نہ کرائے
چندر بدن مرگ لوچنی سو بابا کہ کر آئے

اے کیسوداس سفید بالوں نے ہم سے وہ برتاؤ کیا کہ دشمن بھی نہ کرے گا ۔ ماہ بدن اور آھوچشم حسینائیں مجھے بابا کہ کر پکارتی ھیں ۔

خوشحال خان خٹک کی شاعری میں ھمیں بہت سے حکیمانہ نکتے ملتے ھیں ، وہ حکمت کے خزانوں کو جب شعر کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتا ھے ، تو اُس کی دلکشی کو کئی گنا بڑھا دیتا ھے ۔ ایک جگہ کہتا ھے کہ :

عزت اسی میں ھے کہ ذرا جھوٹ نہ بولو ، کسی کے مرغن دسترخوان پر کھا کے ڈکار نہ لو ، دوست کی دلداری چاھتے ھو تو اُس کی رائے پر چلو ، اپنے دل کو اگر تکلیف نہ دو گے تو دوسرے کے دل کو خوش نہ کرسکو گے(۱) ۔

ایک اور جگہ کہتا ھے کہ :

دل سے ھر ایک کے خیر خواہ رھو ، ھر گمراہ کو ھدایت کرنے والے بنو ، ھر ایک پر سخاوت کرو ، بس پھر بے تاج و تخت بادشاہ جیسے ھوگے (۲) ۔

ایک جگہ وہ ھوشمند اور دانا اشخاص کی صفات کو بیان کرتے ھوئے کہتا ھے کہ :

(صفحہ ۳۵۱ کا بقیہ حاشیہ)

کوی پریا اور ے ۔ رام رام چندر کا

(ماخوذ از رسالہ معارف ۔ ماہ اکتوبر ۱۹۶۴ صفحہ ۳۰ ''ھندی شاعری کا ایک تاریخی جائزہ'' ۔ مضمون ، زیدی جعفری صاحب)

۱ ۔ منتخبات خوش حال خان خٹک (اردو ترجمہ) ۲۰۹ ۔
۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۲۰۹

هوشمند (شخص) کبھی بے جا کام نہیں کرتا ، اور نه کبھی منه سے بے موقع بات نکالتا ہے ، نه اپنی زبان یا ھاتھ سے کسی کو آزار پہنچاتا ہے ، اور نه کسی بدکردار کو اپنا دوست بناتا ہے(۱) -

وہ خدمت خلق کے جذبے کو ایک عجیب انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

سب ھی لوگ اپنا کام کرتے ھیں ، مردود ھیں جو دوسروں کا کام کرتے ھیں ، جو لوگ آرام چاھتے ھیں وہ ھمیشه دکھیے دلوں کا علاج کرتے ھیں -

وہ ان لوگوں کو جو دوسروں کے مشورے سے فائده نہیں اٹھاتے یا دوسروں کی نصیحت کو تلخ سمجھتے ھیں ، ان کو اس حقیقت کی طرف توجه دلاتے ہوئے کہتا ہے :

جو اپنے آپ کو نصیحت سے مستثنی سمجھتا ہے وہ کبھی قباحت سے خالی نه ھوگا ، یا وہ احمق ھوگا یا بد ذات ، یا وہ خوبیوں کی دولت سے محروم ھوگا(۲) -

خوشحال خان خٹک نے جو نظیر اکبر آبادی سے پہلے گزرا ہے بڑھاپے میں اپنی جوانی کا ماتم کرتے ہوئے متعدد جگه اس خیال کو نہایت دل آویز طریقوں میں نظم کیا ہے - ایک جگه کہتا ہے :

گیره غانبو نه مے جدا جدا وائی
ځوانی دے لاڑه راته همدا وائی
چه چاته و گورم یا چاته وخاندم
راته دادا وائی کاکا ، بابا وائی

میری سفید داڑھی اورگرتے ہوئے دانت الگ الگ مجھ سے یه که

---

۱ - منتخبات خوشحال خان خٹک (اردو ترجمه) صفحه ۲۰۳

۲ - ایضاً - صفحه ۲۰۳

رہے ہیں کہ بس اب تمہاری جوانی چلی گئی - جس کی طرف بھی
میں دیکھتا ہوں یا جس کے سامنے بھی ہنستا ہوں وہ مجھے یا
تو ابا کہتا ہے یا بابا کہ کر پکارتا ہے

(منتخبات صفحہ ۲۲۰)

ایک اور جگہ کہتا ہے:

د سڑی د عمر کا راته نبکا ره شو
کله بدر کله سلخ کله هلال
د زارۂ زڑۂ د ځوانے بنځے خوڑین دے
که ساتی ئے په نعمت او په نوال
د ځوانی وخته که بیاراتلے په ئبیرته
مابه کار کڑ تر چنل ځان واڑه اموال
ما وئے گوره لابه کله زریرم
پیری مخے ته راتله په استقبال
داهم نبه چهسے پرے سودد خاطر کگی
چه تازه دلبره ونیم په داکال
په بوسه د شکرلبو زرۂ ځوا نگی
داخبره تجریه ده د خوشحال

انسان کی عمر کا حال مجھے معلوم ہوگیا ، وہ چاند کی مانند ہے
کبھی ہلال کبھی بدر اور کبھی آخری رات کا چاند
چاہے بوڑھا اسے ہزار ناز و نعمت میں رکھے مگر ایک جوان
عورت کا دل بوڑھے سے نفرت ہی کرتا ہے
کاش جوانی کے دن پھر لوٹ کر آسکتے تو میں اپنا جان و مال
اور سارا مال و متاع اُس پر نثار کر ڈالتا
میں نے کہا تھا جانے کب میں بوڑھا ہوں (لو)
وہ بڑھاپا خود ہی میرے استقبال کے لیے آگیا
یہ بھی اچھا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ مطمئن ہوں.
اس لیے کہ اس سال ایک جوان محبوبہ آ رہی ہے

ان شکر لبوں کے بوسے سے بوڑھے جوان ہو جاتے ہیں
یہ خوشحال کے ذاتی تجربے کی بات ہے
(منتخبات صفحہ ۱۲۴)

وہ نظیر اکبر آبادی اور حضرت جوش ملیح آبادی سے ایک اور قدم آگے بڑھ کر پیری کے غم کو انگیز کرنے کی ایک نئی راہ نکالتا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو غم پیری پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے :

عاشقان پہ سپن ویخمۃ کلہ زڑ لگی
لاپہ گور کنبے بہ ئے ھم نہ شی احوال
دایمان سلامتی دھغہ کس دہ
چہ نبہ مخ وینی پۂ وخت دارتحال
چہ ونبعکو رجمال برکت ڈمیردے
مخ ئے ُحکہ مبارک نیسی پہ خاں

عاشق سفید بالوں کے سبب کب بوڑھے ہوتے ہیں
بلکہ اُن کی حالت تو مرنے کے بعد بھی نہیں بدلتی
ایمان کی سلامتی اُسے نصیب ہوتی ہے جو مرتے وقت حسین چہرے کو دیکھتا رہے
اس لیے کہ حسینوں کے جمال کی برکت بہت زیادہ ہے
جب ھی تو فال میں اُن کا چہرا مبارک سمجھا جاتا ہے
(منتخبات ۔ صفحہ ۱۲۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تینوں شعرا کے قلب میں ایک ھی درد ہے اور اس موضوع پر تینوں کی ایک نوا ہے جو مختلف طرز پر شعر کے سانچے میں ڈھل گئی ہے ۔

عشق حقیقی کے جذبات کی جب وہ اپنے شعار میں ترجمانی کرتا ہے تواس کے کلام میں بڑی لطافت و پاکیزگی محسوس ہوتی ہے ۔ وہ میخانۂ ازل کی ابدی سرمستیوں کی کیفیتوں کو نظم کرتے ہوئے کہتا ہے :

دشرابو مستی زر شی نیست وھست
لا یزالہ مستی نہ دروسی لہ مست

شراب کی مستی تو جلد چڑھتی اور اُتر جاتی ہے
مگر خدا کے مست سے اُس کی مستی کبھی نہیں جاتی
(منتخبات ۔ صفحہ ۲۱)

وہ انسانی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اُس کی زندگی کے راز کو نہایت دل آویز طریقے پر واشگاف کرتے ہوئے کہتا ہے:

داپہ سانیشتہ ویسا
هر دم تہ وایہ اللہ

اس سانس کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے ہر دم اللہ کو یاد کر

هر نفس یو غنیمت دے
پہرہ دار اوسہ دساہ
دسالک پہ وئیل کار کڑہ
کہ دځان نہ ئے بد خواہ
دسالک وئیل ہم دا دی
تۂ ئے وایہ ہے اکراہ
چہ لہ خلقہ نہ زڑۂ پرے کڑہ
زړۂ پیوند کرہ لہ اللہ

ہر ایک سانس غنیمت ہے اس لیے اس سانس کی حفاظت کر اگر تو اپنی جان کا بدخواہ نہیں تو سالک کے کہے پہ چل سالک کا یہی کہنا ہے، تو بھی بلا اکراہ یہی کہ کہ مخلوق سے رشتہ توڑ کے خالق سے رشتہ جوڑے (منتخبات صفحہ ٦٦)

وہ ایک جگہ عبدیتِ محض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے:

شوک چہ فح کہ پہ مذہب دخپل مولا
دهغو پہ خدمت ودری دنیا -

جو اپنے مولیٰ کے راستے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں
اُن کے سامنے ایک دنیا ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوجاتی ہے

(منتخبات صفحہ ۵)

اس نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے اخلاق قدروں کو بلند کرنے کی بھی بہت کوشش کی ہے اسے اس بھری پُری دنیا اور انسانوں کے اس لا محدود جنگل میں انسانیت کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے زمانے میں اخلاق قدروں کی گرفت کو ڈھیلی ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کا دل جلتا ہے اور وہ پکار اُٹھتا ہے:

آدمیت له آدمیانو نه خدا ئے واخسنت
تردوه پایو نـه بهتر ویتم چارپا
که هندو که مسلمان که بل فریق دے
په هیچا کنبے به بیا نه مومے رنبتیا
نه د دین دچارے شناخت مهر او و فا شته
نه په شرم ننگ څوک آژدی و دنیا ۔

خدا نے آدمیوں میں سے انسانیت سلب کرلی اب تو میں دوپاؤں والوں سے چوپایوں کو بہتر پاتا ہوں۔ ہندو ہوں خواہ مسلمان یا اور کوئی، کسی میں بھی اب تم صداقت نہ پاؤ گے

اب نہ تو دین کے معاملے میں مہر اور وفا معیار ہے نہ دنیوی معاملات میں کسی کو شرم و عار ہے

(منتخبات ۔ صفحہ ۷)

سیرت و کردار کی بلندی پر زور دیتے ہوئے ایک جگہ کہتا ہے:

مرد به نه شی په گفتار
څو پیدا نه کڑے کردار

جب تک تم کردار نہ بناؤ، خالی گفتار سے مرد نہیں بن سکتے۔

(منتخبات ۔ صفحہ ۴۱)

تصوف اس کی شاعری کا موضوع خاص ہے اس کی شاعری میں ہمیں عشق مجازی کا سوز و گداز ملتا ہے وہیں طور کی تجلی اور وادیٔ ایمن کے شرارے بھی ملتے ہیں۔ جب ہم اُس کے اس صنف کے اشعار کو پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سینہ عشق حقیقی کی آگ سے

سوزاں اور اس کا دل بادۂ معرفت سے لبریز ہے ۔ ایک جگہ یہ مست مے الست کہتا ہے :

په هر مخ کښې ننداره دهغه مخ کړم
چه د ډیرے پیدائی نه ناپدید شه

میں ہر چیز میں اسی ایک رخ زیبا کا نظارہ کرتا ہوں ۔
جو کثرت مشہود کی وجہ سے نا مشہود ہو گیا ہے ۔

هر تشنه چه دوحدت په سند سراب شی
نورهمه جهان و دهٔ وتهٔ سراب شی

جو پیاسا بھی ایک دفعہ دریائے وحدت سے سیراب ہؤا
پھر ساری دنیا اس کی نظر میں سراب ہو جاتی ہے

خاص بنده دخدائے هغه لیزه خوشحاله
چه دځان په معرفت ئے سر فراز که

خوشحال ! تو اسے خدا کا خاص بندہ سمجھ
جسے وہ اپنی ذات کے معرفت سے سر بلند بنائے ۔ (منتخبات صفحہ ۱)

وہ وحدت الوجود کے فلسفے سے بے حد متاثر نظر آتا ہے ۔ جمال وحدت کی نیرنگیوں میں ڈوب کر کہتا ہے :

په معنی کښې هم شراب یم هم ساقی یم
طالبان د مئیوشته چه ئے مدهوش کړم

اصلی معنوں میں تو میں خود ہی شراب ہوں اور خود ہی ساقی ،
ہیں کوئی شراب کے طلبگار ؟ جنھیں میں مد ہوش بنا دوں
(منتخبات ۔ صفحہ ۶۲)

وہ ایک جگہ مستئی ازل کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے :

دشرابو مستی زرشی نیت و هست
لا یزاله مستی نه دروسه له مست

شراب کی مستی تو جلدی چڑھتی ہے اور جلدی اُتر جاتی ہے
مگر خدا کے مست سے اُس کی مستی کبھی نہیں جاتی
(منتخبات ۔ صفحہ ۲۱)

راہ ِ تصوف کے راھیوں پر وہ تصوف کے بعض حقائق کو واضح کرتے ہوئے کہتا ھے :

چه بے علمه تصوف وائی باورکه
دام واه بوس دانے سره انمگی

جوشخص بغیر علم کے تصوف بکھائے تو یقیناً وہ ایسا ھے جیسے بھوسا اور دانے دونوں ایک ساتھ گوندھ دیے گئے ہوں
(منتخبات ۔ صفحہ ۱۱)

وہ شریعت و طریقت کے باھمی ربط کو ایک جگه بیان کرتے ہوئے کہتا ھے :

شریعت د ونے بیخ دے
طریقت لکه نباخونه
حقیقت د ونے پائیرے
معرفت میوه گلو نه

شریعت درخت کی جڑ ھے اور طریقت اُس کی شاخیں ،
حقیقت اس درخت کے پتّے ھیں اور معرفت اس کے پھول
(منتخبات ۔ صفحہ ۲۶۷)

وہ طریقت کے ساتھ شریعت کی پابندی پر زور دیتے ہوئے کہتا ھے :

شرع حکم دوه دی
یو جواز دے بل افضل
که مردئے له جوازه
وافضل ته وهه زغل

شریعت کے احکام دوقسم کے ھیں ، ایک جائز اور دوسرے افضل اگر مرد ھو تو جائز سے قطع نظر کرکے ، افضل کی پیروی کی کوشش کرو
(منتخبات ۔ صفحہ ۲۶۲)

وطن اور قوم کی محبت کا تصور اس کے ھاں محدود جغرافیائی اور نسلی حدود میں ھے ، عالمگیر کی ذاتی عداوت نے اس تصور کو اس کی شاعری میں اور بھی پختہ رنگ دے دیا تھا ، اور ھم عالمگیر سے

اُس کی مخالفت کو اُس دور میں جب کہ مغلوں گی بدولت ایک عظیم معاشرہ جنم لے رہا تھا محض اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے قومی رنگ دے دینے کو مستحسن نہیں سمجھتے اور نہ آج بھی فکر کا یہ طریقہ ہماری نظر میں مستحسن ہے ۔ لیکن جہاں تک اس موضوع پر اس کی شاعری کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اس موضوعِ شاعری میں بڑا شکوہ اور بڑی گھن گرج ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ خوشحال کی شاعری ' گلہائے رنگا رنگ کا ایک مجموعہ ہے جس میں حسن و عشق کے افسانے بھی ہیں ، حکمت و موعظت کے خزانے بھی ، تصوف کے رموز ونکات بھی ہیں ، اور عوامی رجحانات کی ترجمانی بھی وہ ہمارے ملک کے ان عظیم شاعروں میں ہے جن پر پاکستان کی ادبی تاریخ کو ناز ہے اور جس کا کلام ہمشیہ اہل نظر کے مشام جاں کو معطر بنائے رکھے گا ۔

فضائل و مناقب

شیخ عبدالحلیم حضرت شیخ رحمکار کے فضائل و مناقب میں رقم طراز ہیں

حضرت شیخ المشائخ شیخنا غواص بحر پردۂ کبریا بود ، در این زمانہ قطب وحدت الٰہی بود ، و ثانی بایزید بسطامی(۱) بود(۲)

حضرت شیخ المشائخ ہمارے شیخ پردۂ کبریائی کے سمندر کے غوّاص اور اس زمانے میں وحدت الٰہی کے قطب اور دوسرے بایزید بسطامی تھے ۔ (۲)

۱- حضرت بایزید بسطامی صوفیہ کے طبقۂ اولیٰ کے بزرگ ہیں اُن کا اصل نام طیفوربن عیسیٰ بن آدم بن سروشان تھا ۔ اُن کے دادا آتش پرست تھے جو مسلمان ہوئے ۔ حضرت بایزید بسطامی نے احمد خضرویہ ، ابوحفص یحیٰ معاذ ، اور شقیق بلخی کو دیکھا تھا ۔ انھوں نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی (نفحات الانس ۔ صفحہ ۵۹)

۲- مقامات قطبیہ ۔ صفحہ ۱۰۳

ایک جگہ آپ کی عظمت و بزرگی کو سراھتے ہوئے لکھا کہ :

حضرت ایشاں از واصلان حق بود ، و بدیگرے نپرداخت ، وھیچ مقصود غیر او نداشت ، وھیچ مطالب را غیر او در ضمیر و سر او گزر و راہ نبود ، وھیچ موجود غیر از وجود او در نظرش نبود ، و نہ وجود داشت و تمامی ہست و نیست او وصلت دوست حقیقی بود ، و دوستی غیر او گزاشتہ ، و بوصل دوست نوازش یافتہ ، بر آں مکرم و معظم بود ، و علی الحقیقت پیر تربیت و پیر ارادت ھم او بود قدس سرۂ العزیز (۱)

حضرت واصلان حق میں سے تھے۔ حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں کی ، اور اُس کے سوا کوئی مقصود نہیں رکھا ، اور اُن کے قلب مبارک میں اللہ کے سوا کسی دوسرے مطلب کا کبھی گذر بھی نہ ھؤا ، اور خدائے تعالیٰ کے وجود کے سوا کوئی موجود ان کی نظروں میں نہیں تھا ، نہ کسی موجود کا وجود سمجھتے تھے ، اور دوست حقیقی کا وصال ھی اُن کے ھاں سب کچھ تھا۔ غیر اللہ کی دوستی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور دوست حقیقی کے وصال سے نوزا گیا تھا ، اور اسی سے مکرم و معظم تھے ، اور حقیقت یہ ھے کہ وہ پیرارادت اور پیر تربیت تھے ، قدس سرہ العزیز -

شیخ عبدالحلیم نے آپ کے محامد و مناقب کو ضیاء الدین نخشبی (۲)

۱- مقامات قطبیہ - صفحہ ۱۰۳

۲- اسم گرامی ضیاءالدین تھا ، نخشبی - تخلص تھا اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اُن کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ھے کہ وہ صحبت خلق سے کنارہ کش رھتے تھے اور کسی کے انکار و اعتقاد سے سروکار نہ رکھتے تھے - کہتے ھیں کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے زمانے میں (باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۲ پر)

کے اس قطعے پر ختم کیا ہے :

"نخشبی" خوے خوش کجا یابند
طیب صندل بہر خسے ندھند
خلق نیکو سعادت ابدی ست
ایں سعادت بہر کسے ندھند

(صفحہ ۳٦۱ کا بقیہ حاشیہ)

تین ضیا تھے ، ایک ضیا سنامی جو شیخ نظام الدین کے منکر تھے، دوسرے ضیا برنی ، جو حضرت شیخ نظام الدین کا معتقد و مرید تھا ، تیسرے ضیا نخشبی کہ جو حضرت شیخ نظام الدین کے نہ معتقد تھے اور نہ منکر ، سنا گیا ہے کہ وہ شیخ فرید کے مرید تھے جو حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے نواسے ھیں - (اخبارالاخیار - صفحہ ۱۰۵)
خزنیة الا صفیا میں ہے کہ شیخ ضیا الدین نخشبی ، عظیم المرتبت مشائخ اور شیخ فرید الدین نبیرۂ سلطان التارکین شیخ حمید ناگوری کے جلیل القدر خلفا میں تھے - شہر بدایوں میں گوشۂ تنہائی میں اپنے کام میں مشغول رہتے تھے - ہندوستان کے مشاہیر اولیا میں سے تھے - صحبت خلق سے متنفر تھے اور کسی کے اعتقاد و انکار سے سروکار نہ رکھتے تھے (خزینة الا صفیاء جلد اول صفحہ ۳۵۱)
اخبارالاخیار میں ہے کہ شیخ ضیاءالدین نخشبی نے ۷۵۱ھ(۱۳۵۰ع) میں وفات پائی - صاحبِ تصانیف تھے - اُن کی تصانیف میں (۱) سلک السلوک (۲) عشرۂ مبشرہ (۳) کلیات وجزئیات (۴) شرح دعاے سُریانی اور (۵) طوطی نامہ ھیں (خزینۃالاصفیا جلداول صفحہ ۳۵۱)
انڈیا آفس کے کتب خانے کے فارسی شعبۂ مخطوطات میں ان کی ایک اور تصنیف گل ریز کا بھی پتہ چلتا ہے - آن کی تصانیف میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۳٦۳ پر)

پشتو کا عظیم المرتبت شاعر خوشحال خان خٹک جو علمائے سوء اور صوفیائے خام کی بے راہ روی پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے اور علمائے سوء اور صوفیائے خام پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے :

چه کنز د قدوری شی ځان مولا که
هر جلال حرام په خان یاندے رواکه
نه دکنز په دقیقوڅه خبر شوی
نه په مخ د قدوری مبصر شوی
کتابو نه په سر کینږدی خان مولا که
په هر کلی محلت کرقی ځان مولا که
گنے شرح پریکوی په رشوتو نو
ځان قاضی که په غلط روایا تو نو
په مسجد راځه پنڅه وخته اذان که
چه‌ازکوة سرسایه ندوی مسجد وران‌که
نه ئےکبنل زده نه لوستل زده تل‌ڈگل‌که
تعویذونه ورکوی په دروغ کبنل

جو کوئی کنز و قدوری پڑھ لیتا ہے وہ ملاّبن بیٹھتا ہے پھر ہر حلال و حرام کو اپنے لیے جائز قرار دے لیتا ہے حالانکہ نہ تو وہ کنز کے دقائق سے واقف ہوتے ہیں نہ

(صفحہ ۳۶۲ کا بقیہ حاشیہ)
"سلک السلوک" اور "طوطی نامے" کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ۔
صاحب اخبار الاخیار نے اُن کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ بہت تصانیف رکھتے ہیں ۔ مثلاً سلک السلوک ، عشرۂ مبشرۂ ، کلیات و جزئیات ، طوطی نامہ ، مولانا عبدالحق محدث دھلوی نے ان کی کتاب سلک السلوک کو نہایت شیریں و رنگین بتایا ہے (اخبار الاخیار ـ صفحہ ۱۰۵)

قدوری میں کچھ بصیرت رکھتے ھیں
بس کتابیں سر پہ لاد کر مُلّابن جاتے ھیں اور گاؤں گاؤں محلے محلے چوری ٹھگی کرتے پھرتے ھیں
رشوتیں لے لے کر بیٹھے ہوئے شریعت کی جڑیں کاٹتے رھتے ھیں
جھوٹی روایتوں کے بل پر اپنے آپ کو قاضی جتاتے ھیں
مسجد میں آ کے پانچ وقت اذان دیتے ھیں لیکن اگر زکوٰۃ و فطرہ نہ ملے تو مسجد کو ڈھا بھی دیتے ھیں
لکھنا پڑھنا کچھ آتا نہیں ، البتہ ٹھگی خوب جانتے ھیں ، تعویز دیتے ھیں اور جھوٹ موٹ کچھ لکھ دیتے ھیں

(منتخبات ۔ صفحہ ۳۱۷)

ایک جگہ وہ صوفیائے خام کے حال زار پر آنسو بہاتے ہوئے کہتا ھے :

مریدی ئے پہ کلاہ پہ شجرہ دہ
کہ پیری مریدی دادہ مسخرہ دہ

صرف کلاہ ، پگڑی اور شجرہ دیکھ کے پیری مریدی کی جاتی ھے ۔ اگر پیری مریدی یہی ھے تو یہ تو اس کی بھد اڑانا ھے ۔

(منتخبات ۔ صفحہ ۳۱۹)

حوک پہ پیراو پہ مربدحہ لرہ ویاڑی
چیل مراد دے ھمگی لہ علمہ غواری

کوئی شخص پیرو مرشد پہ کیوں اترائے ، کیوں نہ اپنی ساری مراد علم ھی سے حاصل کرے ۔

(منتخبات صفحہ ۳۲۰)

لیکن اس کے زمانے میں جب کہ صوفیائے خام اور علمائے سوء کی بہتات ھے ، وہ علمائے حق اور صوفیائے پاک باطن کے کار ناموں اور اُن کی عظمت کو فراموش نہیں کرتا ۔ ایک جگہ کہتا ھے :

شکر داچہ پہ دادخت عالمان ڈیردی
مدعی شیخان کہ ھم ترشارہ تیردی

شکر ہے کہ اس وقت سچے عالم بہت ہیں اگرچہ جھوٹے
مشائخ کا شمار نہیں

(منتخبات ۔ صفحہ ۳۲)

وہ حضرت شیخ رحمکا رکا بیحد معتقد نظر آتا ہے کہ جو اُس کے مرشد تھے اور جنھوں نے اُس کے زمانے میں رشد و ھدایت کی شمع روشن کی تھی اور جن کی ذات اُس دور میں رموز و حکمت اور احسان و سلوک کا سرچشمہ تھی ۔ وہ ایک جگہ ان کے لیے سرتاپا عقیدت بن کر کہتا ہے :

خوشحال تکیه په خدائے ده
په تا ده شیخ رحمکار

خوشحال کا بھروسا خدا پر ہے اور اے شیخ رحمکار! یا پھر تم پر ۔

(منتخبات ۔ صفحہ ۳۳)

۱۰

مولانا عبد الکریم پشاوری

حالات

مولانا عبدالکریم پشاوری ، حضرت اخوند درویزا کے صاحبزادے ، اور حضرت سید علی غواص کے مرید و خلیفہ تھے ۔ انھوں نے ظاھری و باطنی تربیت اپنے والد سے حاصل کی تھی ۔ وہ اخوند کریم داد کے نام سے مشہور ھیں اور اپنی شاعری میں وہ اسی نام کو تخلص بنائے ہوئے تھے ۔ ''صاحب خزینۃ الاصفیاء'' ان کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ھیں کہ :

> از محققانِ این طائفہ و عارفان این جماعت است صاحب شریعت و طریقت و حقیقت بود ، و از کلام او اظھرمن الشمس است ۔

ان کے علم و فضل کی بنا پر صاحب خلاصتہ البحر نے ان کو محقق ۔ افغانستان کا خطاب دیا تھا ۔

کہا جاتا ھے کہ اس زمانے میں جب کہ وہ اپنے والد کی کتاب ''مخزن الاسلام'' کی تکمیل کر رہے تھے، وہ ھرشب کو ایک جزوکاغذ حجرے میں لے جاتے ، اور چراغ کی روشنی کے بغیر لکھتے تھے ، اور صبح کو اپنے دوستوں کو دیتے تھے ، یہاں تک کہ انھوں نے اسی طرح مخزن الاسلام کی تکمیل کی ۔

وفات :

مولانا عبدالکریم پشاوری نے ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ع) میں وفات پائی ۔

''صاحبِ خزینة الاصفیاء'' مفتی غلام سرور لاهوری نے اس قطعے میں ان کی تاریخ وفات نکالی :

چون کریم و اکرم اهل کرم
با کرامت گشت درجنت مقیم
اهل خلوت سال وصلش هست نیز

۱۰۷۲

والی عرفان کریم ابن الکریم(۱)

۱۰۷۲

---

۱ - یه تمام تفصیل ''خزینة الاصفیا'' جلد اول ، صفحه ۴۷۹ و ترجمه ''تذکرۂ علمائے هند''، صفحه ۳۲۱ سے ماخوذ هے -

(۱۱)

حضرت حاجی بہادر (کوھاٹ)

نام و نسب

سابق صوبۂ سرحد کے مشہور شہر کوھاٹ کو جس نے اپنا وطن بنا کر اس سارے علاقے کو اپنی تبلیغ اعلائے کلمۃ الحق اور پند و موعظمت سے منور و تاباں بنایا وہ حضرت حاجی بہادر ھیں ، جن کا اس علاقے کی روحانی اور ثقافتی تاریخ میں ایک اھم کردار ھے ۔

آپ کا اسم گرامی عبد اللہ اور آپ کے والد کا نام نامی سید سلطان محمد شاہ تھا لیکن مشہور حاجی بہادر کے لقب سے ھوئے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ھے :

سید عبداللہ شاہ بن سلطان میر سرور ، بن سید سلطان میر اکبر بن سید سلطان میرانشاء بن سید سلطان سبحان شاہ ، بن سید سلطان محمد زبیر بن سلطان میر کمال بن سید سلطان میر جمال بن سید سلطان ابی فضل بن سید سلطان سراج الدین بن سید سلطان بہاءالدین بن سید سلطان عبدالرحمٰن بن سید سلطان محمد عمران بن سید سلطان شعبان بن سید سلطان محمد زاھد بن سید سلطان امیر احمد بن عبدالعزیز بن سید محمد ابراھیم ، بن سید امام حسن عسکری بن سید امام علی نقی بن سید امام علی موسیٰ رضا بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن امام باقر بن سید محمد زین العابدین بن سید امام حسین علیہ السلام (۱) ۔

---

۱ ۔ یہ شجرۂ نسب ہفتہ وار "ھم دم" کوھاٹ حاجی بہادر نمبر ، ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ سے ماخوذ ھے ۔

افسوس ہے کہ اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت بزرگ کا کوئی مفصل تذکرہ ہمیں نہیں ملتا، صرف اُن کے حالات و مناقب پر "مناقب حاجی بہادر صاحب کوہاٹ" کے نام سے ایک کتاب محمد درویش ابن عبداللہ ابن عبدالرحمان لاہوری نے لکھی تھی لیکن اس کا بیشتر حصہ آپ کے مناقب و کرامات پر ہے، اور آپ کے سوانحی پہلو اس میں بہت کم ہیں۔ صرف یہی ایک ماخذ ہے، جس پر آپ کے تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں مطبع آفتاب کوہاٹ سے پہلی مرتبہ چھپا۔ پھر شاید اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ ہم اسی کتاب سے ان کے حالات قلم بند کرنے میں استفادہ کر رہے ہیں۔

ولادت:

حضرت حاجی بہادر کی ولادت با سعادت ۱۶ ماہ رجب دوشنبہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ع) میں ہندوستان کے مشہور شہر آگرے میں ہوئی۔

حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضری:

"مناقب حاجی بہادر کوہاٹ" میں ہے کہ علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد جب کہ حضرت حاجی بہادر کی عمر سترہ سال کی تھی، آپ کے قلب میں حضرت سید آدم بنوری(۱) کی عقیدت کا چراغ روشن ہؤا۔ آپ کو معلوم ہؤا

۱۔ حضرت آدم بنوری کے والد کا اسم گرامی اسماعیل تھا۔ وہ بنور کے رہنے والے تھے، جو مضافات سرہند کا ایک قصبہ ہے۔
سید آدم کا سلسلہ نسب یہ ہے:
آدم بن اسماعیل بن بہوہ یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری۔
سید آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ ترک ملازمت کر کے ملتان میں حاجی خضر روغانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمت باطنی حاصل کی، پھر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۰ پر)

کہ حضرت میر محمد کلاں ملکری جو حضرت سید آدم بنوری کے عظیم المرتبت خلفا میں ہیں ، اپنے پیر کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتے ہیں - اس خبر کو سن کر آپ اپنی والدۂ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور والدہ

(صفحہ ۳۶۹ کا بقیہ حاشیہ)

مجاهدوں کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے - خلاصۃ المعارف میں ہے کہ انہوں نے شیخ محمد طاہر لاہوری سے بھی فیوض باطنی حاصل کیے تھے ، جو اُن کو شیخ سکندر سے حضرت کمال الدین کیتھلی کے ذریعے سے پہنچے تھے -

سید آدم ابتداً امی تھے ، پھر انہوں نے ایک جذبے کے تحت قرآن مجید حفظ کیا ، اور علوم ظاہری کی تعلیم بھی حاصل کی - مشہور ہے کہ سید آدم بنوری کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تھی ، جن میں تقریباً ایک سو آپ کے خلفا تھے جنھوں نے ظاہری علوم اور سلوک کی تکمیل کرکے آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا - جہاں آپ جاتے ہزارہا پٹھان آپ کے ساتھ ہوتے تھے -

''تذکرۂ آدمیہ''میں ہے کہ سید آدم بنوری ۱۰۵۲ھ(۱۶۶۴ع) میں لاہور تشریف لائے - آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ سادات اور پٹھان تھے - اُس وقت شاہ جہاں لاہور میں تھا - آپ کے معاندین نے شاہ جہاں کو یہ خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ساتھ اتنی جمعیت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ کی حکومت کا تختہ الٹ دیں - شاہ جہاں نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو تحقیق حال کے لیے بھیجا - آپ اُس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے ، اور بہت دیر تک اُس سے بات نہ کی ، پھر اس کو انہاک دنیوی ترک کرنے کی نصیحت فرمائی - نواب سعداللہ خاں نے واپس جا کر ساری کیفیت شاہ جہاں سے بیان کی ، اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۱ پر)

سے عرض کیا کہ حضرت میر محمد کلاں حضرت آدم بنوری کی خدمت میں جا رہے ہیں ، میری بھی تمنا ہے کہ میں ان کے ساتھ حضرت سید آدم کی خدمت میں حاضر ہوں ، آپ میرے لیے دعا فرمائیں ۔ چناں‌چہ آپ کی والدہ نے آپ کو اجازت دی اور رخصت کیا ۔ جب یہ حضرت محمد میر محمد کلاں کے ساتھ حضرت آدم بنوری کی خدمت میں پہنچے ، تو حضرت آدم بنوری نے آپ کو دیکھ کر حضرت میر محمد کلاں سے پوچھا کہ یہ لڑکا تو صاحب سعادت معلوم ہوتا ہے ، کون ہے ؟ میر محمد کلاں نے عرض کیا حضور ! اس کا نام عبداللہ ہے ، اور یہ حضور کی زیارت کی بے حد تمنا رکھتا تھا ۔ حضرت سید آدم بنوری نے خوش ہو کر فرمایا کہ :

بہادر است و تو بحمایت و رفاقت	یہ بہادر ہے ، اور تو اس بہادر

(صفحہ ۳۷۰ کا بقیہ حاشیہ)

معاندین کے اندیشوں کی تصدیق کردی ۔ پھر اُس نے شاہ جہاں کو مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ سید آدم کو کسی بہانے سے یہاں سے دوسری جگہ بھیج دیا جائے ۔ شاہ جہاں نے سید آدم سے کہلا بھیجا کہ وہ حج کے لیے چلے جائیں ، چناں چہ آپ اپنے ساتھیوں اور گھر والوں کے ساتھ حج کے لیے چلے گئے ، اور حج کے بعد مدینۂ طیبہ میں مقیم ہوگئے ، لیکن ہندوستان سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کے باطنی فیوض اور برکات کے سلسلے ہندوستان میں آپ کے خلفاء سے جاری رہے ۔

سیدآدم بنوری نے ۷ شوال ۱۰۵۳ھ(۱۶۴۳ع) کو مدینۂ منورہ میں وفات پائی ، اور جنت البقیع میں حضرت عثمان‌رض بن عفان‌رض کے روضۂ مبارک کے قریب مدفون ہوئے ۔ سید آدم بنوری کے رسائل میں ''خلاصۃالمعارف'' اور رسالہ ''نکات الاسرار'' مشہور ہیں ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' جلد اول ، صفحہ ۶۲۰ - ۶۳۵ ''ونزھۃ الخواطر'' جلد ۵ صفحہ ۱ - ۲)

این بہادر درآمد و ایں شیر است ، و آنچہ در سینۂ من از علوم لسانی و جنانی است بقوت پنجۂ استعداد خداداد خواهد کشید ، و خواهد برد، و ایں از خلفاء ماست (۱) -

کی رفاقت و حمایت میں آیا ہے ، اور یہ شیر ہے ، اور جو کچھ میرے سینے میں علوم ظاهر و باطنی هیں اپنی خداداد استعداد کے پنجے سے کھینچ کرلے جائے گا اور یہ ہمارے خلفاء میں سے ہے -

اس کے بعد حضرت سید آدم بنوری اُٹھے ، اور آپ کو سینے سے لگا کر یہ دعا فرمائی :

الٰہا ایں فرزند ارجمند مارا بسر منزل مقصود برساں ، و از دولت حصول درجات و مقامات معانی و اسرار ایں بہادر راغنی گرداں (۲) -

الٰہی ! اس ہمارے فرزند ارجمند کو منزل مقصود تک پہنچا اور اس بہادر کو درجات و مقامات اور معانی و اسرار کی دولت کے حصول سے غنی کر -

بیعت :

پھر آپ نے حضرت سید آدم بنوری کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور گیارہ سال تک آپ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں رہے - حضرت آدم بنوری آپ کی باطنی صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کی تربیت باطنی پر خصوصی توجہ دیتے تھے ، اور اپنی مجلس میں جو کچھ حقائق و معارف بیان فرماتے اُس کا مخاطب خصوصی اور روئے سخن آپ ھی کی طرف ھوتا تھا ، یہاں تک کہ آپ منزل کمال پر پہنچ کر مظهر تجلیات ذوالجلال ھوئے اور خلافت سے سوفراز ھوئے -

کوھاٹ میں تشریف آوری :

اسی زمانے میں آپ نے اپنے پیر کے ساتھ فریضۂ حج و زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سعادت حاصل کی - پھر آپ نے کوھاٹ

---

۱ - ''مناقب حاجی بہادر کوھاٹ'' - صفحہ - ۳ -
۲ - ایضاً -

میں تشریف لا کر رشد و ھدایت کی شمع روشن کی ، اور افغان قبائل میں اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا - آپ کے فیوض و برکات سے یہ سارا علاقہ منور ھوگیا ، خصوصاً اس شہر کے اطراف و اکناف کے لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ھونے لگے -

خدا بینی کا دعویٰ :

اُسی زمانے میں اُن احوال و مکاشفات کی بنا پر جن سے آپ گزر رھے تھے - آپ نے مقامات سلوک کی ایک منزل سے گزرتے ھوئے فرمایا :

من خدارا بچشمِ سر می بینم	میں خدا کو ان سر کی آنکھوں سے دیکھتا ھوں -

اس بنا پر لوگ حضرت حاجی بہادر کو ''خدابیں'' کہنے لگے - ''مناقب حاجی بہادر'' میں ھے کہ اس دعویٰ کا چرچا عام ھؤا ، یہاں تک کہ اس دعویٰ کی شہرت ھندوستان سے نکل کر خراسان تک پہنچی -

اورنگ زیب کی جانب سے طلبی :

اورنگ زیب (۱) اُس زمانے میں خوش حال خاں خٹک کی بغاوت فرو کرنے کے لیے حسن ابدال میں مقیم تھا - اُسے جب آپ کے اس دعوے کا علم ھؤا تو اُس نے آپ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر آپ کو ایک

---

۱ - اورنگ زیب ، شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا ، جو ۱۶۱۸ھ (۱۰۲۸ع) میں مالوے کے ایک قریے دوھد میں پیدا ھوا - دھلی کے قریب لشکر گاہ میں یکم ذی‌قعدہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ع) میں اس کی رسم تاج پوشی ادا ھوئی ، احمد نگر میں جب کہ وہ مرھٹوں کے قلع قمع میں مصروف تھا - ذی قعدہ ۱۸۱۸ھ (۱۰۰۷ء) کو ایک خفیف علالت کے بعد عالم آخرت کی راہ لی - وفات سے چند گھنٹے قبل جب کہ وہ دمے کے دورے میں مبتلا تھا ، ایک عرض داشت پر وصیت لکھی کہ میری تجہیز و تکفین میں خلاف سنت کوئی رسم نہ کی جائے - خواجہ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۴ پر)

فرمان کے ذریعہ سے حسن ابدال طلب کیا اور لکھا کہ پنجاب ، دھلی ، اور لاھور کے علما آپ کی زیارت اور اس مسئلے کی تحقیق کے منتظر ھیں ۔ اس مسئلے کی وضاحت فرما کر آپ تشریف لے جاسکتے ھیں ۔ اگر آپ کو یہاں تشریف لانے میں کچھ تکدّر ھو تو آپ کے لیے تشریف لانا ضروری نہیں ، آپ کو آنے اور نہ آنے کا پورا اختیار حاصل ھے ۔

شاھی پیغام ملنے کے بعد آپ فوراً حسن ابدال تشریف لے جانے کے لیے تیار ھوئے اور پشاور آ کر وھاں کے مشہور مقتدا شیخ حبیب پشاوری کے دولت کدے میں مقیم اور مہمان ھوئے ۔ دوسرے دن میر محمد حسن جو صاحب باطن بزرگ اور جید عالم تھے ، اور پشاور کے دوسرے مشائخ اور علماء آپ کی خدمت میں حاضر ھوئے ، اور تصوف و سلوک کے مختلف مشکل رموز پر آپ سے اکستاب کرتے رھے ، یہاں تک کہ شیخ حبیب پشاوری نے آپ سے عرض کیا کہ اگرچہ بادشاہ اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے بلایا ھے ، اور آپ کو اس کا اختیار دیا ھے کہ آپ تشریف لے جائیں یا نہ لے جائیں ، فقیر کی رائے اس معاملے میں یہ ھے کہ آپ بادشاہ کی خدمت میں کوئی عذر لکھ کر بھجوا دیں اور وھاں تشریف نہ لے جائیں ، کیوں کہ وھاں جو علماء جمع ھیں وہ آپ کے اسرار و معارف کی حقیقت کو نہ سمجھ کہ تضیع اوقات کا باعث بنیں گے ،

(صفحہ ۳۷۳ کا بقیہ حاشیہ)

برھان الدین غریب کے پائیں مجھے دفن کیا جائے ۔ میری قبر پختہ نہ بنائی جائے ، اور نہ قبر پر سقف و گنبد بنایا جائے ۔ اُس کی وصیت کے مطابق جنازہ احمد نگر سے خلد آباد (دکن) لایا گیا ، تقریباً تمام راستے پر دو رویہ عوام کھڑے آنسوؤں کے موتی نچھاور کر رھے تھے ، اور ھزار ھا اھل لشکر ماتم کناں جنازے کے ساتھ ھمرکاب تھے ۔

(ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد دوم ، صفحہ ۵۲۴ ، ۵۳۶ ، ۵۶۶ ، ۵۶۷ ،

جیسا کہ آپ نے منصور حلاّج(۱) کا واقعہ سنا ہوگا۔

---

۱ - ابوالمغیث حسن حلاج بن محمد البیضاوی ۲۲۴ھ (۸۳۷ع) کے قریب بیضا (فارس) کے نواح طور میں پیدا ہوئے۔ اُن کی کنیت ابوالمغیث تھی ، اور اُن پر سکر کی کیفیت غالب تھی ۔ حلاج اُن کو اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے ایک دوست حلاّج (دھنیے) کی دوکان پر تشویف لے گئے ۔ اُس کو کسی کام سے بھیجا ، اور روئی کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے رہے ، روئی ایک طرف اور بنولے ایک طرف ہوتے رہے ۔ اُس وقت سے وہ حلاّج کہلائے ۔ اُنھوں نے مقتدر باللہ عباسی کی خلافت کے زمانے میں اناالحق کا نعرہ لگایا ، اور منگل کے روز ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ (۹۲۱ع) میں بغداد کے محلے باب الطاق میں سولی پر چڑھائے گئے ۔ سولی کے بعد اُن کے جسم کو آگ میں جلایا گیا ۔ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ان کی شہادت کی تاریخ ۲۵ ذی الحجہ اور ''نفحات الانس'' میں ۲۴ ذیقعدہ مندرج ہے ۔ ''مخبرالواصلین'' میں اُن کی تاریخ وفات پر ایک قطعہ مذکور ہے ، جس میں اس شعر سے اُن کی تاریخ وفات نکالی گئی ہے :

سال تاریخ قتل آں مغفور
گشت مقبول پاک حق مشہور
۳۰۹ھ

منصور کے متعلق مشائخ میں اختلاف ہے ۔ شیخ عمرو بن عثمان مکی ، ابویعقوب اور علی بن سہیل اصفہانی ، جیسے متقدمین صوفیہ نے اُن کا انکار کیا ہے ، اور اُن کو مہجور قرار دیا ہے ۔ شیخ ابوبکر شبلی ، ابوالعباس بن عطا ، شیخ عبداللہ خفیف ، شیخ ابوالقاسم نصیرآبادی ، شیخ ابوسعید ابوالخیر شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ، شیخ ابوالقاسم گرگانی ، اور پیر علی (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۶ پر)

آپ نے شیخ حبیب کا یہ مشورہ سن کر اُن کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا ، میرے بھائی تم مطمئن رہو ، اور مجھ سے تعاون کرو ، اگر زندگی باقی ہے ، میں وہاں پہنچوں گا ، اور تم اس جوان کی بہادری اور جرأت کی خبر سنو گے ۔ اگرچہ اس وقت اورنگ زیب کے دربار میں ہندوستان کے علماء کا اجتماع ہے ، اگر علمائے ایران بھی اُن کے مددگار ہوتے تب بھی میں انشاء اللہ اس دعوے کو اُن کے سامنے ثابت کردوں گا ۔ مجھے اس زمانے میں خدائے تعالٰی نے وہ قوت دی ہے ، جو سوائے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید آدم بنوری کے کسی دوسرے کو نہیں ملی ۔ انھیں دو دریائے موّاجِ علم لدنی سے یہ چند قطرے اس فقیر کو ملے ۔ ہیں چنانچہ آپ حسن ابدال روانہ ہوئے ۔ حسن ابدال کے سفر میں آپ کے ساتھ پشاور سے تقریباً تین سو یا چار سو علماء اور طلباء ہم رکاب ہوئے ۔ جب آپ حسن ابدال سے دو کوس کے فاصلے پر رہ گئے تو آپ نے تبسم فرمایا ۔ لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی ، تو فرمایا بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دربار میں جو علما موجود ہیں ،

(صفحہ ۳۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

ہجویری ، صاحبِ ''کشف المحجوب'' اور متاخرین مشائخ اُن کے معتقد ہیں ، اور اُن کو بزرگ مانتے ہیں ۔ اُن بزرگوں کا کہنا ہے کہ معاملے کا مہجور ، مہجور نہیں ہوتا ۔ منصور کو جو کچھ جھیلنا پڑا ، وہ غلبۂ شوق ، جذبۂ عشق اور مراتب مدارج کو ضبط نہ کرنے کی وجہ سے تھا ۔ وہ عالم بے خودی اور فرطِ عشق میں اناالحق کہ بیٹھے ۔ صاحب 'کشف المحجوب' کا بیان ہے کہ میں نے منصور کی پچاس تصانیف بغداد اور اُس کے نواح فوزستان ، فارس اور خراسان میں دیکھیں (ماخوذ از ''سفینۃ الاولیاء'' ، مصنفہ دارا شکوہ قادری ۔ تذکرۂ منصور حلاج و فٹ نوٹ مقالات الشعرا ، مرتبۂ سید حسام الدین راشدی ۔ صفحہ ۳۳۲ و ۳۳۳ و کشف المحجوب ، صفحہ ۱۲۷)

اُن میں مولانا نور محمد مدقق لاهوری اور اخوند اله داد(۱) دهلوی وغیره نے علمائے دربار کو مشوره دیا هے که میں جب دربار پهنچوں تو کوئی عالم میرے استقبال کے لیے کھڑا نه هو ، لیکن میرے پیر نے مجھ کو بهادر کے لقب سے ملقب کیا هے ، تم دیکھو گے که یه علماء میری تعظیم کے لیے کس طرح اُٹھتے هیں ۔ دوسرے دن جب آپ اورنگ زیب کے دربار میں پهنچے تو کوئی تدبیر کارگر نه هرئی اور غیر ارادی طور پر تمام علماء آپ کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے هوئے ، اور سب کے سب خاموش رهے ۔ آپ نے خود اس خاموشی کو توڑا اور فرمایا :

من قطب و غوث این زمانه ام ، حق سبحانه و تعالٰی را که بیچون و بے حجت است بچشم سرمه بینم نه به چشم سِر ۔ بیت :	میں اس زمانے کا قطب و غوث هوں ، حق سبحانه و تعالٰی جو که بیچوں و بے حجت هے ، اس ظاهری آنکھ سے دیکھتا هوں ، نه باطنی آنکھ سے :
از عطش چوں در قدح آبے خوزم در درون آب ، حق را ناظرم(۲)	پیاس سے جب میں پیالے میں پانی پیتا هوں تو میں پانی میں حق کو دیکھتا هوں

---

۱ - اخوند شیخ اله داد حنفی نقشبندی دهلوی ، سلسلۂ نقشبندیه کے عظیم المرتبت مشائخ اور اس دور کے بڑے عالموں میں تھے - اُنهوں نے شیخ عبدالباقی نقشبندی دهلوی کے دست حق پرست پر بیعت هو کر طویل ریاضتوں اور مجاهدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا ، بعد میں شیخ عبدالباقی کے دونوں صاحب زادے عبید الله اور عبد الله انهیں سے بیعت هوئے - شیخ اله داد نے شعبان ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ع) میں دهلی میں وفات پائی ، اور اپنے شیخ کے مقبرے میں مدفون هوئے - (''نزهة الخواطر'' ، جلد - ۵ - صفحه ۸۴)

۲ - یه تمام تفصیل ''مناقب حاجی بهادر صاحب کوهاٹ'' ، صفحه ۸ و ۹ سے ماخوذ هے ۔

اس موضوع پر پانچ چھ روز مناظرہ ہوتا رہا ۔ علما کی طرف سے اس مناظرے میں جنھوں نے حصہ لیا اُن میں اخوند شاہ مراد دھلوی ، اور مولانا نور محمد مدقق لاھوری تھے ، لیکن آپ نے اپنے دعوے کی حقیقت کو علماء پر واضح کر دیا (۱) ۔

عطیہ شاھی :

جب حضرت حاجی بہادر حسن ابدال سے رخصت ھونے لگے تو اورنگ زیب نے خواھش ظاھر کی کہ میرا جی چاھتا ھے کہ آپ کوھاٹ کو چھوڑ کر دارالسلطنت لاھور میں سکونت اختیار فرمائیں ۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بات یہ ھے کہ میرے آبا واجداد کا وطن کوھاٹ ھے ، اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتا ، اور یوں بھی دوسری جگہ کی سکونت مجھے اچھی نہیں معلوم ھوتی ۔ پھر اورنگ زیب نے کہا ''اچھا تو پھر آپ اپنے کسی صاحبزادے کو لاھور میں اصلاح و رشد کے لیے مقرر فرمائیں''۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے منجھلے لڑکے حاجی محمد عمر کو وھاں مقرر کروں گا ۔ پھر اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا اور چلتے وقت شہر جھنڈر جو جندالہ شیرخاں افغان کے نام سے بھی مشہور ھے اور ایک سو چھبیس جریب اور چھ کنال پختہ اراضی جس کو عرف میں دوقلبہ شاھی بھی کہتے تھے اور کچھ زمین کوھاٹ میں اور نصف پٹہ کوھاٹ بطریق ائمہ مرفوع القلم کے بخشی (۲) ۔

رشد و ھدایت :

اپنے وطن کوھاٹ تشریف لانے کے بعد ، دور دور سے طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ھونے لگے ، اور کوھاٹ میں آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا ، یہاں تک کہ آپ کے فیوض وبرکات سے یہ سارا علاقہ منور ھوگیا ۔

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ''مناقب حاجی بہادر صاحب کوھاٹ'' صفحہ ۸ و ۹ سے ماخوذ ھے ۔

۲ ۔ ''مناقب حاجی بہادر صاحب کوھاٹ'' ۔ صفحہ ۱۴ - ۱۵

حضرت شیخ رحمکار سے اخلاص و محبت :

جس زمانے میں حضرت حاجی بہادر کوہاٹ میں اصلاح و تربیت کا عظیم الشان کام انجام دے رہے تھے ، اُسی زمانے میں اکوڑاخٹک میں حضرت شیخ رحمکار کی خانقاہ رشد و ہدایت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ ''مناقب حاجی بہادر کوہاٹ'' میں ہے کہ بعض لوگوں نے دونوں بزرگوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنی چاہی ۔ لیکن حضرت شیخ رحمکار نے اُس کو دور کرنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ صرف وہ غلط فہمی دور ہوگئی ، بلکہ حضرت شیخ رحمکار کے طرز عمل نے دونوں کے درمیان خلوص و محبت کے رشتے کو اور بھی اُستوار اور مستحکم کر دیا۔ اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حاجی بہادر کوہاٹ سے لاہور براہِ اٹک اپنے وطن تشریف لا رہے تھے راستے میں اکوڑہ خٹک بھی پڑتا تھا ۔ جب شیخ رحمکار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو آپ حضرت حاجی بہادر کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے ، ان سے ملاقات فرمائی ، اور معانقے کے بعد فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ ایک رات آپ اس فقیر کے گھر پر قیام فرمائیں تاکہ میں بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوں ۔ حضرت حاجی بہادر نے ان کی مہمانی منظور فرمائی اور ایک رات اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ رحمکار کے مکان پر قیام فرمایا (۱) ۔

حقیقت تصوف :

حضرت عبدالنبی شامی نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب کے دربار سے مناظرے کے بعد واپسی میں پانچ ماہ آپ لاہور ٹھہرے ، اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے ۔ جب آپ لاہور سے وطن روانہ ہونے لگے تو لاہور کے عالموں اور عارفوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ چند سطروں میں تصوف کے حقائق کو بیان فرمائیں کہ جو مختصر بھی ہوں اور تمام علم سلوک کا خلاصہ بھی اس میں آجائے ۔ آپ تھوڑی دیر سر بگریبان رہے ،

---

۱ - ''مناقب حاجی بہادر'' صفحہ ۱۸ تا ۳۰ پر اس غلط فہمی کو جو لوگ آپ دونوں حضرات کے درمیان پیدا کرنا چاہتے تھے، کو تفصیل سے لکھا گیا ہے ۔

پھر سر اٹھا کر تصوف کی حقیقیت پر چند کلمات ارشاد فرمائے ، جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ تصوف کے منازل طے کرنے سے پہلے علم میں استغراق بھی از بس ضروری ہے ۔ آپ کے کلمات کا مفہوم یہ تھا کہ عرفان کا ظہور ہوتے ہی علم لدنی کے پردے چاک ہونے لگتے ہیں ، اور یہ دو طرح کا ہوتا ہے ، ایک کا تعلق باری تعالیٰ کی "ذات" سے ہے ، اور دوسرے کا اس کی صفات ہے ، ذات کے متعلق انکشاف تجلی محض تک محدود رہتا ہے ، اور صفات سے متعلق انکشاف سلوک کے کمال تک پہنچتا ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔

وفات :

حضرت حاجی بہادر حالت سفر میں ماہ رجب ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۷ع) میں بڈا خیل میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ دوسرے روز جنازہ کوہاٹ لایا گیا ، اور کوہاٹ شہر کے جنوبی جانب آپ کو دفن کیا گیا ۔ آپ کا مزار کوہاٹ میں مرجع خاص و عام ہے (۲) ۔

خلفاء :

صاحب مناقب حاجی بہادر نے مولانا نور محمد مدقق لاہوری کی کتاب "کشف الاسرار" کےحوالے سےآپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تئیس بتائی ہے ، اور مولوی شاہ مراد دھلوی نے آپ کے مریدوں کی تعداد اپنے رسالے "مناقب حضرت کوہاٹی" میں دو لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تئیس لکھی ہے ، یعقوب بلخی نے اپنے رسالے میں آپ کے مریدوں کی تعداد ساٹھ ہزار نو سو تئیس بتائی ہے ، صاحبِ "مناقب حاجی بہادر" نے محمدیعقوب بلخی کے قول کو زیادہ معتبر و مستند بتایا ہے ۔ (۳)

---

۱ ۔ یہ مفہوم "مناقب حاجی بہادر" صفحہ ۶۵ کی عربی عبارت سے ماخوذ ہے ۔

۲ ۔ اخبار "ھمدم" ہفتہ واری کوہاٹ حضرت حاجی بہادر نمبر ۱۹۶۱ مضمون حضرت حافظ سید عبداللہ شاہ معروف بہ حاجی بہادر ، مرتبہ (سید دلبر شاہ) و مناقب حاجی بہادر صفحہ ۱۷

۳ ۔ "مناقب حاجی بہادر کوہاٹ" ۔ صفحہ ۱۶۴

اس اعتبار سے کہ آپ کے اس کثیر تعداد میں مریدین تھے ، ظاھر ھے کہ آپ کے خلفاء کی فہرست بھی طویل ھوگی ۔ آپ کے بعض مشہور خلفاء و مرید یہ ھیں :

(۱) مولانا نور محمد مدقق :

مولانا نور محمد مدقق بن محمد فیروز بن فتح اللہ لاھوری جو اپنے دور کے مشہور اور جید علماء میں تھے ابتدا میں وہ حضرت حاجی بہادر کوھاٹی کے سخت مخالفین میں تھے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے دربار میں حضرت حاجی بہادر اور دوسرے علماء میں خدا بینی پر جو مناظرہ ہؤا تھا نہ صرف یہ کہ مولانا نور محمد اس مناظرے میں پیش پیش تھے بلکہ ایک مناظر کی حیثیت سے انھوں نے علماء کی جانب سے اس مناظرے میں حصہ لیا تھا لیکن وہ بعد میں تائب ھوئے اور حضرت حاجی بہادر کے دست حق پرست پر بیعت ھو کر خلافت سے سرفراز ھوئے ۔ اُن کی تصانیف میں سید شریف کی کتاب ''تصریف'' کی شرح مشہور ھے ، اور ''مناقب حاجی بہادر کوھاٹ'' سے اُن کی ایک اور کتاب ''کشف الاسرار'' کا بھی پتہ چلتا ھے ، جو غالباً حضرت حاجی بہادر کے حالات پر ھے (۱) ۔

(۲) اخوند نعیم کانہ ننگر ھاری :

اخوند نعیم پایینی ساکن کامہ ، یہ بھی حضرت حاجی بہادر کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے۔ علوم ظاھریہ کی تکمیل کے بعد یہ ایک عرصے تک معرفت حق کے حصول کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رھے ، یہاں تک ایک دن نماز جمعہ کے بعد مسجد مہابت خاں میں ان کی ملاقات حضرت حاجی بہادر سے ھوئی ، انھوں نے آپ سے بیعت کی التجا کی ، حضرت حاجی نے فرمایا کہ یہ وقت بیعت کے لیے مناسب نہیں ، مناسب یہ ھے کہ اشراق کے وقت خلوت میں اس فقیر کے پاس آؤ ، چناں چہ وہ اشراق کے وقت آپ کی خدمت میں حاضرھوئے ، اور آپ نے اُنھیں بیعت کر لیا ، اور تین سال کی ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا (۲) ۔

---

۱ - ''نزھۃ الخواطر'' جلد - ٦ صفحہ ۳۹٦ و ''مناقب حاجی بہادر کوھاٹ'' - صفحہ ۱٦۳

۲ - ''مناقب حاجی بہادر کوھاٹ'' - صفحہ ۵۲ - ۵۳

(۳) شاہ ولی اللہ ننگر ھاری :

شاہ ولی اللہ ننگر ھاری خواجہ زادوں میں تھے ۔ وہ ابتداً حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت ھوئے ۔ جب حضرت مجدد الف ثانی واصل الی اللہ ھوئے تو یہ مرشد کامل کی طلب میں ھندوستان کے مختلف حصوں میں گھومتے رھے ۔ چوں کہ انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی سے اکتسابِ فیض کیا تھا ، اس لیے جس بزرگ کی خدمت میں بھی حاضر ھوتے مطمئن نہیں ھوتے تھے ، یہاں تک کہ اسی تلاش و جستجو میں پشاور پہنچے ، اور پشاور کے اولیا اور علما سے حضرت حاجی بہادر کے اوصاف کا شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں کوھاٹ حاضر ھوئے ۔ جب وہ آپ کی مجلس میں پہنچے تو آپ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا ، اے نوجوان ! چشمۂ آبِ حیوان کے طالب ، اب تم صحیح اُس تشنہ لبوں کے چشمے پر پہنچے ھو جو تمھارا مدعا ھے ، میں کل تمھیں اس مقصد میں فائز المرام کر کے رخصت کر دوں گا ۔ دوسرے دن آپ نے اُن کو خلوتِ خاص میں طلب فرما کر تصوف کی اعلیٰ منزلوں پر فائز کردیا ۔ (۱)

(۴) نیک محمد خٹک :

یہ بھی آپ کے مریدین اور خلفا میں تھے ۔ خود ان کا بیان ھے کہ میں جب حضرت حاجی بہادر کی خدمت میں حاضر ھؤا تو آپ نے مجھے دیکھا اور خوش ھو کر فرمایا ”خوب آئے ھو اے خوش نصیب ! تم کہاں سے آئے ھو؟“ میں نے عرض کیا کہ میں خٹک سے آیا ھوں ۔ آپ نے پوچھا ۔ ”کون سے گاؤں سے؟“ میں نے عرض کیا کہ درویش خیل سے ۔ پھر آپ نے پوچھا ”تمھارا نام کیا ھے ؟“ میں نے عرض کیا ”نیکی“ ۔ فرمایا ۔ ”نیکی اسم تصغیر ھے ، تم تو نیک محمد ھو آؤ اور میرے پہلو میں بیٹھ جاؤ ۔“ چناں چہ میں دوزانو ھو کر آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا ۔ پھر آپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرتے ھوئے فرمایا کہ اے نیک محمد ! ھمیں معلوم ھے کہ تم اپنا حصہ لینے کے لیے آئے ھو ، بیشک تمھارا حصہ ھمارے پاس ھے ، تم خوش نصیب ھو کہ خدائے تعالیٰ نے

---

۱ ۔ مناقب حاجی بہادر کوھاٹ ۔ صفحہ ۵۲ و ۵۳

علمِ ازلی میں تم کو صاحبِ ولایت مقرر کیا ہے ۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے تمھارے آنے سے تین سال قبل اس کی اطلاع بخشی تھی کہ ایک شخص اس شکل و ہیئت کا میرے پاس آئے گا ، اور ولایت کا حصہ میرے دامن سے اُس کا مقدر ہوگا ۔ میں جو اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں رکھتا ، رات دن اسی فکر میں تھا کہ تمھاری امانت جو حق تعالیٰ کی جانب سے میرے پاس مقرر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے، اور وہ امانت ، صاحب امانت کو نہ پہنچ سکے ۔ خدا کا شکر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اس فقیر تک پہنچا دیا ، جاؤ اس وقت تو آرام کرو ، علی الصباح اگر حیات باقی ہے تو تم سے ملاقات ہوگی ۔ دوسرے دن صبح کو حضرت حاجی بہادر نے مجھے اپنے زمرۂ مریدین میں شامل فرمایا ۔ میں آپ کی خدمت ڈھائی سال تک رہا ، آپ مجھ پر حد سے زیادہ شفقت فرماتے تھے ۔ (۱)

ان کے علاوہ آپ کے بعض مریدوں کے نام یہ ہیں ، ۱ ۔ حافظ نعمت اللہ یہ آپ کے مرید بھی تھے ، اور آپ کی نماز میں امامت بھی فرماتے تھے ، سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ۲ ۔ حاجی سلیمان درمڑی ۳ ۔ ملک محمد صالح خوشابی (۲) ۔

---

۱ ۔ ''مناقب حاجی بہادر کوہاٹ'' ۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۵

۲ ۔ مریدین کے یہ اسما ''مناقب حاجی بہادر'' میں مختلف جگہ پر مذکور ہیں ۔

(۱۱)

حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی

حالات :

حاجی محمد اسماعیل غوری ، شیخ سعدی لاهوری کے عظیم المرتبت اور خدامِ خاص میں شمار ہوتے ہیں ۔ اُنھوں نے مولانا یار محمد گل مہاری مجددی سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا ، جو حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے ۔

ذریعۂ معیشت :

حضرت حاجی اسماعیل غوری پہلے پشاور میں ایک دکان میں خوردہ فروشی کرتے تھے اور حصول معیشت کے لیے تجارت میں مشغول رہتے تھے ۔

سیاحت :

پھر ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے ، اور حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۔

اکتسابِ روحانی :

دورانِ سیاحت میں اُنھوں نے سلسلۂ قادریہ ، چشتیہ ، نقشبندیہ کے مختلف شیوخ سے اکتسابِ روحانی کیا ، پھر لاہور حاضر ہوکر حضرت شیخ سعدی لاہوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ، اور خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

کشف و کرامات :

صاحب روضتہ السلام کا بیان ہے کہ حاجی اسماعیل غوری صاحب کشف و کرامات تھے ، اور اُن سے بے اختیار کرامتیں صادر ہوتی تھیں ۔

چنانچہ اُس نے اُن کی متعدد کرامات کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے ۔
وفات :

حاجی اسماعیل غوری نے ایک سو پندرہ سال کی عمر میں ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) میں وفات پائی ۔

اُن کا مزار مبارک پشاور میں مرجعٔ خاص و عام ہے ۔

تاریخ وفات :

مفتی غلام سرور لاہوری صاحب خزینۃ الاصفیا نے اس شعر میں ان کی وفات کا مادۂ تاریخ نکالا ہے :

رحلتش ہست عارف سر مست
۱۱۱۱
نیز مخدوم دہر اسماعیل
۱۱۱۱

خلفا :

اُن کے خلفا میں حافظ عبدالغفور پشاوری نے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی ۔

---

۱ - یہ تمام تفصیل خزینۃالاصفیا سے ماخوذ ہے ۔

(۱۲)

سید حسن پشاوری

نام و نسب :

آپ کا اسم گرامی سید حسن ، آپ کے والد کا نام سید عبداللہ گیلانی تھا ۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی سے جا ملتا ہے ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

---

۱ ۔ آپ کا اسم گرامی عبدالقادر ، لقب محی الدین ، کنیت ابو محمد ، عرف غوث اعظم تھا ۔ آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۴۷۱ھ (۱۰۷۸ع) میں قصبۂ جیل میں ہوئی (جس کو جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں) ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست اور والدہ کا نام اُم الخیر امۃ الجبار فاطمہ تھا ۔ آپ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت امام حسن سے اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے ، اس طرح آپ نسباً حسنی و حسینی سید ہے ۔ ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ع) میں آپ بغداد پہنچے ، اور وہاں کے اکابر علما و شیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی ، اور علوم ظاہری میں بھی وہ شہرت اور ناموری حاصل کی کہ علمائے زمانہ سے سبقت لے گئے ۔ پھر آپ علم طریقت کی طرف متوجہ ہوئے ، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ نے شیخ ابو سعید مبارک مخرمی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور شیخ ابو سعید مبارک مخرمی نے آپ کو خرقۂ خلافت مرحمت فرمایا ، پھر

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۷ پر)

حضرت سید حسن بن سید عبداللہ بن سید محمود ، بن سید عبدالقادر بن سید عبدالباسط بن سیدحسین بن سید قطب العالم بن سیداحمد بن سید شرف الدین قاسم بن سید شرف بن سید بدر الدین حسن بن سیدعلاء الدین علی، بن سید شمس الدین محمد بن سید شرف الدین یحیٰ بن سید شہاب الدین احمد بن سید قطب العالم بن سید صالح النصر بن قطب الدائرہ سید عبدالرزاق بن قطب ربانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی الحسنی و الحسینی

پاکستان میں آمد :

حضرت سید حسن کے دادا سید محمود بغداد سے ٹھٹھہ تشریف لائے ، اور اُنھوں نے یہاں تشریف لانے کے بعد ٹھٹھے کے سادات میں شادی کرلی ، اور ٹھٹھے ھی میں حضرت سید حسن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ھی سے آپ کا قلب زھد و اتقا و عشق الھیٰ کی طرف مائل تھا ۔ آپ اپنے والد اور دوسرے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کرتے ، اور اپنے وقت کا بڑا حصہ ریاضتوں ، مجاھدوں ، صفائی قلب اور عزلت و تنہائی میں بسر فرماتے تھے ۔

(صفحہ ۳۸۶ کا بقیہ حاشیہ)

آپ بغداد میں درس و تدریس ، افتاء و وعظ ، اعلاء کلمۃ الحق اور اشاعتِ اسلام میں مصروف ہوگئے ۔ آپ کی تبلیغ سے پانچ ہزار سے زیادہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا ، اور ایک لاکھ فساق و فجار ، چور و رھزن اور بد اعتقاد لوگوں نے آپ کے مواعظ و نصائح سے متاثر ہو کر توبہ کی۔

۱۱- ربیع الثانی ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ع) کو جب کہ آپ کی عمر ۹۱ سال تھی ، آپ و اصل الی اللہ ہوئے۔ بغداد میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہِ خلق اللہ ھے ۔

آپ کی تصانیف میں غنیۃ الطالبین ، فتوح الغیب ، فتح ربانی ، قصیدۂ غوثیہ ، مکتوبات اور آپ کا دیوان مشہور ھیں (ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۱۰ و سیرت غوث اعظم مؤلفۂ ابوالبیان)

پشاور میں تشریف آوری :

حضرت سید حسن اپنے والد کی وفات کے بعد پاک و ہند اور حجاز کا سفر کرتے ، اور مختلف بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے پشاور تشریف لائے۔

پشاور میں قیام :

صاحب اسرار الطریقت کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت غوث اعظم کے ارشاد کی بناء پر سیاحت ترک کرکے پشاور میں سکونت اختیار کرلی۔

بیعت :

آپ کے شجرۂ طریقت سے جو آپ کے صاحبزادے شاہ محمد غوث نے اپنے رسالے اسرار الطریقت میں درج کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد سید عبداللہ سے بیعت تھے، اور انھیں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے :

سید حسن ، سید عبداللہ ، سید محمود ، سید عبدالقادر ، سید عبدالباسط سید حسین ، سید احمد ، سید شرف الدین قاسم ، سید بدرالدین حسن ، سید شمس الدین محمد ، سید شرف الدین یحیٰ ، سید شہاب الدین احمد ، سید ابی صالح نصر ، سید عبدالرزاق ، سید عبد القادر حسنی الحسینی جیلانی ، ابو سعد مبارک ، شیخ عبدالحسن علی ، شیخ ابوالنصرح طرطوسی ، شیخ عبدا لواحد عبدالعزیز ، شیخ ابوبکر شبلی ، شیخ جنید بغدادی ، شیخ سری سقطی ، شیخ معروف کرخی ، شیخ داؤد طائی ، شیخ حبیب عجمی ، شیخ حسن بصری ، حضرت علی بن ابی طالب ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

زہد و ریاضت :

زہد و ریاضت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد غوث تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب (شیخ حسن) اکثر ذکر وشغل کی عبادت میں مشغول رہتے ، رات کو سونا نصیب نہ ہوتا ، عبادت اور زیادہ تر مراقبے میں مشغول رہتے ، اور ورد و شوق کا آپ پر

غلبہ تھا ۔ خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کچھ پڑھتا ، یا خدا کا نام زبان پر لاتا تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے ، اور اکثر روتے رہتے تھے ، اور جس کو توجہ دیتے اُس پر بھی شوق و ورد اور شغل کی حالت طاری ہو جاتی ، اور اسمائے الٰہی کی دعوت کے علم میں بھی کامل تھے ۔ آخر عمر تک ذکر ، مراقبے اور شغلِ لسانی اور قلبی میں مشغول رہے ۔ جن عزیزوں کو اسماءاللہ اور وظائف ظاہری کی طلب ہوتی تو ان کو بھی اُسی قسم کی تلقین فرماتے ، اور بعضوں کو سلوک باطنی کے طور پر ارشاد فرماتے اور بعضوں کو جذبہ اور توجہ سے ارشاد فرماتے ۔ (۱)

ازدواج :

پھر آپ نے سید عباس کی بہن سے جو حضرت سید علی ترمذی اور سید علی ہمدانی (۲) کی اولاد میں تھے شادی کی (۳) ۔ صاحب ''خزینۃالاصفیا''

---

۱ - یہ شجرہ اور تمام تفصیل رسالہ ''اسرار الطریقت'' مصنفۂ شاہ محمد غوث بن شیخ حسن پشاوری ، صفحہ ۴۱ ، ۴۲ ، ۴۳ سے ماخوذ ہے ۔

۲ - امیر کبیر سید علی ہمدانی بن شاہ شہاب الدین کی ولادت باسعادت ۱۲ - رجب بروز دوشنبہ ۷۱۴ھ (۱۳۱۴ع) کو ہوئی ۔ علوم ظاہری کے گنجینہ اور تجلیاتِ ربانی کے مظہر تھے ، اور حضرت علاءالدولہ سمنانی کے مرید تھے ۔ انھوں نے دنیا کے اکثر ممالک کی سیر و سیاحت کی تھی ۔ ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ع) میں اپنے سات سو سادات و رفقا کے ساتھ کشمیر تشریف لائے ، اور علاء الدین پورہ میں مقیم ہوئے ، اور خطۂ کشمیر میں تبلیغ دین و اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے ۔ انھوں نے ۷۳ سال کی عمر میں ۶ ذالحجہ ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ع) کو مقام کبیر میں وفات پائی ۔ نزع کے وقت زبان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۰ پر)

کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی طاعت و بندگی اور عبادت میں اپنے عہد کی رابعہ بصریہ تھیں :

(صفحہ ۳۸۹ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت علی ہمدانی کی تصانیف میں شرح مجمع اسماء الحسنیٰ ، مجمع الاحادیث ، ذخیرۃالملوک ، شرح خصوص الحکم ، مراۃ التائبین ، شرح قصیدہ ہمزہ فارضیہ ، آداب المریدین اور اوراد فتحیہ مشہور ہیں -

(ماخوذ از ''تذکرۂ علمائے ہند'' - صفحہ ۳۵۱ - ۳۵۲)

۱ - حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی نے خطۂ کشمیر میں اشاعت اسلام اور ترویج شریعت کی جو کوششیں کیں ، صاحب خزینۃ لاصفیاء نے ان کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :

غرض کہ احکام شریعت غرہ بطفیل آں محبوب کبریا در کشمیر رواج یافتند ، و ہزارہا گمرہان لایعقل رو براہ آوردند و سلطان کہ پیش از ایں لباس قوم کفرہ می پوشید، آں رابامر ونہی حضرت سید ترک دادہ خلعت طریق اسلام پوشیدہ

آپ کے خلفا میں میر سید حسین سمنانی ، میر جمال الدین ، میر سید کمال اول ، میر سید کمال ثانی ، سید جمال الدین ، سید فیروز معروف بہ سید جلال الدین ، محمد کاظم مشہور بہ سید قاضی میر سید رکن الدین و فخر الدین ، شیخ محمد قریشی ، شیخ احمد قریشی ، شیخ سلیمان اول وغیرہ مشہور ہیں - (ماخوذ از خزینۃ الاصفیا جلد دوم - صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۸)

۲ - یہ تمام تفصیل ''رسالہ اسرار الطریقت'' تصنیف شاہ محمد غوث صاحب بن سید حسن پشاوری فصل ۷ - صفحہ ۳۹ مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس ، لاہور سے ماخوذ ہے -

اخلاق :

حضرت شیخ حسن پشاوری کی سیرت و اخلاق میں خدمتِ خلق اور استغنا عن الخلق کا جوهر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے - آپ کے صاحبزادے شاہ محمد غوث کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد کا طریقہ تھا کہ فقرا اور مساکین کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے ، اور ان کی بڑی خدمت کرتے - ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سب لوگ آپ کے عیال ہیں - ہر روز کئی آدمیوں کو کھانا کھلاتے - ہمارے گھر میں ہر وقت چولھا گرم رہتا ، اور گھر کے نوکر دن بھر کھانا تقسیم کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ نصف شب کو کھانے کی تقسیم سے فرصت ہرتی - خود کبھی کسی چیز کے لیے کسی سے التجا نہیں کرتے تھے - حکام اور شاہانِ وقت سے وجۂ معیشت کو قبول نہیں کرتے تھے - (۱)

وفات :

حضرت سید حسن نے بقول صاحب رسالۂ ''اسرار الطریقت'' ۲۱ ذیقیعدہ بروز جمعہ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) میں وفات پائی - آپ کا مزار پر انوار پشاور میں مرجع خاص و عام ہے -

اولاد :

شاہ محمد غوث لاہوری :

آپ کے صاحبزادوں میں شاہ محمد غوث لاہوری نے عرفان و تصوف میں غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی - خود ان کا بیان ہے کہ میں بچپن میں نہایت کند ذہن و غبی تھا - میں نے قرآن مجید خفظ کرنا شروع کیا ، لیکن حفظ نہ کرسکا - میرے والد نے باطن میں اپنے پیر سید عبداللہ سے عرض کیا جو ان کے والد بھی تھے کہ اس لڑکے پر نظرِ توجہ فرمائے - آپ کی توجہ اور فیوض باطنی سے علوم ظاہری و باطنی کے دروازے مجھ پر کھل گئے ، اور میں نے انیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت حاصل کی - میرے حافظے کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ میں نے چھ ماہ

---

۱ - ''خزینة الاصفیاء'' جلد اول صفحہ ۱۸۸

میں مطول ختم کر لی ۔ دوران تعلیم ہی میں مجھ پر عشق الٰہی کا غلبہ اور معرفت الٰہی کا ذوق غالب ہؤا ۔ میں نے اپنے والد سے اپنے ذوق کی کیفیت بیان کی ۔ انھوں نے فرمایا کہ اس مسئلے میں تمھاری تعلیم کے بعد غور کیا جائے گا لیکن میں اس جذبے کو اپنے قلب میں بے پناہ پاتا تھا ، جس درویش اور سالک کا مجھے پتہ چلتا ، میں اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ۔ (۱)

چناں چہ میں حافظ عبدالغفور نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہؤا ، جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر درویش تھے ، اور ان کے فیوض باطنی سے مستفید ہؤا ۔ کچھ دن شیخ یحییٰ قدس سرہ کی خدمت میں بھی حاضر رہا جو اٹک میں مقیم تھے ، اور بہت بڑے بزرگ اور مرتاض تھے۔ وہ تارک الدنیا تھے اور ہر وقت مراقبے اورحبس میں گزارتے تھے ، حبس۔ نفس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ کبھی ایک نفس کبھی دو نفس ، کبھی تین نفس اور کبھی چار نفس میں پوری رات گزار دیتے تھے اور فقیر پر نہایت مہربان تھے اور دنیا داروں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے ۔ (۲)

شاہ محمد غوث نے اپنے والد شیخ حسن کے دستِ حق پرست پر قادریہ سلسلے میں بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا ، اور انھوں نے قبول کیا ، اور طریقت اور طریقۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے شغل اور ذکر کے لیے فرمایا ، (۳) پھر انھوں نے جو ریاضتیں اور مجاھدے اپنے والد کی خدمت میں رہ کر کیے ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

چناں چہ میں چار چلوں تک حضرت والد مرحوم کی خدمت میں بیٹھا رہا ، اور بعض اعمال اور اشغال کو عمل میں لایا ، اور ایک علیحدہ خالی مکان میں چھ سال تک گوشہ نشین رہ کر مشغول تھا ، اور ذکرلسانی جہر اور خفیہ طور پر اور ذکر قلبی اور مراقبات کرتا ، اور استعداد اور

---

۱ ۔ ''رسالہ اسرار الطریقت'' ۔ صفحہ ۳۰ - ۳۱

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۳۰

۳ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۳۱

قسمت کے مطابق حالات وارد ہوتے ، اور اپنے حال کی حقیقت ہمیشہ آپ کے حضور میں عرض کرتا رہتا ، جو درست ہوتا ۔ اُس کی تحسین فرماتے ، اور جس میں غلطی ہوتی اُس کا تدارک کرتے ۔ چھ سال کے بعد مہربانی کرکے اجازت نامہ لکھ کر مرحمت فرمایا ۔ (۱) چھ سال کے بعد والد ماجد کا انتقال ہوگیا ۔ اُنھوں نے ۲۱۔ ذیقعدہ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) کو جمعہ کے دن رحلت فرمائی ، اور اس عاجز کو خرقہ اور اجازت بخشی اور وصیت کی کہ محتاجوں ، فقیروں اور ہر نو وارد مسافر کی خدمت کیا کرو ، اور لوگوں سے کسی قسم کی امید نہ رکھو ، اور امیروں کی طرف التجا اور رجوع نہ کرو ، اور جو کچھ بتلایا گیا ہے ، اس میں لگے رہو ، اور جو کچھ خدا دے اُس پر قانع رہو ، (۲)

شیخ حسن کی وفات کے بعد شاہ محمد غوث نے طلبِ حق میں پاک و ہند کے مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ اثنائے سیاحت میں جن بزرگوں سے اُنھوں نے روحانی استفادہ کیا ان میں میاں نور محمد ، (۳) شاہ محمد فاضل (۴) درویش ، شاہ زندہ (۵) فقیر ، اخوند محمد نعیم (۶) ، شاہ حسین ، شاہ چراغ (۷)

---

۱ ۔ رسالہ ''اسرار الطریقت'' ۔ صفحہ ۴۱ - ۴۲

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۴۳ - ۴۴

۳ ۔ میاں نور محمد اٹک کے گرد و نواح میں رہتے تھے، اور شاہ ربانا مجذوب کی صحبت سے ان کو کامل جذبہ عطا ہوُا تھا ۔
(''اسرار الطریقت'' ۔ صفحہ ۴۵)

۴ ۔ شاہ محمد فاضل بھی صاحبِ تاثیر بزرگ تھے اور اٹک میں رہتے تھے ۔
(''اسرار الطریقت'' صفحہ ۴۶)

۵ ۔ شاہ زندہ فقیر بھی صاحب باطن بزرگ تھے ، جو ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور بہت کم کھاتے تھے ۔
(''اسرار الطریقت'' ۔ صفحہ ۴۶

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۴ پر)

شاہ لطیف (۱) ، شیخ پیر محمد (۲) سچیار خلیفہ حاجی محمد نوشاہ حاجی

(صفحہ ۳۹۳ کا بقیہ حاشیہ)

۶ - اخوند محمد نعیم افغانستان کے پر گنہ جلال آباد کے ایک موضع محمودکامہ میں رہتے تھے ، ظاہری اور باطنی علوم میں دست‌گاہ کامل رکھتے تھے ، سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے ، شاہ محمد غوث نے ان کی خدمت میں رہ کر توضیح تلویح پڑھی تھی - (''اسرار الطریقت'' - صفحہ ۳۶)

۷ - ''اسرار الطریقت'' میں ہے کہ شاہ چراغ پوٹھو ھار میں رہتے تھے ، اور قادریہ سلسلے میں بیعت تھے ، اور دعوت اسما کی دعاؤں اور شغل قلب میں مشغول رہتے تھے -
(''اسرارالطریقت'' صفحہ ۳۶)

---

۱ - شاہ لطیف پنڈی کے رہنے والے ، مجذوب ، صاحب کمال اور صاحب کشف بزرگ تھے ، شاہ محمد غوث ان کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے تھے - (''اسرار الطریقت'' - صفحہ ۳۶)

۲ - پیر محمد جو سچیار سے مشہور ہیں ، حاجی محمد نوشاہ کے عظیم المرتبت خلفا میں تھے - وہ بچپن ہی میں حاجی محمد نوشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی تربیت اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے - چوں کہ اُن کا میلان ابتدا ہی سے صدق و ورع اور تقویٰ کی طرف تھا ، اُن کی راست گوئی اور صدق کو دیکھ کر اُن کے پیر نے اُن کو سچیار کا خطاب دیا ، جس کے معنی ہیں سچ بولنے والا - وہ اس قدر صاحب تصرف بزرگ تھے کہ جو کوئی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ، ان کی نگاہِ فیض اثر سے فوراً ہی صاحب وجد و حال ہوجاتا - وہ اپنے پیر کی وفات کے بعد موضع نوشہرۂ مغلاں میں جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے ، اور گجرات سے مشرق

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۵ پر)

گلگو(۱) محمد جعفر، میاں جان محمد، میاں جان محمد دوم(۲)، شیخ سرور(۳)،

(صفحہ ۳۹۴ کا بقیہ حاشیہ)

جانب چھ کوس کے فاصلے پر ہے، مقیم ہوکر رشد و ھدایت میں مشغول ہوگئے - شیخ پیر محمد نے ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں وفات پائی - (ماخوذ از ''خزینۃ الاصفیاء،'' جلد اول صفحہ ۱۰۱ - ۱۰۲) -

۱ - حاجی گلگو، شیخ پیر محمد سچیار کے خلفا میں تھے - صاحب حال بزرگ تھے، اس قدر جذبہ تھا کہ توجہ کی ایک ھی نظر سے حرارت، ذکر قلب، گریہ اور حال کی کیفیت اُن پر طاری ہوجاتی تھی - (''اسرار الطریقت'' صفحہ ۴۷) -

۲ - شیخ جان محمد دوم سہروردی لاھوری صاحب علم و فضل اور جامع کمال ظاھری و باطنی بزرگ تھے - شہر لاھور کی بیرونی آبادی قصاب پورے میں رھتے تھے، اور مسجد قصاب پورہ میں درس دیتے تھے - باوجودیکہ سینکڑوں انسانوں نے اُن سے تعلم حاصل کی، لیکن اُنھوں نے درس و تدریس کا معاوضہ کبھی کسی سے نہیں لیا - وہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں شیخ اسماعیل مشہور بہ میاں وڈے صاحب کے مرید تھے - ان کی معیشت کا دار و مدار چکی چلانے پر تھا - چکی چلا کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے -

شیخ جان محمد نے ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ع) میں وفات پائی، اُن کا مزار پر انوار لاھور کے باھر مسجد قصاب پورہ کے متصل شرقی جانب واقع ہے -

(''خزینۃ الاصفیاء''، جلد دوم - صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵)

۳ - ''اسرار الطریقت'' میں ہے کہ شیخ سرور نامی ایک درویش ہندوستان سے پشاور تشریف لائے تھے، اور شاہ محمد غوث نے آن سے متعدد ملاقاتیں کی تھیں -

میاں عصمت اللہ (۱) ، میاں شیخ محمد چشتی (۲) ، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (۳) ، سید بھیک چشتی (۴) - حضرت مجدد الف ثانی کے

---

۱ - "اسرار الطریقت" میں ہے کہ میاں عصمت اللہ حاجی گانگو کے خاندان سے تھے ، اور بڑے با اثر اور صاحبِ جذب بزرگ تھے - شاہ محمد غوث اُن کی زیارت کے لیے پشاور سے گجرات گئے تھے - وہ گجرات سے پندرہ کوس کے فاصلے پر رہتے تھے۔
("اسرار الطریقت" - صفحہ ۴۸ - ۴۹)

۲ - "اسرار الطریقت" میں شاہ محمد غوث نے تحریر فرمایا کہ اس کے بعد شاہ جہان آباد جانے کا اتفاق ہوا ، وهاں بھی میاں شیخ محمد چشتی صاحبِ حال و وجد و سماع ایک بزرگ تھے ، اُن کی خدمت سے بعض مفید باتیں حاصل ہوئیں -
("اسرارالطریقت" - صفحہ ۴۹)

۳ - شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا - اُن کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے - اُن کے اجداد خجند کے رہنے والے تھے - شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے والد شاہ جہاں کے عہد شاہ جہان آباد آئے - وہ علم نجوم اور ہئیت میں کمال رکھتے تھے، اس لیے شاہ جہاں نے اُن کو لال قلعہ کی تعمیر کے وقت خجند سے بلایا تھا - اُن کے دادا احمد معمار شاہ جہانی عہد کے ممتاز ماہر فن تھے ، اُن کو نادر العصر کا خطاب ملا تھا - احمد معمار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے ، جو شاہ کلیم اللہ کے والد تھے - دھلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ھیں ، وہ نور اللہ ھی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں -

شاہ کلیم اللہ کی ولات با سعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ع)
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۷ پر)

پوتے حضرت صبغتہ اللہ ، میاں عبدالاحد مشہور بہ میاں گل ، میاں شیخ

(صفحہ ۳۹۶ کا بقیہ حاشیہ)

میں ہوئی - اُن کی تاریخ تولد ''غنی'' سے نکلتی ہے - اُنھوں نے شیخ برہان الدین معروف بہ شیخ بہلول اور شیخ ابوالرضا ہندی سے تعلیم حاصل کی ، شیخ ابوالرضا ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تایا تھے - تحصیل علم کے بعد شاہ کلیم اللہ مدینہ منورہ روانہ ہوگئے ، اور مدینہ منورہ میں اپنا زیادہ وقت شیخ یحیٰی مدنی چشتی کی خدمت میں گزارا ، جو احمدآباد کے رہنے والے تھے ، اور مشاہیر صوفیہ میں تھے ، اور ایک روحانی اشارے کی بناء پر مدینہ منورہ میں شاہ کلیم اللہ نے شیخ یحیٰی مدنی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہو کر اور خرقۂ خلافت حاصل کرکے دہلی واپس ہوئے - دہلی میں تشریف لانے کے بعد اُنھوں نے بازار خانم میں قیام فرمایا ، اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا - تھوڑے ہی دن میں اُن کی شہرت دور دور پھیل گئی اور ہر طرف سے طالب علم ان کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے -

شاہ کلیم اللہ نے بیاسی سال کی عمر میں نقرس اور و جع المفاصل میں مبتلا ہو کر ۲۴- ربیع الاول ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ع) کو وفات پائی - وفات کے وقت یہ شعر زبان پر تھا :

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی ست
بخلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبی ست

اور اپنی سکونتی حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی مدفون ہوئے -

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں ، اُن میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۸ پر)

عبدالنبی نقشبندی ، شاہ مرتضٰی ساکن سکندرہ ، میر سیدید اللہ وغیرہ کا تذکرہ انھوں نے اپنے ''رسالے اسرار الطریقت'' میں کیا ھے ۔

(صفحہ ۳۹۷ کا بقیہ حاشیہ)
سے جن کتابوں کے نام تذکروں میں ملتے ھیں ، وہ یہ ھیں : (۱) ''قرآن القران'' عربی زبان میں قران مجید کی نہایت عمدہ تفسیر ھے جسے ۱۹۲۰ع میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے قرآن مجید کے حاشیے پر شائع کیا تھا ۔
۲ - ''عشرۂ کاملہ'' ۳ - ''سواء السبیل'' (۴) ''کشکول'' ۵ - ''مرقع'' ۶ -''تسنیم'' ۷ - ''الہامات کلیمی'' - یہ چھ کتابیں تصوف سے متعلق ھیں ، ان میں ''عشرۂ کاملہ'' ۔ ''کشکول'' اور ''مرقع'' طبع ھو چکی ھیں ، اور ''کشکول کلیمی'' کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ھے ۔ (۸) رسالہ ''تشریح الافلاک'' عاملی محشی بہ فارسی — یہ کتاب علم ھئیت سے متعلق ھے ، اس کا ایک نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دھلی میں موجود ھے ۔ (۹) ''مکتوبات کلیمی'' یہ اُن کے ۱۳۲ خطوط کا مجموعہ ھے ، جو ''مطبع یوسفی'' دھلی سے ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ع) میں شائع ھؤا تھا ۔
شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے چار صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں تھیں ، صاحب زادوں کے نام یہ ھیں ۔ ۱ - خواجہ محمد ۲ - حامد سعید (۳) محمد فضل اللہ ۴ - محمد احسان اللہ - محمد احسان اللہ نے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی زندگی ھی میں وفات پائی ۔
صاحب زادیوں کے نام یہ ھیں : ۱ بی بی رابعہ ۲ - بی بی فخرالنساء ۳ - بی بی زینب ۴ - بی بی مصری ۔
شاہ کلیم اللہ کے خلفا کی تعداد کثیر ھے ، ان میں سے چند نام یہ ھیں : ۱ - شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ، ۲ - شاہ محمد ھاشم
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۹ پر)

وہ اپنی اس سیاحت کے دوران میں بعض بزرگوں کے مزارات پر بھی

(صفحہ ۳۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

۳ - مولانا شاہ ضیاء الدین ، ۴ - مولانا شاہ جمال الدین ، ۵ - مولانا شاہ جلال الدین ، ۶ - مخدوم شیخ تھارو ، ۷ - خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی - (ماخوذ از '' مناقب المحبوبین'' صفحہ ۴۵ ، ''مکتوبات کلیمی'' - صفحہ ۹۳ ''مکتوب'' ۱۲۵ ، ''تاریخ مشائخ چشت'' صفحہ ۴۲۵) -

۴ - سید میراں بھیک چشتی صابری سادات ترمذ میں تھے۔ اصل نام محمد سعید ، اُن کے والد کا نام محمد یوسف اور اُن کی والدہ کا نام بی‌بی ملکہ تھا - سید میراں بھیک پیر کے روز ۹ - رجب ۱۰۴۶ھ (۱۶۳۶ع) میں پیدا ہوئے ، ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے :

محمد سعید میراں بھیک محمد یوسف سرانیہ بن سید قطب شاہ بن سید عبدالواحد بن سید احمد بن سید امیر سعید بن سید نظام الدین بن سید عزیز الدین بن سید شاہ تاج الدین بن عز الدین نوبہار ، بن سید عثمان ، بن سید شاہ سلیمان کفار شکن بن شاہ زید سالار لشکر ، بن سید امیر احمد زاھد بن سید امیر حمزہ بن سید ابابکر علی بن سید محمد تختہ بن سید علی شاہ رھبر کاکی بن سید حسین ثانی الملقب بہ حمیص بن سید محمد مدنی لقب حمیص بن سید حسین علی اصغر بن زین العابدین بن امام حسین رض -

اُن کے اجداد میں سے شاہ زید سالار لشکر ایک کثیر لشکر کے ساتھ جہاد کے ارادے سے ہندوستان تشریف لائے ، اور سیوانہ میں مقیم ہوگئے ، راجا سوانہ نے جس کا نام سیانہ تھا آپ کو حالت نماز میں شہید کر دیا - ان کی شہادت کے بعد

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۰ پر)

حاضر ہوئے - ان مزارات پر حاضری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ اپنے رسالے ''اسرار الطریقت'' میں لکھتے ھیں کہ :

(صفحہ ۳۹۹ کا بقیہ حاشیہ)
شاہ زید کے صاحب زادوں نے راجا سوانہ سے جنگ کرکے اُس پر فتح پائی ، اور سوانہ کو اپنا وطن بنا لیا -
''ثمرۃ الفواد'' میں ھے کہ ابھی سید میراں بھیک کی عمر صرف نو سال کی تھی کہ اُن کے والد کا سایۂ شفقت اُن کے سر سے اُٹھ گیا - اُن کی والد نے اُن کی تعلیم و تربیت کی - اثنائے تعلیم میں ھی حضرت سید میراں بھیک پر جذبۂ شوق الٰہی غالب ھؤا ، اور وہ حضرت شاہ ابوالمعالی انبہٹوی کی خدمت میں حاضر ھوکر اُن کے دست حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں بیعت ھوئے - ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ھوئے ، اور ارشاد و تلقین میں مصروف ھوگئے - اُن کے روحانی فیوض سے جن بزرگوں نے استفادہ کیا ، اور اُن کے دست حق پرست پر بیعت ھو کر اُن کی خلافت سے سرفراز ھوئے ، ان کی طویل فہرست ھمیں ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ملتی ھے - راقم الحروف کی والدہ مرحومہ کا سلسلۂ نسب بھی حضرت شاہ ابوالمعالی سے ملتا ھے - سید میران بھیک نے ۵ - رمضان ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) کو حبس البول کے مرض میں مبتلا ھو کر وفات پائی - اُن کا مزار مبارک کڑام (مشرق پنجاب) میں واقع ھے - نواب روشن الدولہ نے جو اُن کا مرید بھی تھا ، ان کے روضۂ مبارک کی تعمیر کرائی - ''شاہ بھیکہ'' سے اُن کی تاریخ وفات نکلتی ھے - صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے اُن کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ھوئے لکھا کہ :

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۱ پر)

''اس کے بعد لاہور میں جو ایک پرانا شہر اور بزرگوں کا مسکن ہے ، میں آیا ۔ اولیا کے بعض مقبروں پر راتیں کاٹیں ۔ میں حضرت میاں میر لاہوری(۱) کے مقبرے پر گیا ، اُن کو دیکھا ۔ اُنھوں نے ایک

(صفحہ ۴۰۰ کا بقیہ حاشیہ)

سید میراں بھیکہ چشتی صابری قدس سرہ خلیفۂ اعظم و جانشین راستیں شاہ ابوالمعالی چشتی است ، صاحب مقامات بلند و مدارج ارجمند بود ، در ذوق و شوق و وجد و سماع و استغراق و عشق و محبت ثانی نداشت ، در مشائخ متاخرین احدے را کشائش ظاہری و باطنی و قبولیت صوری و معنوی مثل وے حاصل نگشتہ و مریدانش اکثر بمراتب اقطاب و ابدل و اوتاد رسیدند (''خزینة الاصفیاء'' جلد اول صفحہ ۴۸۹) ۔

سید میراں ''بھیک ہندی'' کے بلند پایہ اور عظیم المرتبت شاعر تھے ، اُن کے دوھے آج بھی محافل سماع کی جان ہیں ۔ (ماخوذ از ''خزینة الاصفیاء'' جلد اول صفحہ ۴۸۹ تا ۴۹۴)

۱ ۔ میاں میر کا اصل نام شیخ میر محمد اور کنیت میاں میر ہے ۔ آپ کا وطن سابق سندھ کا مشہور شہر سیوھن ہے ، آپ کے والد کا نام قاضی سایندنہ بن قاضی قلندر اور والدۂ محترمہ کا نام بی‌بی فاطمہ بنت قاضی قازن تھا ۔ میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروق ہیں ۔ آخر میں آپ کا نسب حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے ۔

دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب ''سکینة الاولیاء'' میں آپ کی ولادت ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ع) میں لکھی ہے ۔ ''تحفة الکرام'' میں میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے آپ کا سنہ ولادت ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ع) تحریر کیا ہے ۔

ابھی آپ کی عمر بارہ ہی سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۲ پر)

شغل فرمایا اور فرمایا کہ اس شغل میں مشغول رہو ، اور کسی کو بھی مت بتلاؤ ۔

(صفحہ ۴۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا ۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی ، پھر آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی ۔

اس کے بعد آپ سلسلۂ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانی کے مرید ہوئے ، جو ایک پہاڑ پر مقیم تھے ۔ کچھ مدت کی ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا ''تمھارا کام مکمل ہوچکا ھے ، اب تمھیں اختیار ھے ، جہاں چاھے سکونت اختیار کرو ۔''

اپنے شیخ کی اجازت کے بعد پچیس سال کی عمر میں آپ لاھور تشریف لائے ، یہ اکبر کا دور حکومت تھا ۔ لاھور پہنچ کر آپ مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ھوگئے ، جو اُس زمانے کے متبحر عالم تھے ۔ پھر کچھ عرصہ مولانا نعمت‌اللہ اور مفتی عبدالسلام لاھوری سے بھی تعلیم حاصل کی ۔ لاھور میں جب آپ کی ولایت کی شہرت ھوئی ، اور لوگ آپ سے کچھ کچھ واقف ھونے لگے تو آپ سرھند تشریف لے گئے ۔ ایک سال سرھند میں قیام فرمانے کے بعد پھر لاھور تشریف لائے ، اور آخر عمر تک باغبانوں کے محلے میں جسے اب خان پورہ کہتے ھیں مقیم رہ کر رشد و ھدایت میں مصروف ھوگئے ، اور سارے پنجاب کو اپنی روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ، اور آپ نے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کرکے ایک ایسی جماعت پیدا کی ، جس سے رشد و ھدایت کے چشمے پھوٹے ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۳ پر)

اس کے بعد میں نے ایک دوست شیخ حامد نام ایک درویش کی زیارت کی جو پیر علی ہجویری(۱) کے مزار کے پاس دفن ہیں''

(صفحہ ۴۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

شاہان وقت میں جہانگیر اور شاہ جہاں آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ، دارا شکوہ بھی میاں میر کا عاشق تھا ۔

میاں میر اٹھاسی سال کی عمر میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ع) کو واصل الی اللہ ہوئے۔ ''سکینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ آپ اسہال میں مبتلا ہوئے ، پانچ روز تک بیمار رہے ، اور خان پورے میں اپنے حجرے میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار ہاشم پورے میں جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ مزار مبارک کی عمارت کو عالم گیر نے تعمیر کرایا ۔

علامۂ اقبال نے آپ کی عظمت و جلالت کو سراہتے ہوئے لکھا کہ

حضرت شیخ میاں میر ولی
ہر خفی از نور جان او جلی
بر طریق مصطفیٰ محکم پئے
نغمۂ عشق و محبت را ہے
تربتش ایمان خاک شہر ما
مشعل نور ہدایت بہر ما

(ماخوذ از تذکرۂ ''صوفیائے پنجاب'' ۔ صفحہ ۵۶۳ تا ۵۸۷)

۱ ۔ حضرت پیر علی ہجویری کا اسم گرامی علی ، ابوالحسن کنیت اور لقب داتا گنج بخش ہے ۔ آپ کے والد کا نام نامی سید عثمان ہے ، آپ کا سلسلۂ نسب آخر میں امام حسن رض بن علی مرتضیٰ رض سے جا ملتا ہے ۔

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۴ پر)

(صفحہ ۴۰۳ کا بقیہ حاشیہ)

شروع میں قیام ھجویر اور جلاب میں رہا ۔ یہ غزنین کے دو مشہور گاؤں ھیں ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ میں ھوئی ۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت شیخ ابوالحسن ھجویری نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ھے ، ان کے نام یہ ھیں ، (۱) حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی (۲) ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی (۳) شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ھوازن قشیری (۴) شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی ، (۵) ابوالعباس احمد بن محمد قصاب (۶) ابو عبد اللہ محمد بن علی معروف بہ الداغستانی ، (۷) ابو سعید فضل اللہ بن محمد (۸) ابو احمد المظفر بن حمدان ۔

حضرت داتا گنج بخش نے جن بزرگ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی ، اُن کا اسم گرامی شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی ھے ، جو سلسلۂ جنیدیہ میں منسلک تھے ۔

سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاھدے آپ نے کیے ، ان کو ''کشف المحجوب'' میں آپ نے جا بجا تحریر فرمایا ھے ۔

حضرت داتا گنج بخش سلطان مسعود بن محمود غزنوی (۴۲۲ھ - ۴۳۲ھ) کے آخر دور حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرتے ھوئے لاھور تشریف لائے ۔ لاھور تشریف لانے کے بعد یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ۔ کچھ دن تک درس دیتے رھے ، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ھوگئے ۔

مشہور ھے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے ھاتھ پر اسلام

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۵ پر)

(صفحہ ۴۰۴ کا بقیہ حاشیہ)

قبول کیا ، جن میں سے ایک رائے راجو تھا جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاھور کا نائب تھا ، اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ھندی رکھا ۔ اُسی کی اولاد آپ کی درگاہ کی خدام و مجاور ہے ۔

حضرت داتا گنج بخش متعدد کتابوں کے مصنف تھے ۔ ''کشف المحجوب'' آپ کی مشہور تصنیف ہے ۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے ، ان میں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب انضا و البقا (۳) اسرار الخرق والمئونات (۴) کتاب البیان لاھل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الدعایة لحقوق اللہ (۷) رسالہ شرح کلام حلاج اور (۸) رسالہ''ایمان ھیں ۔''کشف المحجوب''میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے ، جواب نہیں ملتا ۔

تاریخ اور تذکروں میں حضرت داتا گنج بخش علی ھجویری کا سنہ وفات ۴۶۵ھ درج ہے ، اور یہی تاریخ وفات لاھور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے ۔ دارا شکوہ نے ''سفینة الاولیاء'' میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ اور دوسرے قول کے مطابق ۴۶۴ھ لکھا ہے ۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اور سامی بیگ نے ''قاموس الاعلام'' میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ تحریر کیا ہے ۔ مفتی غلام سرور لاھوری نے کتاب ''خزینة الاصفیاء'' میں بہ‌حوالۂ ''نفحات الانس واخبار الاصفیاء'' آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ معتبر بتایا ہے ۔ ''ثمرات القدس'' میں مرزا لعل بیگ لعلی نے آپ کا سند وفات ۴۵۶ھ تحریر کیا ہے ، صرف ڈاکٹر غنی نے ''تصوف اسلام'' کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات ۴۷۰ھ کے قریب تحریر کیا ہے ، اور نکلسن نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۶ پر)

پھر انھوں نے اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری(۱) کے

(صفحہ ۳۰۵ کا بقیہ حاشیہ)

''کشف المحجوب'' کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں قیاساً ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ لکھا ہے - ہماری رائے میں آپ کا سنہ وفات ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان کسی سال میں ہے - ہم نے آپ کے سنہ وفات پر اپنی کتاب ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' میں تفصیل سے بحث کی ہے ، سنہ وفات کی تفصیلی بحث کے لیے ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' مطالعہ کرنا چاہیے- (ماخوذ از ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' صفحہ ۳۲ تا ۳۶) -

۱ - خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے ، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد قصبۂ ہرون میں حضرت شیخ عثمان ہرونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا ، اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال سیاحت کی - اپنے مرشد ھی کے ساتھ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ حاضر ہوئے- مدینۂ منورہ ھی آپ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی - آپ لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ع) کو اجمیر پہنچے - اُس وقت اجمیر اور دھلی کا حکمران رائے پتھورا تھا ، اُس نے آپ کے قیامِ اجمیر میں بڑی بڑی مزاحمتیں کیں ، لیکن آپ اجمیر میں مقیم ہوکر رشد و ھدایت میں مصروف ھوگئے - آخر آپ کی تعلیم سے رائے پتھورا کے ملازمین مشرف بہ اسلام ہونے لگے ، یہاں تک کہ پاک و ھند آپ کے فیوض و برکات سے منور ھوگئے - ۶ رجب ۶۳۲ھ ۱۲۳۴ع کو خواجۂ بزرگ نے رحلت فرمائی - آپ کا مزار مبارک اجمیر میں مرجع عالم ہے -

(ماخوذ از بزم صوفیہ ، تذکرۂ حضرت خواجہ معین‌الدین اجمیری)

مزار پر حاضری اور دھلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی(۱) کے مزار پر حاضری کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔

---

۱ ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال الدین تھا ۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ھے ۔ آپ ڈیڑھ ھی سال کے تھے کہ آپ کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابوالحفص سے حاصل کی ، اور ریاضتوں اور مجاھدوں میں مشغول رھنے لگے ۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اوش تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بیعت کی ۔ ''دلیل العارفین'' میں ھے کہ آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ساتھ خراسان سے ھندوستان تشریف لائے ، پھر آپ کو حضرت خواجہ اجمیری نے دھلی جانے کا حکم دیا ۔ آپ ملتان ھوتے ھوئے دھلی پہنچے ۔ دھلی میں اُس وقت سلطان شمس ایلتمش کا زمانہ تھا ، اُس نے آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا ۔ آپ نے شہر سے باھر کیلوکھری میں سکونت اختیار فرمائی ، ایلتمش ھفتے میں دوبار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ھوتا تھا ، شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی کی وفات کے بعد ایلتمش نے شیخ الاسلام کے عہدے پر آپ کا تقرر کرنا چاھا مگر آپ نے انکار کردیا ۔ آپ کے انکار پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس خدمت پر مامور کیا گیا ۔ (''سیر العارفین'' ۔ صفحہ ۲۱) ۔

جب دھلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے رشد و ھدایت کی شمع روشن کی تو دھلی کے عوام و خواص پروانہ وار آپ کے حلقۂ عقیدت میں داخل ھونے لگے ۔ آپ پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۸ پر)

شاہ محمد غوث نے یہ روایت صاحب تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع)

(صفحہ ۴۰۷ کا بقیہ حاشیہ)
عموماً استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ''اخبار الاخبار'' میں ہے کہ

و نہایت استغراق داشت ، در یاد مولیٰ ، چوں کسے بہ زیارت آمدے زمانے بایستے تابخود باز آمدے ، آں گاہ با آیندہ مشغول شدے ، اگر از حال خود یا حال آیندہ چیزے بگفتندے، بعدہ، گفتے مرا معذور دارید ، باز بحق مشغول شدے ۔
(''اخبار الاخیار صفحہ ۔ ۲۵) ۔

''سیر اولاولیاء'' میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ایک چھوٹا لڑکا وفات پا گیا ۔ جب لوگ اُسے دفنا کر واپس ہوئے تو آپ کی بیوی نے رونا شروع کیا ۔ رونے کی آواز سن کر آپ دیر تک افسوس فرماتے رہے ۔ شیخ بدر الدین غزنوی نے پوچھا یہ تاسف کیسا ہے ؟ حضرت حواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میں نے اس بچے کی حیات کے لیے دعا کیوں نہ کی ، اگر میں اس کی زندگی کے لیے دعا کرتا تو وہ بچ جاتا ۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ، سبحان اللہ ! دیکھو حضرت قطب عالم کا یادِ دوست میں استغراق کس قدر تھا کہ بچے کی حیات و موت کے متعلق بھی خیال نہ آیا ۔ (''سیر الاولیاء ۔ صفحہ ۴۹) ۔

اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ اسلام کے عہدے پر آپ کے انکار کر دینے کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہؤا ۔ شیخ نجم الدین صغریٰ ، حضرت خواجہ عثمان ھارونی کے مرید ، اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے دوست تھے ۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۹ پر)

میں ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے سے ایک سال بعد وصال فرمایا ۔ آپ کا مزار پر انوار بیرون دھلی دروازہ ، لاھور میں واقع ھے ۔

(صفحہ ۴۰۸ کا بقیہ حاشیہ)

لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کو جو شہرت اور حسن قبول عوام و خواص میں حاصل تھا ، اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ ایک قسم کا رشک و حسد رکھتے تھے ۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دھلی سے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں خط لکھا ، اور اشتیاق ملاقات ظاھر کرکے اجمیر میں حاضری کی اجازت چاھی تو حضرت خواجہ بزرگ اجمیری خود اُن کی ملاقات کے لیے دھلی تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر دھلی کے علماء و مشائخ اور عوام و خواص آپ کی زیارت کے لیے پروانہ وار ٹوٹ پڑے، مگر شیخ نجم الدین صغریٰ اُس وقت بھی ملنے کے لیے نہ آئے ۔ دوسرے یا تیسرے روز خود حضرت خواجہ اجمیری اُن کے گھر تشریف لے گئے ۔ اُس وقت وہ اپنے گھر کے صحن میں چبوترہ بنوا رھے تھے ۔ خواجہ بزرگ جب اُن کے گھر پہنچے تو وہ اُس تپاک سے پیش نہ آئے ، جیسا کہ پیش آنا چاھیے تھا ۔ حضرت خواجہ اجمیری نے ان کی سرد مہری کو دیکھ کر اُن سے فرمایا کہ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ شیخ الاسلام کے عہدے نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ھے ۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ میں تو آپ کا ویسا ھی مخلص و معتقد ھوں ، لیکن آپ نے شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑا ھے ، جو میری شیخ الاسلامی کو ذرّہ برابر بھی نہیں سمجھتا ۔ آپ نے تبسم کرتے ھوئے فرمایا اچھا پریشان نہ ھو ، میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لیے جاتا ھوں ۔ جب

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۰ پر)

شاہ محمد کی تصانیف میں رسالۂ ''غوث نامہ'' مشہور ھے - اسی کا ترجمہ ''اسرار الطریقت'' نام سے شائع ھؤا ھے ، جو حسب ذیل سات فصلوں پر مشتمل ھے :

(صفحہ ۴۰۹ کا بقیہ حاشیہ)

آپ اپنی جائے قیام پر لوٹے ، تو آپ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فرمایا بابا بختیار ! تم ایک بار خلق میں اس طرح مشہور ہوگئے ہو کہ لوگوں نے تمھاری شکایت کرنی شروع کردی ھے ، تم یہاں سے چلو اور اجمیر میں بیٹھ جاؤ ، میں تمھارے سامنے کھڑا رھوں گا - خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ حضور ! میں خود ایک مدت سے اس موقع کی تلاش میں ہوں کہ آپ کے سامنے دست بستہ کھڑا رھوں ، یہ کیسے ممکن ھے کہ میں بیٹھوں اور آپ کھڑے رہیں ، پھر آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا - جیسے ھی یہ خبر دھلی میں مشہور ہوئی ، لوگ آپ کی جدائی کے تصور سے بے تاب ھوگئے - میر خورد نے ''سیر الاولیاء'' میں اس وقت کی بےچینی و بےقراری کو بیان کرتے ھوئے لکھا کہ

''اس مرتبہ شیخ قطب‌الدین حضرت خواجہ معین‌الدین اجمیری کے ساتھ اجمیر روانہ ھوئے - اس خبر سے تمام شہر میں تہلکہ مچ گیا - تمام اھل شہر سلطان شمس الدین کے ساتھ اُن کے پیچھے روانہ ھوئے - جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے ، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اُٹھا لیتے تھے ، اور نہایت بے قراری و زاری کرتے تھے - حضرت معین الدین اجمیری نے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا بختیار ! تم یہیں رھو ، کیوں کہ لوگ تمھارے جانے سے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۱ پر)

(صفحہ ۴۱۰ کا بقیہ حاشیہ)

سخت مضطرب اور بے قرار ہیں - میں ہرگز اسے پسند نہیں کرتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں ، جاؤ میں نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا ہے - پھر سلطان شمس الدین ایلتمش نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور شیخ قطب الدین کے ہم راہ نہایت خوش خوش شہر کی طرف روانہ ہؤا ، اور خواجہ معین الدین اجمیری اجمیر کی طرف روانہ ہوئے" - ("سیرالاولیاء" - صفحہ ۵۴ و ۵۵) -

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی عبادت الٰہی کی مشغولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سونا بالکل ترک کر دیا تھا ، یہاں تک کہ کبھی بستر نہ بچھاتے تھے - ابتدائی زمانے میں جب نیند کا بہت غلبہ ہوتا ، تو کچھ دیر سو بھی رہتے تھے ، مگر آخر عمر میں بالکل نہ سوتے تھے ، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے -
("سیر الاولیاء" - صفحہ ۷۶) -

"فوائد السالکین"میں ہے کہ یاد الٰہی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کے لیے آتا تو بہت دیر کے بعد ہوشیار ہوتے ، برابر مراقبے میں رہتے ، نماز کے وقت آنکھ کھولتے ، اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے ، اور نماز ادا فرماتے - آخر عمر میں کلام مجیدحفظ کیا تھا ، ہر روز دو مرتبہ کلام مجید ختم کرتے -

("فوائد السالکین" مجلس پنجم)

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری کی وفات

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۲ پر)

فصل ۲ - ان مراقبات کے بیان میں جو ذکر کے بعد کیے جاتے ہیں -
فصل ۳ - در بیان حقیقت -

(صفحہ ۴۱۱ کا بقیہ حاشیہ)

سے کچھ دن پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کی زیارت کے لیے اجمیر تشریف لے گئے - اس موقع پر حضرت خواجۂ بزرگ نے ان کو خلافت اور سجادۂ خواجگان عطا کیا - صاحب ''اخبار الاخیار'' نے بحوالۂ ''دلیل العارفین'' حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے :

جمعرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پا بوسی کی دولت حاصل کی - اس موقع پر بہت سے درویش ، عزیز اور آپ کے مرید حاضر تھے - اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا ذکر چلا ، فرمایا دنیا موت کے مقابلے میں ایک دانے کے برابر قیمت نہیں رکھتی - لوگوں نے پوچھا کیوں ؟ فرمایا موت تو ایک پُل ہے ، جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے ، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں ، جو تمام عالم کو روشن بنائے ہوئے ہیں ، اور اُن کے نور سے تمام عالم روشن ہے - پھر فرمایا اے درویشو ! ہمیں اُس جگہ لایا گیا ہے کہ یہ جگہ ہمارا مدفن ہوگی ، اور ہم چند روز میں اس دنیا سے سفر کریں گے - پھر آپ نے اپنے کاتب شیخ علی سجزی سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دھلی جائیں ، ہم نے اُن کو خلافت و سجادہ عطا کیا ہے ، دھلی اُن کا مقام ہوگا ، جب یہ تحریر مکمل ہوگئی ، تو وہ آپ نے مجھے عطا فرمائی ، اور فرمایا قریب آؤ ، میں آپ کے قریب گیا ، آپ نے دستار اور ٹوپی میرے سر پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۳ پر)

(صفحہ ۴۱۲ کا بقیہ حاشیہ)

رکھی ، اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا عصا میرےہاتھمیں دیا ، اور مجھے خرقہ پہنایا ، مصحف و مصلیٰاور دوسری نعمتیں مجھے بخشیں ، اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وہ امانت تھی ، جو خواجگان چشت سے ہم کو ملی تھی ، ہم نے تم کو سونپی ، تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو ، جیسا ہمارے خواجگان ادا کرتے رہے ، تاکہ کل قیامت کے دن ہم اپنے خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں - میں قدم بوس ہؤا ، اور دو رکعت نماز ادا کی - اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ، اور آسمان کی طرف روئے مبارک اُٹھا کر فرمایا ، جاؤ ہم نے تمھیں خدا کے سپرد کیا ، اور تم کو منزل پر پہنچا دیا - رخصت کرتے ہوئے فرمایا ، چار چیزیں نفس کا گوہر ہیں ، اول یہ کہ فقیری میں بھی تونگر دکھائی دو ، دوسرے یہ کہ بھوک میں بھی اپنےآپ کو سیر ظاہرکرو ، تیسرے یہ کہ غم و اندوہ میں بھی شادماں رہو ، چوتھے یہ کہ دشمنوں سے بھی دوستی کا برتاؤ کرو - پھر فرمایا جہاں کہیں بھی جاؤ ، کسی کو آزار نہ پہنچاؤ ، جہاں کہیں بھی رہو ، بے نفس ہو کر رہو - ،
میں ملاقات کے بعد دہلی آیا ، اور وہیں رہنے لگا - ابھی چالیس روز نہ گزرنے پائے تھے کہ ایک آنے والے نے خبر دی کہ تمھارے روانہ ہونے کے بعد خواجۂ بزرگ صرف بیس روز حیات رہے ، اور پھر رحمت حق میں پیوست ہوگئے -

("اخبار الاخیار" صفحہ - ۲۶)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو سماع سے بہت رغبت تھی ، آپ نے سماع ہی میں وصال فرمایا - "اخبار الاخیار"

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۴)

فصل ۵ - دربیان مراتب وجود ظہور حق -
فصل ٦ - ارادت اور بیعت کے مراتب کے بیان میں -

(صفحہ ۴۱۳ کا بقیہ حاشیہ)
میں ہے کہ شیخ علی سجزی کے مکان پر محفل سماع برپا تھی ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُس محفل میں موجود تھے۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کی ایک غزل شروع کی ، جب یہ شعر گایا :

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو آپ پروجد کی کیفیت طاری ہوئی ، اور تڑپنے لگے - مدھوشی اور تحیر کے عالم میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر لائے - یہ حالت چار شبانہ روز طاری رہی ، نماز کے وقت ہوشیار ہوجاتے ، لیکن نماز ادا فرما کر پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ، آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ع) کو واصل الی اللہ ہوئے - میر حسن نے اسی بحر و ردیف و قافیے میں ایک غزل کہی ہے ، جس میں حضرت خواجہ قطب الدین کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے ، فرماتے ہیں :

جاں بریں یک بیت داد است آں بزرگ
آرے ایں گوہر ز کانے دیگر ست
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

''سیر العارفین'' میں ہے کہ وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا ، اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کے آغوش میں -

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۵ پر)

فصل ۷ - اس فصل میں اُنھوں نے اپنے والد مرحوم اور اپنے پیروں کا شجرہ درج کرتے ہوئے، ان بزرگوں کے حالات لکھے ھیں کہ جن کی

(صفحہ ۴۱۴ کا بقیہ حاشیہ)

''سیرالاقطاب'' میں ھے کہ وصال سے کچھ دن پہلے عید کے دن عید کی نماز پڑھ کر سواری میں واپس آ رھے تھے کہ ایک جگہ ٹھیر گئے ۔ لوگوں نے پوچھا آپ کس فکر میں ھیں، فرمایا مجھے اس زمین سے عشق کی بو آتی ھے، اُسی وقت اُس زمین کے مالک کو بلوایا، اور اس کی قیمت ادا کرکے اُس زمین کو خریدا ۔ اُسی زمین پر آپ کا روضۂ مبارک واقع ھے ۔

صاحب سیر الاقطاب نے آپ کے خلفاء کی تعداد ۲۶ بتائی ھے، جن کے نام یہ ھیں ۔ (۱) شیخ فرید الدین گنج شکر (۲) شیخ بدر الدین غزنوی (۳) شیخ برھان الدین بلخی (۴) شیخ ضیاء الدین رومی (۵) سلطان شمس الدین ایلتمش (۶) شیخ بابا بحر دریا (۷) مولانا فخر الدین حلوائی (۸) شیخ محمد (۹) خواجہ پیر (۱۰) شیخ سعد الدین خلیفہ (۱۱) شیخ محمود بہاری (۱۲) مولانا محمد جاجرمی (۱۳) سلطان نصیر الدین غازی (۱۴) قاضی حمید الدین ناگوری (۱۵) مولانا برھان الدین حلوائی (۱۶) شیخ محمد ساچی (۱۷) شیخ حسین (۱۸) شیخ بدر الدین موے تاب (۲۰) شاہ خضر قلندر (۲۱) شیخ نجم الدین قلندر (۲۲) شیخ احمد یمنی ۔

(''سر الاقطاب'' - صفحہ ۱۵۹)

حضرت خواجہ قطب الدین کی تصانیف میں اُن کا دیوان ھے، جو مطبع نول کشور سے طبع ھو چکا ھے ۔ دوسرے آپ کے ملفوظات ھیں، جو بابا فرید گنج شکر نے ''فوائد السالکین''

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۶ پر)

خدمت میں رہ کر انھوں نے فیض حاصل کیا تھا ۔
یہ مطبوعہ ترجمہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(صفحہ ۴۱۵ کا بقیہ حاشیہ)
نام سے جمع کیے تھے - یہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئے تھے - ("بزم صوفیہ" صفحہ - ۵۹)

(۱۳)

مخدوم حافظ عبدالغفور پشاوری

حالات :

حافظ عبدالغفور پشاوری پشاور کے مشہور صوفیائے کرام میں تھے - آپ کے والد محترم کا اسم گرامی شیخ محمد صالح کشمیری تھا ، آپ نے روحانی تعلیم و تربیت سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ حاجی اسماعیل غوری نقشبندی سے حاصل کی ، جو حضرت شیخ سعدی(۱) لاهوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے -

---

۱ - شیخ سعدی بلخاری مجددی حضرت سید آدم بنوری کے مرید اور جلیل القدر خلفاء میں تھے - وہ بچپن ھی سے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں رھے ، اور اُنھیں سے تعلیم و تربیت حاصل کی - ''روضة السلام'' میں شرف الدین مجددی کشمیری نے خود شیخ سعدی کے حوالے سے اُن کے حالات کی تفصیل اس طرح قلم بند کی ھے کہ شیخ سعدی فرماتے تھے کہ میری عمر تقریباً آٹھ سال کی ھو گی کہ ایک روز میں اپنے گاؤں کے باھر ایک کنویں پر وضو کر رھا تھا کہ اتفاقاً سید آدم بنوری کے خلیفہ حاجی سعد اللہ وزیر آبادی بنور جاتے ھوئے ادھر سے گزرے - مجھے احتیاط سے وضو کرتے دیکھ کر اُنھوں نے خوش ھو کر فرمایا کہ اس عمر میں یہ لڑکا کس احتیاط سے وضو کر رھا ھے - پھر کچھ دیر میری طرف متوجہ رھے ، اور روانہ ھو گئے میں نے ان کے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ھیں ؟ اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

بچپن :

بچپن ھی سے آپ کو ریاضتوں اور مجاھدوں کا شوق تھا ، اور لڑکپن ھی میں آپ کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں و درخشاں نظر آتے تھے -

---

(صفحہ ۴۱۷ کا بقیہ حاشیہ)

ان کا کیا نام ھے ؟ اُن کے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ ان کا نام سعد اللہ ھے ، اور وہ اپنے پیر کی خدمت میں جارھے ھیں - یہ سن کر دفعةً مجھ میں بھی حضرت آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ھونے کا جذبہ پیدا ھؤا ، اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ھؤا ، لیکن میں نے یہ احتیاط برتی کہ ان کے ساتھیوں کی نظر میں نہ آؤں - میں نے بے خور و خواب ان سے علیحدہ رہ کر یہ راستہ طے کیا - جب وہ بنور پہنچے اور حضرت سید آدم بنوری کی زیارت سے مشرف ھوئے ، تو میں بھی اُن کے ساتھیوں کے ساتھ حضرت آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ھؤا - حضرت سید آدم بنوری نے حاجی سعد اللہ سے ان کے ھر ساتھی کے متعلق دریافت کیا - جب میری باری آئی ، تو حاجی سعد اللہ نے فرمایا یہ لڑکا بھی ھمارے ساتھ آیا ھے ، اور اس کے حالات عجیب و غریب ھیں - حضرت سید آدم بنوری نے فرمایا یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا تمھارے ساتھ آیا ھے بلکہ یہ کہو کہ ھم اس لڑکے کے ساتھ آئے ھیں - یہ لڑکا تو ازل ھی سے سعادت مند ھے - پھر میری طرف متوجہ ھو کر فرمایا ، میاں صاحبزادے ! تمھارا کیا نام ھے ؟ میں نے عرض کیا سعدی ، فرمایا جہاں کہیں بھی رھو ، اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ھو ، دنیا میں بھی سعدی اور آخرت میں بھی سعدی ھو - پھر مجھ پر بے حد شفقت فرمائی ، اور مجھے اپنی بیوی کے پاس لے کر گئے ، اور اُن سے فرمایا کہ دیکھو آج

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۹ پر)

خود فرماتے ھیں کہ میں بچپن ھی سے اپنے والد محترم کے ساتھ کشمیر جاتا تھا اور حضرت شیخ بابا عبدالکریم کے مزار پر جو محلہ فتح کدل میں واقع ھے ، اپنا وقت نوافل پڑھنے میں گزارتا تھا ۔

حفظ قرآن سے ذوق :

حافظ قرآن کریم تھے ۔ حفظ قرآن کا اس قدر ذوق تھا کہ فرماتے ھیں کہ بچپن میں مجھے آشوب چشم کا مرض تھا ، مگر باوجود اس مرض کے میں قرآن مجید حفظ کرتا رھتا تھا ۔

(صفحہ ۴۱۸ کا بقیہ حاشیہ)

یہ چھوٹا سا بچہ جو بہت سی خوبیوں کا مالک ھے ، ھمارے پاس آیا ھے ۔

پھر حضرت شیخ سعدی نے سید آدم بنوری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ھو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ حضرت آدم بنوری کی وفات کے بعد شیخ سعدی لاھور تشریف لائے ، اور مسند ارشاد کو زینت بخشی ۔ جن طالبان حق نے اُن سے سلوک و معرفت کے منازل طے کیے اُن کی تعداد بےشمار ھے ۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ

"مریدان مانند ستارہ ھائے آسمان از حیطۂ شمار خارج اند" ۔

شیخ سعدی لاھوری نے ۳ ربیع‌الثانی ۱۱۸۰ھ(۱۷۶۶ع) کو وفات پائی ، اور لاھور کے محلہ عزیز مزنگ میں مدفون ھوئے ۔ شیخ سعدی لاھوری کے چار صاحبزادے خواجہ محمد سلیم ، خواجہ محمد غنی ، خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف تھے ۔ شیخ سعدی لاھوری کے خلفاء میں خواجہ محمد سلیم ، خواجہ محمد غنی اور حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی مشہور ھیں ۔

("ماخوذ از خزینۃالاصفیاء" جلد اول صفحہ ۶۴۷ تا ۶۵۳ و تحقیقات چشتی - صفحہ ۱۸۴)

میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضری :

اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے سلسلے میں آپ نے یہاں فرمایا کہ میں کبھی کبھی میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضر ہوتا اور فاتحہ پڑھتا ۔

ایک خواب :

میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضرت سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوں ، آپ نے ہم سب سے فرمایا کہ تم ہمارے شاگرد ہو ، جلد قرآن مجید کو حفظ کرو ، چناں چہ ایسا ہی ہؤا کہ میں نے چند دن میں قرآن مجید حفظ کر لیا ۔

خلافت :

شیخ محمد عمر پشاوری صاحب ''جواہر السرائر'' کا بیان ہے کہ حافظ عبدالغفور نے ابتداً پشاور میں حافظ محمد اسماعیل غوری پشاوریؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر استفادۂ روحانی کیا ، پھر لاہور میں حاضر ہو کر حضرت سعدی لاہوری کی بیعت سے مشرف اور سلسلۂ نقشبندیہ ، قادریہ ، چشتیہ اور سہروردیہ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

ریاضتیں اور مجاہدے :

سید محمد غوث گیلانی لاہوری کا بیان ہے کہ حافظ عبدالغفور پشاوری تمام تمام رات حبس نفس اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے ۔

عشقِ الٰہی :

عشق الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی قرآن مجید کی کوئی آیت ان کے سامنے تلاوت کرتا یا کوئی لفظ اللہ زبان پر لاتا بے اختیار ان پر گریہ طاری ہو جاتا ۔

استغنا :

حافظ صاحب کے آئینۂ اخلاق میں جو جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے وہ ان کا استغنا و بے نیازی ہے ۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے مطلقاً بے نیاز تھے ،
اور ہمیشہ مساکین و مسافرین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے ۔

خدمت خلق :

خدمت خلق آپ کا شعار تھا ، خصوصاً مساکین و مسافروں کی خدمت میں مشغول رہتے تھے - مہمان نوازی اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً پانچ سو آدمی آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے ، اور کبھی آپ کے مطبخ کا چولھا ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا - آپ کے خدام صبح سے شام تک کھانا پکانے میں مشغول رہتے تھے ، حافظ صاحب علاوہ کھانے کے حاجت‌مندوں کی نقد اورر لباس سے بھی مدد فرماتے تھے - (۱)

وفات :

حافظ عبدالغفور ۱۴ ماہ شعبان ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ع) میں واصل الی اللہ ہوئے - مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں ان کا سنہ وفات ''حافظ واصل'' اور ''حافظ کلام الہ'' سے نکالا ہے :

شیخ عبدالغفور حافظ دیں
چوں فدا کرد جان‌بنام الہ
حافظ واصل است تاریخش
۱۱۱۶
ہم بخواں حافظ کلام الہ
۱۱۱۶

حافظ صاحب کا مزار پشاور کے مشہور ترین مزارات میں ہے - (۲)

خلفاء :

آپ کے خلفاء میں اخوند عبد السلام عرف وکیل بادشاہ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ، جنھوں نے آپ کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ

---

۱ - تحفة السلام - تالیف مولوی ابوالحسن سید محمد صاحب - صفحہ ۱۱ -

۲ - یہ تمام تفصیل ''خزینةالاصفیاء'' جلد اول - صفحہ ۶۵۴ سے ماخوذ ہے -

کے فروغ و اشاعت کے کام کو آگے بڑھایا ، اور اس سلسلے کی کشمیر میں ترویج کی(۱) -

مولوی ابوالحسن سید محمد نے اخوند عبدالسلام کے حالات پر ایک کتاب ''تحفۃ السلام'' کے نام سے لکھی تھی - یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنئو سے بار دوم ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی - وہ لکھتے ہیں کہ آپ کا نام خواجہ عبدالسلام آپ کے والد کا نام خواجہ شاہ مسعود حسنی ہے - شاہ مسعود حسنی نے بھی حضرت شاہ عبدالغفور کے دست حق پر بیعت ہو کر نعمت باطنی حاصل کی تھی - حافظ عبدالغفور اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے - شاہ مسعود نے پشاور ہی میں وفات پائی ، اور اپنے مرشد کے مقبرے میں مدفون ہوئے -

شاہ مسعود کے چار صاحبزادے تھے ، اُن میں حضرت اخون عبدالسلام اُن کے دوسرے صاحبزادے تھے ، اخون عبدالسلام کی ولادت ۱۰۸٦ھ (۱٦۷۵ء) میں ہوئی - بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں تھے ، اور آپ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے - آپ نے سن شعور کے پہنچنے تک علوم رسمیہ کی تکمیل کی - قلب چوں کہ ابتدا ہی سے زھد و ورع کی طرف مائل تھا ، آپ اس دور کے ایک بزرگ حافظ حسن بصیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ، جو اخوند ملا نازک کے خلفاء میں تھے ، اُنھوں نے آپ کو اسم ذات کی تعلیم دی -

عہد عالمگیر میں جب کہ کشمیر کا صوبہ دار نواب ابراھیم خاں تھا ، اُس کی امداد کے لیے دھلی سے ایک امیر ارسلان خاں کو بیھجا گیا - جب یہ امیر دھلی لوٹنے لگا تو اُس نے اخون عبدالسلام کے بھائی ملا خواجہ مراد الدین خاں کو اپنے ساتھ دھلی چلنے کے لیے اصرار کیا ، چنانچہ وہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ارسلان خاں کے ساتھ کابل سے پشاور آئے - چوں کہ حافظ عبدالغفور اهل کشمیر سے بے حد محبت کرتے تھے -

---

۱ - ''حالات بزرگان کبار'' تالیف شمس الھند ایزدی صوفی - مطبوعہ اتحاد پریس - بل روڑ - لاھور - صفحہ ۴۳

دونوں باپ بیٹے کی ملاقات حافظ صاحب سے ہوئی ، اور دونوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی - چند دنوں کے بعد ان حضرات نے حضرت اخون عبدالسلام کو بھی پشاور بلا لیا - اخون عبدالسلام اپنے چھوٹے بھائی ملا عبدالکریم اور اپنی والدہ کے ساتھ پشاور پہنچے ، اور یہ سب کے سب حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے - اپنے بڑے بھائی اور والد کے جانے کے بعد حضرت اخون عبدالسلام اپنی والدہ اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ پشاور میں ٹھیر گئے ، اور تقریباً ڈھائی سال ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کرکے خلافت سے سرفراز ہوئے ، اور دھلی تشریف لائے - اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی - دھلی سے پھر آپ منصب اور خدمت مفتی سے سرفراز ہو کر اپنے وطن کشمیر تشریف لائے ، اور ترقی کرتے کرتے قاضی القضات شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز ہوئے - کشمیر میں چار موضع آپ کو جاگیر میں دیے گئے - آپ اپنے وطن میں ساری عمر رشد و ہدایت میں مشغول رہے - اخون عبدالسلام نے ماہ شوال ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ع) میں وفات پائی ، اور اپنی خانقاہ میں محلہ گوجرواڑہ میں مدفون ہوئے -(۱)

---

۱ - اخون عبدالسلام کے متعلق یہ تمام تفصیل ''تحفۃ السلام''، صفحہ ۵ - ۱۴ - ۱۵ ۱۶ - ۴۸ - ۴۹ سے ماخوذ ہے -

(۱۴)

عبدالرحمان بابا

مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد میں جو عظمت و شہرت و مقبولیت پشتو کے مشہور شاعر و صوفی عبدالرحمان بابا کو حاصل ہے، وہ بہت کم دوسروں کو میسر آسکی - اگر ایک طرف ان کی ذات بحیثیت ایک صوفی کے فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی، تو دوسری طرف وہ حریم قدس کے محرم تھے - ان کے اشعار میں ہمیں آتش عشق کے شرارے اور شراب محبت کی وہ مستی ملتی ہے، جس سے دوسرے شعرا کے میکدے عموماً خالی نظر آتے ہیں - اُن کے سینے میں عشق حقیقی کی وہ آگ ہے کہ جب وہ شعر کے سانچے میں ڈھلتی ہے تو اُن کا قاری اپنے دامن کو اس کی سوزش سے نہیں بچا سکتا - اُن کے اشعار میں بادۂ معرفت کی سرمستی ہے، جس کی آمیزش نے اُن کے شعر کی شراب کو اور بھی تیز کر دیا ہے ان کے الہام شعری کی کیفتیں اتنی گونا گوں، نازک اور لطیف ہیں کہ شرح و بیان اُس کے متحمل نہیں ہوسکتے - اُن کا اصل رنگ تو تصوف اور عشق حقیقی کی ترجمانی ہے، لیکن وہ فنی حیثیت سے بھی کامل‌الفن شاعر تھے - ہمیں جہاں اُن کے کلام میں سنائی اور عطار کی حکمت - شمس تبریز کا گداز، مولانا روم کا فلسفہ ملتا ہے، وہیں ہمیں ان کے کلام میں حسن کی واردات و کیفیات اور وہ سرمستیاں بھی ملتی ہیں جو مجاز سے حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں - وہ اپنی شاعرانہ خصوصیات پر ایک جگہ تبصرہ کرتے ہوتے کہتے ہیں :

جیسے میرے محبوب کی شہرت جہان میں ہے
ویسے ہی اس دور میں میں بھی سر بلند ہوں
میں نے محبوبوں کی (اپنے شعر میں) جو تعریف شروع کی ہے -

اس کی وجہ سے میرا کلام سب کو پسند ہے
میرے کلام میں جو لذت ہے
اس کے مقابلے میں کوئی شکر کو کیا پسند کرے گا
مری زبان جو قند برسا رہی ہے
حلوائیوں کی دکان میں وہ قند کہاں ۔
جس طرح کا میں سخنداں ہوں
اگر اس طرح کا کوئی دوسرا سخنداں ہو تو مجھے بتاؤ
میں بیشۂ سخن کا اگر چہ شیر ہوں
لیکن میں (اپنی شاعری سے) کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا
ہجو اور مدح پر اگر چہ مجھے بڑی قدرت حاصل ہے
لیکن میں دونوں سے خوش نہیں ہوں(۱)

یہی وجہ ہے کہ رحمان بابا کے نغموں سے آج بھی سابق صوبۂ سرحد کی وادیاں گونجتی ہیں ، اُنکی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی ۔

اُن کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے ، اور ناخواندہ طبقہ بھی ایک کیف محسوس کرتا ہے ۔ آج بھی اس علاقے میں عورتیں گھروں میں ، کسان کھیتوں میں ، صوفیہ خانقاہوں میں رحمان بابا کے کلام کو سنتے اور سر دھنتے ہیں ۔

نام ، خاندان ، وطن :

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس قدر پشتو کے اس عظیم المرتبت شاعر کے کلام کو شہرت ومقبولیت حاصل ہے ، اسی قدر اس شاعر کے حالات زندگی پردۂ خفا میں ہیں ۔ ''پختانہ شعرا'' کے مؤلف نے ان کے حالات کی گم شدگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ رحمان بابا ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے ، اس لیے اس شاعر کے ابتدائی حالات کسی نے نہیں

---

۱ ۔ ماخوذ از''دیوان عبدالرحمان بابا''منظوم ترجمہ عبدالرحمان شنواری مطبوعہ پشتو اکیڈیمی ، پشاور ۔ صفحہ ۲۷

لکھے (۱) بہر حال اُن کے جو حالات زندگی ہمیں مل سکے وہ یہ ہیں کہ ان کا اصل نام عبدالرحمان تھا لیکن بابا کے نام سے مشہور ہوئے وہ نسلاً غوری خیل مہمند میں سے تھے - اُن کے والد کا اسم گرامی عبدالستار تھا ، جو بہادر کلی میں رہتے تھے - یہ گاؤں پشاور سے جانب جنوب پانچ میل کے فاصلے پر اُس سڑک پر واقع ھے ، جو کوھاٹ کو جاتی ھے - رحمان بابا کی ولادت ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ع) میں ھوئی - انھوں نے ملا محمد یوسف زئی سے تصوف و فقه کی تعلیم حاصل کی - پھر کوھاٹ تشریف لے گئے اور وھاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی - وہ جوانی ھی سے زھد و ریاضت کی طرف مائل تھے ، اور دنیا اور اھل دنیا سے ابتدا ھی سے بے نیاز تھے -

''پٹه خزانه'' اور راورٹی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ھوتی ھے - ''پٹه خزانه'' میں ھے کہ رحمان بابا نے ملا محمد یوسف زئی سے فقه اور تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی ، اور وہ ایک جلیل القدر عالم تھے - جوانی ھی میں ترک دنیا کرکے کوہ نوردی اور دشت پیمائی میں مصروف ھوگئے تھے -

راورٹی نے لکھا کہ رحمان بابا بہت بڑے عالم تھے ، مگر درویشوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے اور همیشه ذکر اور فکر حق میں مشغول رهتے تھے ، دنیا کے ساتھ اُن کا تعلق بہت کم تھا - (۲)

موسیقی سے لگاؤ :

رحمان بابا کے اکثر تذکرہ نگار اس پر متفق ھیں کہ رحمان بابا کو موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی تھی - رباب کے تاروں پر مطرب کی اُنگلیاں اُن میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں - عموماً اُن پر استغراق کی حالت طاری رھتی تھی - (۳)

---

۱ - ''دیوان عبدالرحمان بابا''- مقدمه مولانا عبدالقادر صفحه - (ث)

۲ - یه دونوں روایتیں مقدمه ''دیوان عبدالرحمان بابا'' صفحه ث و ج سے ماخوذ ھیں -

۳ - ایضاً - صفحه چ -

عجب خاں کی ایک عجیب روایت :

عجب خاں نے اُن کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ بابا کا ایک دوست مجنوں نامی تھا ، جو ہندوستان گیا ، اور وہاں کے مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہؤا - جب وہاں سے فیوض باطنی و برکات حاصل کرکے واپس ہونے لگا تو اُس نے اپنے پیر شاہ شرف قلندر سے اپنے دوست رحمان بابا کے لیے بھی کچھ تحفہ مانگا ۔ شاہ شرف قلندر نے رباب میں بابا کا حصہ مقرر کر کے مجنوں کو رخصت کیا ، مگر اس میں یہ شرط لگائی کہ مجنوں اُس وقت تک رباب کو ہاتھ نہ لگائے ، جب تک کہ وہ رحمان بابا سے نہ مل لے اور رحمان بابا کے سامنے وہ لے بجائے جو شاہ شرف قلندر نے مقرر کی تھی ۔ اُس وقت مجنوں مر جائے گا اور رحمان بابا زندہ رہے گا ۔ چناں چہ مجنوں نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی ، جب وہ رحمان بابا سے ملا اُس نے رحمان باباکو وہ نغمہ سنایا جس کا چلتے وقت اُس کے پیر نے اس کو حکم دیا تھا ۔ نغمہ سناتے ہی مجنوں اسی وقت گر کر مر گیا ، اور رحمان بابا بے ہوش کر گر پڑے ، جب تیسرے روز ہوش میں آئے تو اُن کا آئینۂ قلب نور باطنی سے مجلیٰ ہو چکا تھا ، اور کائنات اُن کے سامنے آئینے کی طرح تھی ۔ عبدالحمید افغانی نے بھی عجب خاں کی اس روایت کی تائید کی ہے ، اور رباب لانے اور ان کے چشتیہ طریقے کا ذکر کیا ہے ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ عجب خاں کی یہ روایت کہاں تک صحیح ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رحمان بابا پر اکثر اوقات استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی ، خشیت الٰہی سے آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے ، اور کثرت گریہ کے باعث ان کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو لکیریں پڑ گئی تھیں ، خود اُنھوں نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے :

تیرے غم کی وجہ سے میرے چہرے پر نہریں ہیں
ذرا حال تو پوچھ کہ یہ کیوں ہیں ؟ (۱)

---

۱ - یہ تمام تفصیل مقدمہ ''دیوان عبدالرحمان'' بابا ۔ مرتبۂ مولانا عبدالقادر ۔ صفحہ (چ) بحوالۂ عجب خاں ماخوذ ہے ۔

علماء کا فتویٰ :

راورٹی اور افغانی دونوں کا بیان ہے کہ عشق الٰہی میں یہ استغراق اُن کو فنا اور حیرت کے اُس مقام پر لے آیا تھا کہ نماز با جماعت اُن سے ترک ہونے لگی تھی اور تن تنہا ایک حجرے میں پڑے رہتے تھے - علماء نے ان کے اس حال کو دیکھ کر اُن پر کفر کا فتویٰ لگایا - رحمان بابا نے شریعت کے احکام کے سامنے اپنی گردن جھکا دی ، اور علماء سے وعدہ کیا میں آئندہ تمام امور میں احکامِ شرعیہ کی پابندی کروں گا ، اس طرح یہ قضیہ ختم ہؤا -

رحمان بابا کا دیوان :

رحمان بابا کا دیوان کس نے مرتب کیا اور کس طرح مرتب ہؤا ، یہ مسئلہ آج تک ان کے تذکرہ نگاروں میں مابہ النزاع بنا ہؤا ہے -

پروفیسر عبدالحمید افغانی کا بیان ہے کہ عالم استغراق سے عالم ہوش میں آنے کے بعد بھی رحمان بابا اس قابل نہ تھے کہ وہ اپنا دیوان مرتب کرتے - اُن کے دوستوں نے ان کے اشعار کو جمع کرکے دیوان کی صورت دی ، اور ان کی وفات کے بعد یہ دیوان جمع ہؤا - بہت سے اشعار ضائع ہوگئے ، اسی وجہ سے آج بھی اُن کےدیوان میں اختلاف پایا جاتا ہے ، اور اس طرح بھی بہت سی غزلیں جو موجودہ دیوان میں موجود نہیں سابق صوبۂ سرحد کے علاقوں میں گائی جاتی ہیں -

راورٹی نے ان کے دیوان کے متعلق اپنے ایک اور ہی خیال کا اظہار کیا ہے - وہ لکھتا ہے کہ رحمان بابا کی عادت تھی کہ جب وہ اشعار کہتے تو کبھی کبھی اُن کی نقل اپنے دوستوں کو بھیج دیتے - ان کے دوست اُن کے بھیجے ہوئے کلام کو محفوظ کر لیتے - خود اُن کے دوستوں کو آپس میں یہ علم نہ تھا کہ کس کے پاس کتنا کلام ہے ، اور ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ وہ رحمان بابا کی وفات کے بعد ان کے اشعار کا مجموعہ خود مرتب کرے گا - چناں چہ اُن کے دوستوں نے ایسا ہی کیا ، اور بعض نادان دوستوں نے تو رحمان بابا کے ساتھ یہ ظلم کیا کہ ان کے دیوان میں اپنے اشعار کا الحاق کر کے مقطع میں رحمان بابا کا تخلص

ڈال دیا تاکہ اس طرح اُن کا مجموعہ ضخامت اور کثرت کلام میں دوسروں سے بڑھ جائے ۔ اس کا نتیجہ یہ ھؤا کہ اُن کے دیوان کے دو دفتر ھو گئے لیکن اُس وقت لوگ ایسے بھی تھے ، جنھیں رحمان بابا کے کلام کا بڑا حصہ یاد تھا ، اُنھوں نے اپنی یاداشت کی بنا پر تمام الحاقی اشعار کو نکال دیا ۔

''پختانۂ شعرا'' میں بعض مؤرخین کی سند سے یہ بات کہی گئی ھے کہ رحمان بابا نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان مرتب کر لیا تھا ۔

عبدالحئی حبیبی بھی اس خیال سے متفق ھیں کہ رحمان بابا نے اپنا کلام اپنی زندگی میں جمع و مرتب کر لیا تھا ، لیکن اُن کی رائے میں اُن کا یہ موجودہ دیوان نامکمل ھے ، کیوں کہ بعض گویے ان کا جو کلام گاتے ھیں ، وہ ان کے دیوان میں موجود نہیں رھا ۔ یہ امر کہ رحمان نے اپنے اس کلام کے حصے کو کیوں چھوڑ دیا اس کی کوئی وجہ نہیں ملتی ۔

مولانا عبدالقادر ڈائرکٹر پشتو اکیڈیمی پشاور نے مقدمۂ ''دیوان عبدالرحمان بابا'' میں ان تمام آراء پر محاکمہ کرتے ھوئے لکھا کہ میرا قیاس یہ ھے کہ عالم استغراق و سر مستی کا کلام اُن کے دوستوں نے جمع کیا تھا ، لیکن جب وہ کیفیت باق نہ رھی اور عالم ھوش کی طرف آئے تو ممکن ھے انھیں اپنا کلام جمع کرنے کا خیال پیدا ھؤا ھو ، اور انھوں نے اپنے حافظے کی مدد سے اپنا کلام جمع کیا ھو ، اور جمع کرتے وقت بعض غزلیں حافظے سے نکل گئی ھوں ، اور یہی وہ غزلیں ھوں جو دیوان میں موجود نہیں اور لوگوں کی زبان پر ھیں ۔ (۱)

رحمان اور خوشحال خان خٹک :

رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک دونوں پشتو شاعری کے آسمان کے آفتاب و ماھتاب ھیں ، دونوں نے اپنی دل آویز شاعری سے اس کے دامن کو مرصع و زرنگار بنایا ۔ دونوں کی شاعری ان کی قومی و ملکی خصوصیات ،

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل مقدمۂ دیوان عبدالرحمان بابا ۔ صفحہ خ تا ڈ سے ماخوذ ھے ۔

ان کے جذبات و میلانات اور مقامی حالات کی مظہر ہے - دونوں کے کلام میں بادۂ معرفت کے پیمانے بھی ملتے ہیں ، اور تصوف و عرفان کے میخانے بھی - دونوں کے اشعار میں حسن و عشق کی واردات کی مصوری بھی ہے اور سوز و گداز کی چنگاریاں بھی - دونوں کی نظموں میں عوام کے قلوب کی ترجمانی بھی ہے ، اور حسن اخلاق اور پاکیزگی کردار کی دعوت بھی- دونوں کے اشعار مجموعی حیثیت سے سحر آفرینی کا ایک شاہکار ہیں کہ جن سے ایک قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں عظیم المرتبت شاعر ایک ہی وقت میں تھے اور ان دونوں کے آپس میں مقابلے بھی ہوئے تھے -

''پختانہ شعرا'' میں عبدالحئی حبیبی نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ رحمان بابا نے عنفوان شباب میں ایک بار خوشحال خاں سے اکوڑے میں ملاقات بھی کی تھی ، اور ان دونوں شاعروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا -

ان دونوں کی باہمی ملاقات کے متعلق تو کچھ نہیں کہا جا سکتا ، البتہ یہ ایک حقیقت کہ دونوں ہم عصر تھے-

راورٹی نے ان دونوں کی ہم عصری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمان مشہور جنگ جو اور نامور شاعر خوش حال خان خٹک کے ہم عصر تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو تین بار اُن کے درمیان مشاعرے اور مناظرے بھی ہوئے تھے - بے شک خوش حال خاں خٹک کی زندگی کے آخری دنوں میں رحمان جوان تھا ، لیکن اُس زمانے میں وہ نو خیز تھا ، ہاں یہ صحیح معنٰی میں خوش حال خان خٹک کے پوتے افضل خاں کا ہم عصر تھا - افضل خاں مشہور اور تاریخی کتاب ''تاریخ مرصع'' کا مؤلف تھا - اس کے علاوہ اس نے اور بھی کئی کتابیں لکھی تھیں - پھر آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مشاعرے اور مناظرے نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رحمان ایک درویش اور گوشہ نشین انسان تھا - اس کی حیثیت معمولی تھی اور خوش حال خاں ایک قبیلے کا سردار تھا ، اس لیے ان دونوں کے درمیان

کسی مشاعرے اور بیت بازی اور مناظرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔
پروفیسر عبدالحمید افغانی نے ان دونوں کی ہم عصری اور ہم عمری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبدالرحمان اور خوش حال خان خٹک کا زمانہ ایک تھا ، اور ان کے آپس میں مقابلے بھی ہوئے تھے ، مگر یہ غلط ہے ۔ عبدالرحمان کی شاعری اور اس کے استغراق کا شباب ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) میں تھا ، جب کہ علماء نے اُس پر تکفیر کا فتویٰ لگایا تھا ، خوش حال خان اُس سے بہت پہلے ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ع) میں قبر میں جا چکا تھا ، لیکن یہ ممکن ہے کہ عبدالرحمان نے خوش حال خان کو دیکھا ہو ، کیوں کہ خوش حال خان کوئی معمولی آدمی نہ تھا (۱)

رحمان بابا کی شاعرانہ عظمت :

رحمان کی شاعرانہ عظمت اُن کی ساری قوم میں مسلم ہے ۔ ان کی شاعری یوں تو رنگ برنگ کے سدا بہار پھولوں کا حسین اور خوش رنگ گل دستہ ہے ، لیکن ان کی شاعری کا موضوع خاص تصوف ہے ۔ ان کے فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بے حد حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے ، انھوں نے اپنے جمال شعری کو تصوف سے نکھارا اور سنوارا ہے ، وہ حسنِ حقیقی کے متلاشی ہیں ، اور ان کے پردۂ مجاز میں بھی حسن حقیقی صاف جھلکتا ہؤا دکھائی دیتا ہے ۔ گداز عشق اور سوز و غم نے ان کے تغزل کی مئے کو مے دو آتشہ بنا دیا ہے ۔ رحمان بابا کا کلام اگرچہ پشتو میں ہے مگر ہم ان کے چند اشعار کا ترجمہ یہاں پیش کرتے ہیں :

جس نے اپنا مقصود خدا کو ٹھہرا لیا
حقیقت میں اس کا ہر کام عبادت ہے(۲)

---

۱ ۔ ماخوذ از مقدمہ ''دیوان عبدالرحمان بابا'' ۔ صفحہ ژ
۲ ۔ ''دیوان عبدالرحمان بابا'' ترجمہ امیر حمزہ شنواری ۔ صفحہ ۲۷ ۔
یہ ترجمہ میں نے امیر حمزہ شنواری کے ترجمے سے اخذ کر کے نثر میں لکھا ہے ، ورنہ ان کا ترجمہ نظم میں ہے ۔

اے خدا اُسے ہر گز مایوس نہ کیجیے
جس کو جہان میں تیرے کرم کا آسرا ہو (۱)

ملک رضا میں غم کا وجود ہی نہیں ہے
اس لیے کہ عشق کا غم تو عاشقوں کی خوشی ہے (۲)
اُسے اور کچھ نہیں چاہیے دلبر ! رحمان تو صرف تمہارا طالب ہے
یہ میری مرضی ہے ، باقی جو تمہاری مرضی ہو (۳)

جو کوئی عاشقی کرے خواہ وہ واقعتاً افلاطون ہی کیوں نہ ہو
میں تو اسے مجنوں ہی سمجھتا ہوں (یہ اور بات ہے) کہ وہ
آج مجنوں ہو جائے یا کل (۴)

جیسے میرا یار سربلند ہے اُسی کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں
اس کے عشق کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں
جس طرح عالم میں اس کی شہرت ہے
ویسے ہی اس دور میں میں بھی سربلند ہوں
میں نے خوباں کی مدح کا آغاز کیا ہے
(اسی لیے) میرا کلام سب کو پسند ہے
میرے کلام میں جو شیرینی ہے
اس کے مقابلے میں کون شکر کو پسند کرے گا
جس قسم کا میں سخن داں ہوں

---

۱ - دیوان عبدالرحمان بابا - صفحہ ۲۷۲ -
۲ - ایضاً - صفحہ ۳۷۶ -
۳ - مقدمہ ''دیوان'' عبدالرحمان بابا - صفحہ (غ)
۴ - ایضاً - صفحہ ع

اگر دوسرے ہوں تو مجھے بھی بتا دو (۱)

جسے دنیا میں محبت کا کاروبار پسند ہو
اُسی کے قتل کے لیے ہجر کے خنجر بنائے جاتے ہیں (۲)

تیرے جمال کی مدح سے یہ فیض حاصل ہؤا ہے
کہ رحمان کے اشعار کی تعریف سے عالم گونج اٹھا ہے(۳)

اردو شاعری :

اُردو زبان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ پاک و ہند کے صوفیائے کرام نے اور دوسری زبان کے شعرائے کرام نے اس زبان میں اظہار خیال کر کے اردو کو حسن قبول کی سند عطا فرمائی ۔ رحمان بابا اردو کے ان محسنین میں ہیں ، جن پر تاریخ ادب اردو کو ہمیشہ فخر رہے گا ۔ ہم ان کے بعض اشعار جو انھوں نے اردو میں کہے ہیں ذیل میں نقل کرتے ہیں :

بوصل تو مارا کجا ھات ہے
کہ وصل تو خیلے بڑی بات ہے
بکوئے تو گفتم کہ مسکن کنم
ولے کے مرا ایں دراجات ہے
خم زلف تو گوشۂ ابرواں
دلم را عجائب مقامات ہے
ھمیں دادی دشنام و گالی مرا
بسویم ھمیں از تو سوغات ہے
نگا هم نہ امروز خونم بریخت
کہ دائم ترا ھمچو عادات ہے

---

۱ ۔ دیوان عبدالرحمان بابا ۔ صفحہ ۲۷
۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۳۳۲
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۲۷

ز آغوش رحمان مرو با رقیب
که ایں سفله بد خوئی و بد ذات هے (۱)

دیوان :

رحمان کا مجموعۂ کلام منظوم اردو ترجمے کے ساتھ دیوان عبدالرحمان کے نام سے پشتو اکیڈیمی یونیورسٹی آف پشاور نے دونوں زبانوں پشتو اور اردو میں شائع کرکے پشتو اور اردو زبان پراحسان عظیم کیا ہے ۔ اردو منظوم ترجمہ پشتو کے مشہور شاعر امیر حمزہ شنواری نے کیا ہے ۔ اس دیوان کی ضخامت ۲۸۵ صفحات ہے ، دیوان کے ابتدا میں پشتو کے مشہور عالم مولانا عبدالقادر ڈائرکٹر پشتو اکیڈیمی ، پشاور کا ایک پر مغز ، بسیط اور پر از معلومات مقدمہ بھی شامل ہے ۔

وفات :

رحمان بابا نے ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ع) وفات پائی ۔ پشاور میں آج بھی اس عظیم المرتبت صوفی اور شاعر کا مزار مرجع خاص و عام ہے ۔

اولاد :

اُن کی اولاد کے سلسلے میں راورٹی نے لکھا کہ :

رحمان بابا کی بیٹی کے رشتے سے نواسے اور نواسیاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں آج بھی موجود ہیں ، جسے ''بہادرکلی'' کہتے ۔ ہیں یہ گاؤں مہمندوں کے علاقے میں ہے لیکن ان کے اکلوتے بیٹے کی اولاد بالکل معدوم ہے ۔

مولانا عبدالقادر نے اپنے مقدمے میں رحمان کے سوانحی مواد کی کمی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ مشہور ہے کہ بہادر کلی میں رحمان بابا کے خاندان کے بعض افراد کے پاس کافی معلومات ہیں ، کیا اچھا ہوتا اگر وہ ان معلومات سے باقی دنیا کو بھی آگاہ کر دیتے ۔

مولانا نے جب یہ مقدمہ لکھا وہ اُس وقت لاہور میں تھے ، یہ ۱۹۴۸ع کی بات ہے ۔

---

۱ - ''دیوان عبدالرحمان بابا'' صفحہ ۲۷۷

آج اپریل ۱۹٦۴ میں بھی جب کہ میں ان سطور کو لکھ رہا ہوں مجھے بھی شدت سے اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے مجھے افسوس ہے ۔ کہ میں مواد کی کمی کی وجہ سے اس جلیل القدر شاعر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس قدر اُجاگر نہ کر سکا ، جس قدر چاہیے تھا ۔ اب جب کہ مولانا پشاور میں تشریف فرما ہیں اور پشتو اکیڈیمی جیسے علمی ادارے کے ڈائرکٹر بھی تو میری اُن سے یہ گذارش بے جا نہ ہو گی اگر وہ پشتو اکیڈیمی کی طرف سے اس عظیم اور بلند مرتبت شاعر اور اہل دل کی ایک تحقیقی اور جامع سوانح مرتب کرنے کی سعی فرمائیں تو علمی دنیا پر ان کا یہ احسان عظیم ہو گا ۔

(۱۵)

شیخ المشائخ حضرت بڑیسی بابا

نام و نسب :

نام تو اله داد تھا ، مگر لوگوں میں آپ مشہور بڑیسی بابا کے نام سے ہوئے ، بڑیس (بڑیچ) پٹھانوں کا ایک مشہور قبیله ہے جس کا سلسلۂ نصب پٹھانوں کے جد اعلی قیس عبدالرشید (۱) سے جا ملتا ہے ۔ صاحب ''تاریخ افغانی'' نے ان کا یه شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے ۔
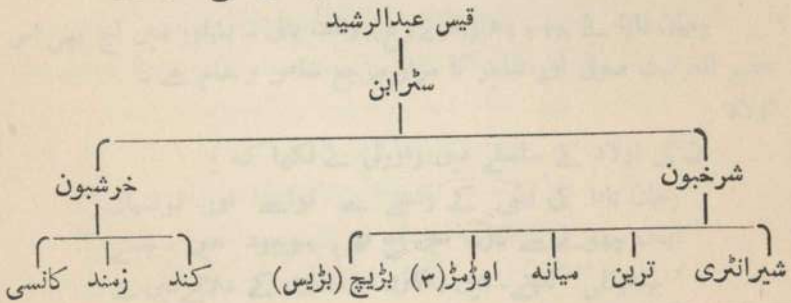
۱ - ''تاریخ افغانان'' حصه دوم میں ہے که حضرت عبدالرشید ملقب به لقب پٹھان کو جو افغان بن ارمیه سے چونتیسویں واسطے پر اور ملک طالوت سے سینتیویں واسطے پر ، اور حضرت یعقوب علی نبینا و علیه السلام سے بیالیسویں واسطے پر اور حضرت ابراهیم خلیل الله سے پینتالیسویں واسطے پر اور حضرت آدم صفی الله سے تریسٹھویں واسطے پر تھے ، تین فرزند عطا فرمائے ، جن کے نام سرینی ، بتینی اور گھرگھت

(باقی حاشیه صفحه ۴۳۷ پر)

اسی قبیلے کی نسبت کی وجه سے آپ عوام میں بڑیسی بابا کے نام سے مشہور ہوئے ۔ خرشبون کی اولاد آگے چل کر دو بڑے قبیلوں میں منقسم ہوگئی ، ان میں سے ایک شاخ مندنڑ ۔ دوسری شاخ یوسف زئی کہلانے لگی ۔ حضرت بڑیسی بابا کے جد اعلیٰ کا نسباً تعلق تو بڑیس قبیلے سے تھا ، مگر وہ مندنڑ قبیلے میں سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔

بڑیسی بابا کے والد کا اسم گرامی میرحسن خاں(۱) (میاں حسن) تھا ، لیکن وہ مشہور ''اوگد بابا'' کے نام سے تھے ۔

(صفحه ۴۳۶ کا بقیه حاشیه)

تھے ۔ ہر ایک کے اولاد ہوئی ، اور بڑھتی بڑھتی به موجب تحریر مورخین تین سو پچانوے قومیں بنیں ۔

(''تاریخ افاغنه'' حصه دوم ۔ مرتبۂ کارخانه اخبار وطن ، مطبوعه حمیدیه پریس ، لاہور ۔ صفحه ۵۷ - ۵۸) ۔

۲ ۔ ''تاریخ افاغنه'' کے ایک فٹ نوٹ میں ہے که شرخبون شرف دین کا بگڑا ہؤا ہے ، اور خرشبون خیرالدین کا بگڑا ہؤا ہے ۔ (فٹ نوٹ ''تاریخ افاغنه'' حصه دوم ۔ صفحه ۵۸ نمبر ۱) ۔

۳ ۔ اوڑمڑ : وه قبیله ہے جس سے سابق صوبۂ سرحد کی مشہور شخصیت پیر روشان کا تعلق ہے ۔

---

۱ ۔ میر حسن خاں (میاں حسن خاں) کا مزار تحصیل صوابی ضلع مردان کے موضع شاه منصور کے عام قبرستان سے ذرا ہٹ کر شمالی جانب ایک چشمے کے کنارے واقع ہے ۔ مزار خاصا لمبا ہے ، اس لیے مقامی زبان میں اوگد بابا کے نام سے مشہور ہے ۔ بعض لوگوں نے میر حسن خاں (میاں حسن) اور اسی قبرستان کے مدفون ایک اور بزرگ حسین کو مغالطے سے ایک ہی شخص تصور کیا ہے ، حالانکه حسین

(باقی حاشیه صفحه ۴۳۸ پر)

حضرت بڑیسی بابا کا سلسلۂ نسب تحصیل صوابی کے قبیلہ مندنڑ کے بزرگ سید جنگی بڑیس (بڑیچ) سے پانچویں پشت بہ طریق ذیل جا ملتا ھے
اله داد معروف به بڑیسی بابا بن میر حسن خاں (میاں حسن)
بن عبدالرحمان بن سید بن سید جنگی بڑیچ ۔
حضرت سید جنگی بڑیچ کے تین صاحب زادے تھے ، احمد ، مدد ، اور سیدو ۔ یہ تینوں صاحب زادے زھد و ورع ، تقویٰ و تقدس میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ، سید جنگی کی وفات کے بعد اُن کے چھوٹے صاحب زادے سیدو نے ان کی مسند سجادگی کو زینت بخشی ، اور تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں مصروف ھوگئے ۔ رشد و ھدایت کا یہ سلسلہ پشت بہ پشت منتقل ھوتا ھؤا حضرت بڑیسی بابا تک پہنچا ۔

ولادت :

تحصیل صوابی کا موضع شاہ منصور(۱) وہ مبارک موضع ھے جو ھر دور میں اھل اللہ اور صاحب حال بزرگوں کا مرکز رھا ھے ۔ اسی موضع

(صفحہ ۴۴۷ کا بقیہ حاشیہ)

دوسرے شخص ھیں ، جن کا تعلق قبیلۂ خدو خیل سے ھے ، اور زمانے کے لحاظ سے بھی ان دونوں میں بڑا فرق ھے ، اور ان کا مزار شاہ منصور کی پہاڑی کے عقب میں صوابی جہانگیرہ روڈ پر سڑک کے جانب جنوب میں ''شینتا پور'' نامی مقام میں واقع ھے ، جو مقامی مناسبت سے ''شینتا پور بابا'' کے نام سے مشہور ھے ، اور بڑیسی بابا کے والد میر حسن خاں (میاں حسن) کا مزار چشمے کے کنارے واقع ھے ۔ شاہ منصور میں عیدین کا میلہ آپ ھی کے مزار کے متصل لگتا ھے ۔

۱ ۔ شاہ منصور کا موضع پٹھانوں کے مشہور ملک شاہ منصور کے نام سے موسوم ھے ۔ یہ وھی بزرگ ھیں جن کی صاحب زادی مبارکہ بی‌بی کی شادی ھندوستان کے بادشاہ ظھیرالدین بابر سے ھوئی تھی ۔ ''تاریخ پشتون'' قاضی عطا اللہ جان)

میں حضرت بڑیسی بابا کی ولادت با سعادت ہوئی ۔ تصوف و عرفان کے اسی گہوارے میں حضرت بڑیسی بابا کا بچپن گزرا ، اور اسی سرزمین عرفان بزرگی و ولایت کا یہ ہلال ماہتاب بن کر درخشاں ہؤا ۔

تعلیم :

''بڑیس نامہ'' میں ہے کہ حضرت بڑیس بابا نے بالکل نو عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی تھی۔ اس گوہر ولایت کی آب و تاب کو جن بزرگوں نے جلا بخشی ، ان میں آپ کے والد میاں حسن کا نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ۔

بیعت :

تحصیل علم کے بعد آپ نے اپنے والد کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر سلوک و عرفان کے منازل طے کیے ، آخر میں آپ کو آپ کے والد نے اپنی زندگی ہی میں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا ۔

سیری کی پیش کش :

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ دولت خیل اور خد و خیل کا ایک جرگہ آپ کے والد حضرت میاں حسن (میر حسن بابا) کی خدمت میں حاضر ہؤا ، اور اُنھوں نے کہا کہ انبار اور باغ بانڈ کی زمینات کی مستقل تقسیم اراضی اُن کے درمیان کر دی جائے ، اور جس طرح آپ تقسیم فرما دیں گے وہ فیصلہ دونوں فریقین کے لیے قابل قبول ہوگا ۔ آپ نے یہ تنازعہ اپنے صاحب زادے حضرت بڑیسی بابا کے سپرد فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم اس کا فیصلہ کرو ۔ حضرت بڑیسی بابا نے نہایت عدل و انصاف اور حسن اخلاق کے ساتھ اس تنازعہ کا ایسا فیصلہ فرمایا کہ دونوں فریقین خوش ہوگئے ، اور خوش ہوکر ان دونوں قبائل نے اس صلے میں انبار میں آپ کو سیری(۱) کی پیش کش کی ۔

---

۱ - ''سیری'' خاص پشتو کی اصطلاح ہے ، جو اس قطعۂ اراضی کو کہتے ہیں ، جو کسی بزرگ شخص کو تحفةً کسی قبیلے کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۴۰ پر)

انبار میں سکونت :

حضرت بڑیسی بابا اپنے والد کی وفات کے بعد شاہ منصور سے منتقل ہو کر انبار میں ایک پہاڑ کے دامن میں سکونت پذیر ہوگئے ۔ وہ مکان جس میں آپ رہتے تھے اب تک موجود ہے ۔

رشد و ہدایت :

انبار میں تشریف لانے کے بعد آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لیے حاضر ہوتے ، طالبان حق کا ایک جم غفیر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا ، اور آپ کا سارا وقت ارشاد و تلقین ، اعلاء کلمۃ الحق میں صرف ہوتا ۔ اس سرچشمۂ علم و ہدایت سے سینکڑوں طالبان علم و معرفت فیض یاب ہوئے (۱) ۔

وفات :

حضرت بڑیسی بابا نے ۸۷ سال کی عمر میں عہد شاہ عالم ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ع) تا ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ع) میں موضع انبار میں وفات پائی ۔

مزار :

آپ کا مزار موضع انبار کے وسط میں زیارت گاہ خلائق ہے ۔

اولاد :

آپ کے پانچ صاحب زادے تھے ، جن میں سے تین کی اولاد کا سلسلہ چلا ۔ آپ کے بڑے صاحب زادے خان زادہ بابا کا مزار ، حضرت بڑیسی بابا کے مزار کے پہلو میں بہ جانب مغرب واقع ہے ، آپ کے مزار مبارک سے

(صفحہ ۴۳۹ کا بقیہ حاشیہ)

جانب سے پیش کی جاتی تھی ۔ انگریزی حکومت سے قبل تک پٹھانوں میں سیری کا طریقہ رائج تھا ، کیوں کہ اُس وقت تک زمینات بجائے فرد کے قبیلے کی ملکیت متصور ہوتی تھیں ۔ (مؤلف)

۲ ۔ یہ تمام تفصیلات ''بڑیس نامہ'' سے ماخوذ ہیں ۔

ملحقہ زمین پر آج کل ایک دینی درس گاہ کی تعمیر کے لیے کوشش کی جا رہی ہے ۔

خلفا :

آپ کے خلفا میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ، اُن میں فقیر صاڈو ڈیر اور خان خاناں موضع ھنڈ خاص طور پر قابل ذکر ھیں ۔

(۱٦)

حضرت یحیٰ صاحب معروف به حضرت جی

نام و نسب :

سابق صوبهٔ سرحد کے اهل نظر کے مشام جاں کو جن بزرگوں کی روحانی خوشبو نے مہکایا ، ان میں حضرت شیخ یحیٰ معروف به "حضرت جی" بھی هیں - ان کا نام شیخ یحیٰ ، کنیت شیخ ابواسماعیل یحیٰ اور لقب سرالاعظم تھا - ان کے والد کا اسم گرامی پیر داد تھا ، وہ نسباً چغتائی (مغل) تھے ، آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ ماوراء النهر سے یہاں تشریف لائے تھے -

حالات :

گلشن ولایت کے اس گل سر سبد نے علوم ظاهری کی تکمیل کہاں تک کی ، ان کے جوهر قابل کو کن بزرگوں نے نکھارا اور سنوارا ، افسوس هے که آپ کی ابتدائی زندگی کی تفصیلات همیں کہیں نہیں مل سکیں ، صرف اتنا پتا چلتا هے که وہ ۱۰۴۱ھ (۱٦۳۱ع) میں پیدا هوئے - انهوں نے سلسلۂ نقشبندیه مجددیه (۱) کے مشهور بزرگ حضرت سعدی لاهوری کے دست پر بیعت هو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا - شیخ سعدی لاهوری کی نظر میں جو اس سعادت مند مرید کی عظمت تھی ، اس کا اندازہ اس سے

---

۱ - سلسلۂ نقشبندیه کو اکبر کے عهد حکومت میں حضرت خواجه باقی بالله نے هندوستان میں قائم کیا - ان کے مرید و خلیفه حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے کو مقبول عام بنایا اور ان کے خلفاء نے اس سلسلے کے اثرات کو دور دور تک پھیلایا - بعد میں یه سلسله مجددیه نقشبندیه کے نام سے مشهور هوگیا - ("ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت" - صفحه ۱۳۴)

ہوتا ہے کہ جب ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۳ع) میں حضرت سعدی لاہوری پشاور تشریف لائے تو اس گوہر ولایت کی عظمت و جلالت کو اپنے مریدین پر واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اب شیخ یحیٰ سے اکتساب فیض کریں۔

شیخ عمر چمکنی اپنی کتاب ''توضیح المعانی'' کے دیباچے میں ان کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قطب ہفت اقلیم شیخ رہنما
شیخ یحیٰ بندۂ خاص خدا
مخزن لطف و عنایات خدا
غوث اعظم خواجۂ ہر دوسرا

سید شاہ محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری جو عظیم المرتبت صوفیہ میں تھے، وہ نہایت حسن عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ وہ اپنے ایک رسالے میں آپ کی عظمت و جلالت شان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت یحیٰ جیو صاحب کہ از افراد زمانہ بودند	حضرت شیخ یحیٰ جی افراد زمانہ میں سے ایک فرد تھے۔

اخلاق:

آپ کے آئینۂ اخلاق میں تواضع، انکسار، فیاضی، اتقا و تقدس، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔

عبادت و ریاضت:

حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کا بیان ہے کہ آپ کا تمام وقت یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ شغل حق کے سوا آپ کو اتنی فرصت نہ تھی کہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ کی محفل اس قدر پر وقار ہوتی تھی کہ کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی جرآت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جو بھی شریک مجلس ہوتا وہ جب تک مجلس میں بیٹھتا خدا کی طرف متوجہ رہتا۔ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے، تکیہ سرہانے نہ رکھتے تھے۔

مرشد کی عقیدت :

اپنے مرشد شیخ سعدی لاہوری سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ فرط ادب سے اٹک سے لاہور تک پیدل جاتے اور یہ سفر پیدل ۱۴ دن میں طے کرتے تھے ۔

رشد و ہدایت :

حضرت جی کی ذات گرامی زہد و ورع ، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ ہندوستان، سرحد، پنجاب اور سندھ سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے ، اخلاق اور تزکیۂ نفس کی تعلیم حاصل کرنے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے ۔ نہ صرف عوام بلکہ اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے ۔

وفات :

حضرت جی ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کا مزار پر انوار موضع اٹک ضلع کیمبل پور میں دریائے اٹک کے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

اولاد :

تذکروں میں آپ کے دو صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں ، جن میں سے ایک صاحبزادے کا نام شیخ اسماعیل اور دوسرے صاحبزادے کا نام خواجہ محمد عیسیٰ تھا ۔

خلفاء :

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ، لیکن جن خلفاء نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ان میں حضرت سید شاہ محمد غوث لاہوری اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی مشہور ہیں ۔ (۱)

---

۱ - حضرت یحییٰ معروف بہ حضرت جی کے یہ تمام حالات تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد ۔ صفحہ ۶۴ تا ۶۷ سے ماخوذ ہیں ۔

(۱۷)

حضرت میر محمد تقی نوشاهی پشاوری

حالات :

حضرت میر محمد تقی نوشاهی شاهی منصبداروں میں تھے - جب شیخ برخودار هرل متوفیٰ از ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۸ع) خلیفۂ حضرت شیخ عبدالرحمٰن پاک صاحب نوشاهی(۱) بھڑیواله ، متوفیٰ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) بطور سیر و سیاحت پشاور تشریف لے گئے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ھوئے- پہلی ھی ملاقات نے ان کے دل کی دنیا بدل دی - اس مرد حق آگاہ کو دیکھ کر خاندان نوشاهیه کی عقیدت و محبت کا نقش اس طرح اُبھرا که آپ پا پیاده ساهن پال ضلع گجرات پہنچے ، اور وهاں کے مشہور سلسلۂ نوشاهیه کے

---

۱ - شیخ عبدالرحمٰن مشہور به پاک رحمان نوشاهی ، حضرت حاجی محمد شاہ کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے - ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے - حضرت حاجی محمد شاہ کی جو مہربانیاں ان کے حال پر تھیں ، وہ کسی دوسرے خلیفه پر نه تھیں ، یہاں تک که حاجی محمد شاہ اپنے مریدوں کو تربیت کے لیے ان کے سپرد فرماتے تھے - حضرت حاجی محمد شاہ کی وفات کے بعد بہت سے مریدوں نے حضرت شیخ عبدالرحمٰن سے سلوک کی تکمیل کی ، بلکه حافظ برخودار کے صاحبزادوں نے جو حضرت حاجی محمد شاہ کے نواسے تھے انھوں نے بھی سلوک کی تعلیم و تربیت کی تکمیل حضرت شیخ عبدالرحمٰن سے کی تھی -
حضرت شیخ عبدالرحمٰن نے ۱۱۵۳ھ(۱۷۴۰ع) میں وفات پائی- آپ کا مزار پر انوار موضع بھڑیواله میں مرجع خاص و عام ھے -
(ماخوذ از ''خزینة الاصفیاء'' جلد اول - صفحه ۲۰۳)

ممتاز شیخ طریقت حضرت سید شاہ عصمت اللہ(۱) حمزہ پہلوان نوشاہی متوفی ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ع) کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف و سلوک

---

۱ - شیخ عصمت‌اللہ نوشاہی ، حافظ برخوردار کے پانچویں صاحبزادے تھے - نہایت بزرگ ، عالم باعمل صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے - انھوں نے علوم کی تحصیل حافظ محمد تقی سے کی تھی - تکمیل علم کے بعد وہ موضع بھیلوال میں شیخ رحیم داد فرزند شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور ان سے فیوض باطنی حاصل کیے - پھر شیخ پیر محمد سچیار ، شاہ محمد اور حضرت حاجی محمد نوشاہ کے دوسرے خلفاء کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کہیں بھی سکون خاطر حاصل نہ ہؤا - آخر حضرت شیخ عبدالرحمٰن مشہور بہ پاک رحمان نوشاہی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی تکمیل کی اور صاحب حال و قال ہوئے - جب ان کی شہرت کا آوازہ اقصائے عالم میں پہنچا تو شاہ محمد غوث پسر سید حسن پشاوری آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے -

شیخ عصمت‌اللہ نے ۱۲ رجب ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ع) کو نماز کی حالت میں وفات پائی ، آپ نے تین صاحبزادے چھوڑے ۱- شیر محمد ۲- شیخ گل محمد ۳- محمد عظیم - آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیر محمد نے مسند سجادگی کو زینت بخشی - حضرت شیخ عصمت اللہ کے خلفاء میں شاہ محمد غوث ، شیخ محمد عظیم ، شیخ سلطان محمد اور شیخ عبدالجلیل نے غیر معمولی شہرت حاصل کی -

(ماخوذ از ''خزینۃ الاصفیاء'' جلد اول - صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷)

سید شرافت نوشاہی نے اپنی تالیف ''اذکار نوشاہیہ'' میں لکھا ھے کہ اس وقت حضرت سید عصمت اللہ پہلوان کی اولاد میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۴۷ پر)

کے مختلف منازل طے کیے ۔ ابتداً آپ پر جذب و سر مستی کی کیفیت طاری هوئی ۔ آپ کے شیخ نے آپ کو رخصت کیا تو آپ گجرات تک جا کر پھر ساهن پال تشریف لے آئے ، اور اپنے شیخ سے عرض کیا که میں هر چند اپنے وطن جانا چاهتا هوں ، مگر میرا قدم آگے نہیں بڑهتا ۔ پھر میر محمد تقی چند روز اپنے شیخ کی خدمت میں رهے ، اور ریاضتوں اور مجاهدوں کے بعد خلافت سے سرفراز هو کر اپنے وطن پشاور تشریف لائے اور رشد و هدایت میں مشغول هو گئے ۔

حضرت میر محمد تقی نوشاهی نے ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ع) کے لگ بھگ وفات پائی ۔ آپ کا شمار خاندان نوشاهیه کے اکابر مشائخ میں هوتا هے ۔ آپ کا مزار پشاور میں زیارت گاه خاص و عام هے ۔

(صفحه ۴۴۶ کا بقیه حاشیه)

سید محمد شریف بمقام ڈهل متصل سرائے عالمگیر ان کے سجاده نشین هیں ، جن کا سلسلۂ نسب یه هے :

سید محمد شریف بن سید پیر محمد عالم بن سید پیر محمد مجذوب سید شمس الدین بن سید الله دته بن سید فتح الدین بن سید محمد عظیم بن سید شاه عصمت الله حمزه پهلوان ۔

(''ماخوذ از اذکار نوشاهیه'' ۔ تالیف سید شرافت نوشاهی صفحه ۔ ۹۴)

۳ ۔ ماخوذ از ''شریف التواریخ'' جلد سوم تالیف سید شرافت نوشاهی

(۱۸)

میاں گلو بابا

حالات :

آپ کا اسم گرامی تو گل محمد تھا ، لیکن آپ لوگوں میں مشہور گلوبابا سے تھے ۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مراد تھا ۔ رائے بہادر منشی گوپال داس EAC پشاور نے تاریخ پشاور کے صفحہ ۳۳۴ پر آپ کا تذکرہ شیخ رحمکار (کاکا صاحب) کے مریدین کے ضمن میں کیا ہے ۔

میاں گلو بابا کی اولاد کا بیان ہے کہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت گل محمد علاقہ ننگر ھار کے درۂ چپریال کے موضع شغلانے کے رہنے والے ایک بزرگ حضرت پوردل صاحب سے بیعت تھے ، اور خود بھی اسی موضع کے رہنے والے تھے ۔ ابتداً آپ ننگر ھار سے علاقۂ مردان کے موضع طورو میں تشریف لائے ، پھر وہاں سے ترک سکونت کرکے تحصیل صوابی کے ایک موضع توڑ ڈھیر میں تشریف لائے اور اس موضع کے گوجر محلے میں سکونت اختیار فرمائی ۔ اسی محلے کی مسجد میں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے ۔

کچھ دن کے بعد ایک خان نے آپ کو ایک کنواں اور ۶ کنال زمین بطور سیری کے دے دی ۔ آپ نے اس اراضی میں ایک نئی مسجد تعمیر کرائی اور ساری عمر اسی گاؤں میں عبادت و رباضت میں بسر کر دی ۔

وفات :

حضرت گل محمد (میاں گلو بابا) نے ۱۰ رمضان ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۷ع) کو اسی موضع میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے آپ کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے ۔

ابتداً آپ کا مزار خام تھا ، لیکن ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۷ع) میں آپ کے ایک

معتقد حاجی ابراهیم میمن ساکن بمبئی نے ستر هزار کے صرفے سے آپ کے مزار کو پخته اور عالی شان تعمیر کرایا ۔

اولاد :

میاں گلو بابا کے چار صاحبزادے تھے ، جن کے نام یه هیں - ۱ - میاں جان محمد ۲ - میاں خان محمد ۳- میاں فتح محمد اور ۴ - میاں خیر محمد - ان چاروں صاحبزادوں کی اولاد اب تک موضع توڑ ڈھیر میں آباد ہے (۱)

---

۱ - ماخوذ ازسلسلۂ اولیائے سرحد نمبر ۳۱ مصنفۂ نصراللہ خان نصر

(۱۹)

حضرت میاں محمد عمر صاحب چمکنی

نام و نسب :

میاں عمر چمکنی سابق صوبۂ سرحد کے گلشن ولایت کے وہ گل سر سبد ہیں کہ جن کی خوش بو سے نہ صرف سابق صوبۂ سرحد بلکہ پنجاب اور افغانستان تک مہک اٹھے - اُن کا اسم گرامی محمد عمر اور اُن کے والد ماجد کا نام ابراهیم خاں تھا ، وہ دادھیال کی طرف سے نسلاً پٹھان ، اور نانھیال کی طرف سے سید ہیں ، وہ باجوڑ کے رهنے والے تھے - اُن کے دادا قادر خاں صاحب علم و فضل اور سلسلۂ قادریہ و چشتیہ کے ایک مشہور بزرگ تھے ، جو کلا خاں کے لقب سے مشہور تھے -

مغلوں کے دور اقتدار میں سوات ، بنیر اور باجوڑ کے علاقے کے پٹھانوں نے اکبر کے خلاف بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں ، جس سے ایک گونہ پٹھانوں اور مغلوں میں منافرت پیدا ہو چکی تھی - جب شاہ جہاں کا عہد آیا تو اُس نے اپنی پالیسی کو بدلا ، اور پٹھانوں سے اپنے تعلقات کو شگفتہ ، اُستوار اور محکم بنانے کی کوشش کی -

قادر خاں کو جاگیر :

اسی پالیسی کے تحت شاہ جہاں(۱) نے پٹھانوں کے سرداروں کو جاگیریں دینا شروع کیں - حضرت میاں محمد عمر کے دادا کے علم و فضل اور روحانی عظمت کی شہرت شاہ جہاں کے کان میں پڑ چکی تھی - اتفاق

---

۱ - عہد حکومت شاہ جہاں (۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ) وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ -

(ماخوذ ازفٹ نوٹ ''مقالات الشعرا - صفحہ ۳۹ بہ ضمن ابراسم)

سے کلا خان لاہور تشریف لے گئے۔ اس وقت شاہ جہاں وہیں تھا۔ شاہ جہاں کو جب آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہؤا تو وہ انتہائی عزت و احترام سے پیش آیا اور آپ کو موضع فرید آباد بطور جاگیر کے پیش کیا۔

ولادت :

اسی موضع میں حضرت میاں محمد عمر اور اُن کے دو بھائیوں محمد موسیٰ اور محمد عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

صاحب تذکرۂ علما و مشائخ سرحد جناب محمد امیر شاہ قادری نے اپنی کتاب میں کچھ اور بھی تفصیلات دی ہیں، اُن کا بیان ہے کہ کلا خان نے فرید آباد میں آباد ہونے کے بعد ایک قریبی موضع سیداں والہ کے ایک شریف گھرانے میں شادی کر لی، اور انھیں کے بطن سے حضرت میاں محمد عمر چمکنی کے والد ماجد محمد ابراهیم خان پیدا ہوئے۔

کچھ زمانے کے بعد کلا خان اپنے صاحب زادے محمد ابراہیم خان کو لے کر اپنے آبائی وطن باجوڑ روانہ ہوئے۔ جب وہ دریائے سندھ کو عبور کر کے علاقۂ خدو خیل کے موضع کلا خان میں پہنچے تو اسی موضع میں وہ شہید کر دیے گے اور آپ کے صاحب زادے محمد ابراہیم خان نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

کچھ دن محمد ابراہیم اپنے وطن جندول علاقۂ باجوڑ میں قیام کرکے اپنی جاگیر فرید آباد میں چلے آئے۔

پشاور کا قحط:

اُس کے کچھ دن بعد پشاور میں سخت قحط پڑا۔ قحط کی شدت نے بڑے بڑے اُمرا اور زمینداروں کو نان شبینہ کا محتاج کر دیا۔ لوگوں نے مجبور ہو کر اور بھوک سے تنگ آ کر ترک وطن کیا۔ انھیں تارکین وطن میں میاں محمد عمر کے نانا ملک سعید خاں بھی تھے جو اپنے وطن چمکنی کی سکونت ترک کرکے محمد ابراہیم خاں کی جاگیر فرید آباد میں پہنچے، اور اسی موضع میں متوطن ہوگئے۔

ملک سعید خاں نے اپنی صاحب زادی کی شادی محمد ابراہیم خاں سے کر دی، جن سے حضرت میاں محمد عمر اور اُن کے دو بھائی پیدا ہوئے۔

لیکن قحط سالی کے ختم ہونے کے بعد ملک سعید خاں اپنے وطن چمکنی واپس آ گئے - جب محمد ابراہیم نے وفات پائی تو ملک سعید خاں فرید آباد سے اپنے نواسے نواسیوں اور صاحب زادی کو چمکنی لے آئے - اُس وقت حضرت میاں محمد عمر کی عمر سات سال کی تھی -

تعلیم و تربیت :

حضرت میاں محمد عمر کی تربیت اُن کی والدہ اور اُن کے نانا ملک سعید خاں نے کی ، مگر اس گوہر گرانمایہ کے جوہر قابل کو جن اساتذہ نے سنوارا اور نکھارا اُن میں مولانا محمد فاضل پایینی (علاقہ ننگرہار) شیخ فرید اکبر پوری ، مولانا حاجی محمد امین پشاوری ، حضرت عبدالغفور نقشبندی ، حضرت محمد یونس اور دریا خاں تھے - انھیں بزرگوں سے میاں عمر نے علوم دینیہ و رسمیہ کی تکمیل کی -

ارادت :

علوم ظاہری نے میاں محمد عُمر کے قلب میں سلوک اور تزکیۂ باطن کے چراغ کو روشن کر دیا ، اور معرفت الٰہی کے ذوق نے اُنھیں ۱۱۰۴ھ (۱۶۹۲ع) میں اُس دور کے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت سعدی بلخاری مجددی کے آستانے تک پہنچایا - وہ ہمیشہ اُن کی خدمت میں بڑی عقیدت سےحاضر ہوتے تھے- جب بھی اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلے میں فرید آباد جاتے ، اُن کی خدمت میں نہایت عقیدت سے تشریف لے جاتے - خود بھی جب کبھی حضرت سعدی لاہوری کسی وجہ سے سابق صوبۂ سرحد میں تشریف لائے تو وہ بھی اُن کی خدمت میں ہمیشہ نہایت عقیدت سے حاضر ہوئے ، صفر ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۴ع) میں آخری مرتبہ حضرت شیخ سعدی لاہوری کوہاٹ تشریف لائے اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے پشاور آئے تو حضرت میاں محمد عمر نے اُن کا نہایت خلوص و عقیدت سے استقبال کیا -

حضرت میاں عمر نے اپنی تصنیف ''خزینۃ الاسرار یا سرالاسرار'' میں تفصیل سے اپنی اُس بے پایاں عقیدت کا تذکرہ کیا ہے جو ان کو شیخ سعدی لاہوری سے تھی -

بیعت اور خلافت :

میاں عمر چمکنی اگرچہ شیخ سعدی لاھوری سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے ، لیکن وہ بیعت حضرت شیخ سعدی لاھوری کے مرید و خلیفہ شیخ یحیٰ (اٹک) معروف بہ حضرت جی کے ھوئے چناں چہ اپنی کتاب ''توضیح المعانی'' جو پشتو میں ھے اپنی بیعت کا تذکرہ کرتے ھوئے فرماتے ھیں

> میرا طریقہ اویسی تھا ، حضور پر نور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی روح پر فتوح نے میری تربیت کی تھی ، لیکن ظاھری طور پر بھی میرے لیے ضروری تھا کہ میں کسی زندہ پیر کی بھی بیعت کروں ، اسی وجہ سے میں نے اٹک کے حضرت یحیٰ صاحب معروف بہ''حضرت جی''کے دست حق پرست پر طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت کی -(۱)

ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد وہ اپنے شیخ کی جانب سے خلافت سے سرفراز کیے گئے -

رشد و ھدایت :

پھر انھوں نے علاقۂ یوسف زئی اور خلیل میں رشد و ھدایت کا چراغ روشن کیا ، اور اس سرچشمۂ علم و ھدایت سے ھزاروں طالبان علم و معرفت فیض یاب ھوئے -

شاھان وقت کی عقیدت :

میاں عمر چمکنی کی ذات گرامی علم و فضل ، زھد و ورع ، عرفان و تصوف کا وہ سر چشمہ تھی کہ سابق صوبۂ سرحد ، پنجاب اور افغانستان کے لوگ ان کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے ، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ھو کر جاتے تھے - مشھور فرماں روا احمد شاہ ابدالی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ھؤا - کہتے

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد''، صفحہ ۹۲ تا ۹۶ سے ماخوذ ھے -

ہیں کہ جب وہ ہندوستان پر حملہ آور ہؤا تو وہ اُن سے دعا کا طالب ہؤا - آپ نے فرمایا کہ

همراه خود همه وقت مرا پنداری | تم مجھے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔

اُس نے لنگر خانے کے لیے بھی کچھ اراضی به طور سیری حضرت میاں عمر چمکنی کو دی تھی ۔

سیاسی بصیرت :

دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ نے میاں عمر چمکنی کو سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا - پانی پت کی جنگ کے دوران میں میاں عمر چمکنی نے احمد شاہ ابدالی کی ہر قسم کی مدد کی - معاهدات ملکی میں احمد شاہ ان کے مشوروں پر چلتا تھا - قاضی قابل کو احمد شاہ ابدالی نے انھیں کے مشورے سے کمال زئی کے علاقے میں قاضی مقرر کیا تھا - (۱)

درس و تدریس ، ریاضت و مجاهدے :

شب بیداری اور ریاضتوں اور مجاهدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے موضع چمکنی میں ایک مسجد جامع اور ایک چھوٹی مسجد بنوائی تھی - اس چھوٹی مسجد میں الگ ایک حصہ اپنی راتوں کی عبادت کے لیے بنوایا تھا - اس حصے میں آپ راتوں کو عبادت میں مصروف رہتے ، جب تھک جاتے تو اُس کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر آرام لیتے -

صبح کو جامع مسجد چمکنی میں طلبہ کو درس دیتے ، اور سارے دن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رہتا -

دور دور سے آ کر لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے - آپ کی خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا ، زائروں اور مسافروں کے علاوہ موضع کے غربا اور مساکین کو بھی لنگر سے کھانا دیا جاتا(۲) -

---

۱ - یہ تمام تفصیل ''اولیائے کرام سرحد'' (پشتو) صفحہ ۱۰۵ و سلسلۂ ''اولیائے سرحد'' نمبر ۱۶ سے ماخوذ ہے -

۲ - یہ تمام تفصیل اولیائے کرام سرحد (پشتو) سلسلۂ اولیائے سرحد سے ماخوذ ہے -

تصانیف :

حضرت میاں عمر چمکنی کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی - رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا ، اس کو آپ تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے - آپ کی تصانیف میں ''خلاصۂ کیدانی'' کا منظوم پشتو ترجمہ ''توضیح المعانی'' کے نام سے بھانہ ماڑی میں صاحب زادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ھے - اس میں آپ نے اپنا تخلص ''فقیر'' اختیار فرمایا ھے - اس کے علاوہ آپ نے محمد عثمان اوشی کے ۶۳ عربی اشعار کی شرح فارسی میں لکھی - یہ ۹۳۸ صفحات پر مشتمل ھے - اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۸ھ ھے - یہ کتاب بھی متذکرہ کتب خانے میں موجود ھے - صاحب ''تذکرۂ علما و مشائخ سرحد'' نے بہ حوالہ جناب عبدالحلیم اثر افغانی ، جو اس علاقے کی ثقافتی اور ادبی تاریخ کے محقق ھیں ، آپ کی ایک اورکتاب ''سرالاسرار'' یا ''خزینۃ الاسرار'' تذکرہ کیا ھے ، جو انھوں نے کابل میں دیکھی تھی ، اور جس کے حوالے مفتی غلام سرور لاھوری کی کتاب ''خزینۃ الاصفیا'' میں ، آپ کی ایک اور کا بھی کتاب ''شرح''، قصیدۂ امالی کا بھی پتا چلتا ھے - یہ بھی صاحب زادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ھے ،

وفات :

رجب ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) میں علم و زھد کا یہ درخشاں آفتاب غروب ھوگیا ، اور موضع چمکنی میں جو شاھی سڑک پر پشاور سے تین میل دور واقع ھے ، آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ھے - آپ کا عرس مبارک ھر سال رجب کی پہلی جمعرات کو بڑے اھتمام سے منعقد ھوتا ھے(۱) -

اولاد :

میاں عمر چمکنی کے تین صاحب زادے تھے، جن کے نام یہ ھیں: (۱) میاں گل (۲) محمدی اخوند زادہ (۳) عبید اللہ - آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے

---

۱ - ''تذکرۂ علما و مشائخ سرحد'' صفحہ ۹۹ -

محمدی اخوند زادہ ، مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے ، جو روحانی کمالات کے ساتھ ایک متبحر عالم بھی تھے ، اور اُن کا شمار بارھویں صدی ہجری کے مشاہیر علما میں ہوتا تھا ۔ محمدی اخوند زادہ کی تصانیف میں "مقاصد الفقہ" اور "درود شریف منظوم" مشہور ہے(۱) ۔

خلفاء :

میاں عمر چمکنی کے خلفا و مریدین کی تعداد کثیر ہے ، اُن میں سے چند خلفاء کے نام یہ ہیں جنھوں نے آپ کے بعد اس سلسلے کے فیوض و برکات کو عام کیا :

۱ ۔ اخوند ملا عبدالحکیم صاحب ساکن موضع گجر گڑھی ضلع مردان ۔
۲ ۔ محمدی اخوند زادہ ، صاحب زادہ حضرت میاں عمر چمکنی ۔
۳ ۔ عبیداللہ میاں گل صاحب ، صاحب زادہ حضرت میاں عمر چمکنی ۔
۴ ۔ قاضی اخوند عبدالرحمان صاحب ساکن پشاور ۔
۵ ۔ ارباب معز اللہ خان صاحب ساکن موضع سرھند ۔
۶ ۔ اخوند حافظ محمد شیر صاحب ساکن شہر بنوں ۔
۷ ۔ محمد اخوند زادہ ساکن موضع رستم علاقۂ سدوم ۔
۸ ۔ نور محمد قریشی ساکن نوے کلی تھانہ ۔ (مالا کنڈ ایجنسی) ۔

---

۱ ۔ "تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد" ۔ صفحہ ۹۷ و ۹۸ و اولیائے کرام سرحد (پشتو) و سلسلۂ اولیائے سرحد مولفۂ نصراللہ خان نصر

(۲۰)

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی نوشاہی پشاوری

حالات :

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی ، حضرت شاہ بلاق کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ، جو خلیفہ تھے حضرت شیخ پیر محمد سچیار نوشہروی کے - پیر محمد سچیار نوشہروی نے براہ راست بانیٔ سلسلۂ نوشاہیہ حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری(۱) سے فیض حاصل کیا تھا ، اور ان کا شمار حضرت نوشہ کے عظیم المرتبت خلفا میں ہوتا ہے ۔

---

۱ - حضرت نوشہ کا اصل نام حاجی محمد ، کنیت ابو ہاشم ، لقب نوشہ ، خطاب گنج بخش قادری تھا - آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ع) میں ہوئی ، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عباس علم دار شہید کربلا کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہ' سے جا ملتا ہے -

علوم ظاہری کی تکمیل آپ نے حافظ قائم الدین حنفی اور حافظ بڈھا سے کی ، سلوک قادریہ اور قطبیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سید علاء الدین حسین غازی سے حاصل کی ، اور مجاز ہوئے - پھر حضرت سخی شاہ سلیمان پوری نوری قادری بھلوالی کی خدمت اقداس میں حاضر ہوئے ، اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے اور اپنے پیر کے حکم پر دریائے چناب کے کنارے موضع نوشہرہ تار ڑال میں جو بعد میں ساھنپال کے نام سے مشہور ہؤا ، سکونت اختیار فرمائی اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۸ پر)

شاہ عبداللہ بیابانی نے ایک عرصے تک اپنے شیخ شاہ بلاق کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا ، اور اپنے

(صفحہ ۴۵۷ کا بقیہ حاشیہ)

یہیں سے آپ کی بدولت عرفان و ھدایت کے وہ سر چشمے جاری ھوئے ، جنھوں نے معرفت و سلوک کے تشنگان کو مختلف علاقوں میں سیراب کیا ۔

شاہ جہان بادشاہ متوفیٰ ۱۰۷۵ھ(۱۶۶۴ع) نے جب آپ کی دعا سے قندھار کو فتح کیا تو دو گاؤں موضع ''ٹھٹہ عثمان'' اور موضع ''بادشاہ پور'' فتا مصارف لنگر کے لیے بطور جاگیر التمغا آپ کی خدمت میں پیش کیے ۔

کہتے ھیں کہ آپ نے ایک پرانے کنویں میں چلہ کھینچا تھا ۔ وھیں آپ کو ''نوشہ'' کا لقب عطا ھؤا ، اُسی وقت سے آپ عالم میں ''نوشہ'' کے لقب سے مشہور ھو گئے ۔

آپ ۸ ربیع اول ۱۰۶۴ھ بروز سہ شنبہ مطابق ۱۷ جنوری ۱۶۵۴ع کو شاہ جہانی عہد میں واصل الی اللہ ھوئے ۔ آپ کا روضۂ مبارک موضع ساھنپال ، ضلع گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ھے ۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے ، حضرت سید حافظ محمد برخوردار بحرالعشق اور حضرت سید محمد ھاشم دریا دل ۔ دونوں صاحبزادے علم و فضل ، تقویٰ و تقدس میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ۔ حافظ محمد برخوردار نے آپ کے بعد مسند سجادگی کو زینت بخشی اور ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۱ع) میں وفات پائی ۔

دوسرے صاحبزادے سید محمد ھاشم دریا دل نے ۲۲ ذالحجہ ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ع) کو وفات پائی ۔

حضرت نوشہ کی تصانیف میں ایک مختصر رسالہ موسومہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۹ پر)

پیر کے ارشاد پر علاقہ راولپنڈی میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی - لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے - آج بھی آپ کی نشست گاہ ضلع راولپنڈی میں موضع ''میرو کی بنی'' سے دو میل کے فاصلے پر ''پیر کہنہ'' کے نام سے مشہور ہے -

وفات :

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی نے ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کے لگ بھگ وفات پائی - آپ کے خلیفۂ خاص شاہ ظہور الدین کابلی (۱) نے آپ کے جنازہ کی

(صفحہ ۴۵۸ کا بقیہ حاشیہ)

''گنج الاسرار'' موجود ہے ، جس میں آپ نے طریقۂ قادریہ کے اذکار و اشغال کو ہندی زبان میں تحریر فرمایا ہے -

شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے - ہم آپ کے فارسی کے دو شعر تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں :

منادی ست درکوچۂ مے فروش
کہ امروز در ہر کہ یابند ہوش
گریبان گیرند و دامن کشند
کشاکش بدیوان مستاں برند

یہ تمام تفصیل ''اذکار نوشاہیہ'' اور ''انوار نوشاہیہ'' تالیف سید شرافت نوشاہی کے مختلف اوراق سے ماخوذ ہے) -

۱ - شاہ ظہور الدین کابلی حضرت شاہ عبداللہ بیانی کے اکابر خلفاء میں تھے ان کی ولادت و نشو و نما پنجاب میں ہوئی ، اور اپنے پیر کی جانب سے کابل میں رشد و ہدایت کے لیے مامور ہوئے - ان کی وجہ سے کابل میں سلسلۂ نوشاہیہ کو فروغ حاصل ہؤا - اپنے پیر کی وفات کے بعد بحیثیت مجاور کے اپنے مرشد کے مزار پر رہنے لگے ، اور پشاور ھی میں آپ نے ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ع) میں وفات پائی - آپ کا مزار پشاور میں اپنے مرشد کے مزار کے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۰ پر)

میت کو کابل لے جانا چاہا ، لیکن راولپنڈی کے لوگ مزاحم ہوئے ، مگر کسی نہ کسی طرح شاہ ظہور الدین کابلی آپ کی میت کو لے گئے - دریائے اٹک تک لوگوں نے شاہ ظہور الدین کا تعاقب کیا ، لیکن ناکام ہو کر واپس ہو گئے - جس وقت آپ پشاور اس جگہ پہنچے جہاں آج کل حضرت بیابانی کا مزار ہے ، تو حضرت شاہ ظہور الدین کابلی نے اشارۂ غیبی کی بنا پر حضرت بیابانی کو اپنا ارادہ فسخ کرکے وہیں دفن کر دیا - چوں کہ یہ مقام اُس وقت جنگل و بیابان تھا ، اس لیے آپ ''بیابانی'' کے لقب سے مشہور ہو گئے ، اور اب یہ جگہ پشاور کی آبادی میں آگئی ہے ، جو کچہری دروازے اور ریتی دروازے سے باہر واقع ہے - اس وقت آپ کے مزار کے متصل حضرت ''نوشہ گنج'' کی مسجد ہے -

---

(صفحہ ۳۵۹ کا بقیہ حاشیہ)

قریب مغربی جانب واقع ہے - آپ کے خلفاء میں شیخ مستان پشاوری ، شیخ عظمت شاہ پشاوری اور میاں اعظم دین پشاوری مشہور ہیں -

(''ماخوذ از شریف التواریخ قلمی'' - جلد ۳ - تالیف سید شرافت نوشاہی)

(۲۱)

حضرت شیخ محمد شعیب

نام و نسب :

سابق صوبۂ سرحد کی تاریخ روحانیات میں شیخ محمد شعیب کو جہاں اپنی روحانی عظمت کی وجہ سے شہرت حاصل ہے ، وہیں وہ اس وجہ سے بھی مشہور ہیں کہ وہ حضرت اخوند سوات کے پیر ہیں ، اور ان کی وجہ سے اس علاقے میں سلسلۂ نقشبندیہ کو غیر معمولی فروغ ہؤا ۔

ان کا اصل نام محمد شعیب اور ان کے والد ماجد کا نام رفیع القدر عرف حافظ گل اور دادا کا نام حضرت اخوند غازی صاحب(۱) تھا ۔ وہ نسلاً درّانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ جب رجب ۱۱۶۰ھ(۱۷۴۷ع)میں احمد شاہ ابدالی(۲)

---

۱ ۔ حضرت اخوند غازی کا سکونتی مکان آج بھی موضع کھونڈہ تحصیل صوابی ضلع مردان میں موجود ہے اور ان کی بیویوں کی مزارات موضع انبار کے عام قبرستان میں ''مزارات بی بی صاحبہ'' کے نام سے موجود ہیں ۔ انبار میں ان مزارات کی مرمت حضرت حاجی صاحب عمر زبی نے کرائی ، جو اس سلسلے کے مرید تھے اور ان کا سلسلۂ طریقت دو واسطوں سے شیخ محمد شعیب سے جا ملتا ہے ۔

۲ ۔ احمد شاہ ابدالی کا اصل نام احمد خاں بن زماں خاں ابدالی یا درانی تھا ، اور شاخ سڑابن افغان سے تعلق رکھتا تھا ۔ وہ زرغونہ نامی خاتون کے بطن سے جو قوم الکازئی سے تھی ، ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ع) میں ملتان میں پیدا ہؤا ۔ اس کا بچپن ملتان ھی میں گزرا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۲ پر)

نے قندھار میں افغانستان کی فرمانروائی کی زمام حکومت سنبھالی ، اور ملک کے نظم و نسق کو درست کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہؤا تو اس کے لشکر میں شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا بھی شامل تھے۔

(صفحہ ۴۶۱ کا بقیہ حاشیہ)

۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں احمد شاہ اپنے بھائی ذوالفقارخاں کے ساتھ شاہ حسین ہوتک کے حکم سے قندھار میں قید تھا ۔ جب ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ع) نادر شاہ افشار نے قندھار کو فتح کیا تو اس نے احمد شاہ کو قید سے رہا کرکے اس کو ماژندران ، شمالی ایران میں جاگیر سے نوازا - ۱۱۵۴ھ(۱۷۳۸ع) میں نادرشاہ نے اس کو اپنے دربار میں طلب کر کے ایک فوج کے حصے کی قیادت اس کے سپرد کی ، اور لڑائیوں میں اپنے ساتھ رکھا ۔ تقریباً چھ سال تک وہ داغستان اور ایروان کی لڑائیوں میں اس کے ساتھ رہا ، اور اس نے ان معرکوں میں شجاعت و بہادری کا وہ ثبوت دیا کہ نہ صرف احمد شاہ نادرشاہ کا مقرب بن گیا ، بلکہ نادرشاہ نے اُسے خوشخبری دی کہ میرے بعد تم بادشاہ ہوگے ۔

جب ۱۱۶۰ھ(۱۷۴۷ع) میں نادر شاہ مارا گیا ، تو احمد شاہ ابدالی نے نادر شاہ کی حرم کو اپنی پناہ میں لے کر ، حرم شاہی کی لوٹ مار سے لوگوں کو روکا ۔ اس کے صلے میں نادر شاہ کے حرم نے مشہور کوہ نور ہیرا احمد شاہ ابدالی کو دیا ۔

احمد شاہ ابدالی ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ع) میں بہادر ابدالیوں کو لے کر قندھار پہنچا اور رجب ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ع) میں روسائے قندھار نے مزار شیر سرخ متصل نادر آباد میں جمع ہو کر احمد شاہ ابدالی کو افغانستان کا فرمانروا بنایا ۔ اس وقت اس کی عمر پچیس سال کی تھی ۔ صابر شاہ کابلی نے ایک خوشۂ گندم کو اس کی دستار میں لگا کر اسے بادشاہ ہونے کی مبارک باد دی ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۳ پر)

احمد شاہ ابدالی سرہند شریف تک سکھوں اور ہندووں کے تعاقب میں گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس لوٹ رہا تھا تو علاقۂ سرحد (روہ) میں اُس نے بہت سے غازیوں کو اس نیت سے چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ لڑائیوں میں ان سے کام لے گا، اُنھیں میں شیخ محمد شعیب کے والد اور ان کے دادا

(صفحہ ۴۶۲ کا بقیہ حاشیہ)

احمد شاہ نے اس وقت بجائے ابدلی کے جو اس کے قبیلے کا نام تھا اپنے آپ کو دُرّانی کہا۔ یہ نام اس سے پہلے بھی اس قبیلے کا بولا جاتا تھا اور اپنے سکے کے ایک طرف الحکم للہ یا فتاح، احمد شاہ درانی اور دوسری طرف:

حکم شد از قادر بیچوں به احمد پادشاہ
سکه زن بر سیم و زر از پشت ماهی تا بماہ

کندہ کرایا، اس نے ملک کے نظم و نسق کو درست کرکے ایک لاکھ کی فوج تیار کی، اور مختلف ممالک پر فوج کشی کی۔ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ع) میں اس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور ہندووں کی دو لاکھ فوج کو شکست دی جو تاریخ میں اب تک یادگار ہے۔ ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ع) میں مرض آکلہ میں مبتلا ہوکر کوہ توبہ میں جو قندھار سے جنوب مشرق میں واقع ہے، وفات پائی، اور شہر قندھار میں اس گنبد میں جو اس نے اپنی وفات سے قبل بنوایا تھا، دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر اکیاون سال اور اس کی سلطنت کی مدت چھبیس سال تھی۔ اس کے مزار پر یہ کتبہ منقوش ہے:

شاہ والا جاہ احمد شاہ درانی که بود
در قوانین امور سلطنت کسری منش
از نصیب قہرمان سطوتش در عہد او
شیر آہو رابه شیر خویش دادی پرورش

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۲۴ پر)

بھی تھے - ان دو بزرگوں نے علاقہ یوسف زئی میں سکونت اختیار کی -
شیخ محمد شعیب کے والد بزرگوار حضرت حافظ گل صاحب نہایت متقی اور صاحب تقدس بزرگ تھے - جہاد سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے - اُنھوں نے اپنے صاحبزادے کی تربیت اپنے طریقے پر نہایت عمدہ کی تھی -
حافظ گل صاحب نے مستقل سکونت موضع تورڈھیر علاقہ مندنڑ تحصیل صوابی میں اختیار کر لی تھی - چمکنی کے مشہور بزرگ حضرت میاں عمر سے حضرت حافظ گل کے نہایت دوستانہ مراسم تھے ، کبھی کبھی وہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ محمد شعیب کو لے کر میاں عمر کے گھر جاتے - میاں عمر ان کو دیکھ کر پیار کرتے اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے آئندہ چل کر یہ بچہ بہت بڑا آدمی ہوگا -

بیعت :

سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت شیخ محمد شعیب مرشد کامل کی تلاش میں نکلے - اس زمانے میں حافظ محمد صاحب کی غیر معمولی شہرت تھی جو موضع عمر زئی چار سدہ کے رہنے والے تھے ، اور علم و عمل کا آفتاب تھے - شیخ محمد شعیب نے ابتداً ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علوم ظاہری کی تکمیل کی ، اور چند دن کے بعد ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلۂ قادریہ نقشبندیہ میں عرفان و تصوف کے منازل طے کیے - حضرت

(صفحہ ۴۶۳ کا بقیہ حاشیہ)

میرسد از ہر طرف در گوش بدخواہان او
از زبان خنجرش ہر دم ہزاراں سرزنش
چوں رواں شد جانب دارالبقا تاریخ بود
سال ہجری یک ہزار و یک صد و ہشتاد و شش

۱۱۸۶ھ

(ماخوذ از ''نوائے معارک''- تعلیقات نمبر ۳ ص ۷۷ تا ۸۸)

حافظ محمد صاحب (۱) نے ان کو ریاضتوں اور مجاهدوں کے بعد خلافت سے سرفراز فرما کر اپنے وطن میں رشد و ھدایت کی شمع روشن کرنے کے لیے فرمایا -

رشد وھدایت :

چناں چه وه اپنے شیخ کی ھدایت پر اپنے وطن تور ڈھیر تشریف لائے ، اور طالبان حق کی ھدایت و ارشاد میں مصروف ھوئے -

مدرسه :

شیخ محمد شعیب کو درس و تدریس اور مدارس کے قیام کا بے حد شوق تھا ، انھوں نے تور ڈھیر میں ایک مدرسه بھی قائم فرمایا تھا -

اتّباع شریعت :

خود بھی بہت بڑے متبع شریعت تھے ، اور اپنی تعلیمات اور مواعظ میں اتباع شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے -

وفات :

۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶ع) میں حضرت شیخ محمد شعیب واصل الی الله ھوئے - ان کا مزار مبارک آج بھی تور ڈھیر میں زیارت گاہ خاص و عام ھے - مزار کے متصل وه مسجد واقع ھے ، جس میں وه ریاضت و عبادت میں مشغول رھتے تھے -

اولاد :

شیخ محمد شعیب کے دو صاحبزادے تھے ، سعیدالدین اور صدرالدین - ان دونوں صاحبزادوں کی اولاد سوات ، بنیر ، علاقه یوسف‌زئی اور ھشت‌نگر میں آج بھی موجود ھے ، جو صاحبزادگان کے نام سے موسوم ھیں -

خلفاء :

حضرت شیخ محمد شعیب کے خلفا میں جس بزرگ نے غیر معمولی

---

۱ - حافظ محمد صاحب کے مرشد حضرت محمد صدیق تھے ، جو خلیفه تھے حضرت محمد جنید پشاوری کے -

شہرت و عظمت حاصل کی وہ اخوند سوات ہیں ، جنھوں نے اس علاقے میں سلسلۂ نقشبندیہ و قادریہ کو غیر معمولی فروغ بخشا (۱) -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سلسلۂ اولیائے سرحد نمبر ۳۲ سے ماخوذ ہے -

(۲۶)

خواجه فقیر محمد ملقّب به خواجه خضری

حالات :

حضرت خواجه محمد ملقب به خواجه خضری سابق صوبۂ سرحد کے مشہور عارف و درویش حضرت شاہ عبدالرحمان چھوروی کے والد ماجد ھیں ، جن کا سلسلۂ نسب تیسری پشت میں حضرت قاری حافظ محمد عبداللہ سے جا ملتا ھے۔ جو اپنے زمانے کے صاحب زھد و تقویٰ بزرگ تھے اور جو اس خاندان میں سب سے پہلے سرائے صالح میں آ کر آباد ھوئے۔ خواجہ خضری کے والد کا اسم گرامی حضرت قاری حافظ سید محمد تھا ، جو حافظ محمد عبداللہ کے صاحبزادے تھے۔ افسوس ھے کہ ھمیں حضرت خواجہ خضری کے حالات تذکروں میں تفصیل سے نہیں ملتے۔ صرف اس قدر پتا چلتا ھے کہ آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ھوئی تھی ، اس لیے آپ خضری کہلاتے تھے اور یہ کہ وہ حضرت خضر کے اشارے پر گنجھتر ، مظفرآباد (آزاد کشمیر) میں آ کر وھاں کے ایک مشہور بزرگ حضرت محمد انور پاشا قادری کے دست حق پرست پر بیعت ھوئے اور سلسلۂ قادریہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا اور تمام عمر رشد و ھدایت اور زھد و عبادت میں گزاری۔

وفات :

حضرت خواجہ خضری تقریباً ۹۲ سال کی عمر میں ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) کو چھور میں واصل الی اللہ ھوئے۔

اولاد :

آپ نے اپنی وفات کے وقت دو صاحبزادے چھوڑے۔ ان میں سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالرحمان چھوروی ھیں ، جو سابق صوبۂ

سرحد کے افق پر آفتاب ولایت بن کر درخشاں ہوئے اور جن کا تذکرہ ہم آئندہ اوراق میں کریں گے - دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ تھے جو بجائے خود تقویٰ و پرہیزگاری کا ایک پیکر تھے(۱) -

۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحمانیہ قلمی مولفہٗ مولانا قاری محمد عباس خاں قادری امام و خطیب پاکستان آرمی ، صفحہ ۷ تا ۱۴ سے ماخوذ ہے -

(۲۷)

محمد افضل بابا
عرف حضرت حاجی گل بابا

نام و نسب :

صوفیائے سرحد کا یہ گل سرسبد ۱۲۰۹ھ(۱۷۹۴ء) میں بمقام انبار علاقۂ مندنڑ میں حضرت خان زادہ کے ہاں تولد ہؤا ۔

والدین نے آپ کا نام محمد افضل رکھا ، لیکن آپ کے والد آپ کو آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی وجہ سے گل کہا کرتے تھے ۔ یہ لقب آئندہ چل کر اس قدر مقبول ہؤا کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے اور عوام میں آپ ''گل بابا'' کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ گل پشتو زبان میں گلاب کے پھول کو کہتے ھیں ۔

آپ کے دادا حضرت الہ داد (بڑیسی بابا) تھے ، جو علاقۂ مندنڑ میں غیر معمولی عظمت و شہرت رکھتے تھے ۔ آپ کی والدۂ ماجدہ بھی ایک بزرگ خاتون تھیں ۔

تعلیم :

حضرت گل بابا نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی ۔ تحصیل علم کے بعد اپنے والد ھی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے اور سلوک کے مختلف مدارج طے کیے ۔

ازدواج :

پھر آپ نے موضع کھونڈہ کے ایک معزز خاندان میں شادی کی ۔

سجادگی :

اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے ان کی مسند سجادگی کو زینت بخشی اور رشد و ہدایت ، تعلیم و تعلم میں مصروف ہوگئے ۔ آپ نے علوم دینیہ

کو عام کرنے کے لیے ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا تھا ، جس میں خود بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے -

کسب معاش :

کسب معاش کا مدار آستانۂ عالیہ کی ملحقہ زمینوں پر تھا ، جنھیں خود کاشت کرتے تھے -

اتباع شریعت :

خود بھی بیحد متبع شریعت تھے اور لوگوں کو بھی اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے - اُسی کا یہ اثر تھا کہ جو ایک مرتبہ آپ کی مبارک مجلس میں شرکت کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا -

وفات :

حضرت گل بابا حج بیعت اللہ کے ارادے سے مندنڑ سے روانہ ہوئے - اثنائے سفر میں ملتان میں آپ کی طبعیت خراب ہوئی ، چند دن علیل رہ کر وهیں آپ رحمت حق سے پیوست ہوگئے اور ملتان هی میں آپ کا مزار پرانوار ہے -

اولاد :

بڑیس نامہ میں آپ کے ایک فرزند اور ایک صاحبزادی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اُن کے تفصیلی حالات ہمیں نہیں ملے

خلفا :

آپ کے خلفا میں مولوی زکریا کا نام نامی مشہور ہے -

حلیہ و لباس :

حضرت حاجی گل بابا کے تذکرہ نگاروں نے اُن کے حلیہ و لباس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ میانہ قد ، مناسب جثہ ، سفید مائل بزردی رنگ ، نیلگوں چشم اور خندہ پیشانی تھے - گفتگو کے وقت آواز میں ملائمت ، شیرینی اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی - لباس اکثر سفید گھریلو کھادی کا زیب تن فرماتے تھے - سر پر سفید ٹوپی اور چھوٹا سا عمامہ ہوتا تھا(۱) -

---

۱ - یہ تمام تفصیل بڑیس نامہ قلمی مملوکہ پیر شارق سے صفحہ۱۸۳ تا ۲۰۰ سے ماخوذ ہے -

(۲۸)

حضرت اخوند صاحب سوات

حالات :

حضرت اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور آپ کے والد کا اسم گرامی عبدالوحید تھا ۔ آپ کا سلسلۂ نسب قبیلۂ صافی سے جا ملتا ھے ۔ آپ کی ولادت با سعادت ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) میں علاقۂ شامیزئے (سوات) کے موضع جبڑی میں ھوئی ۔ بچپن ھی سے آپ حصول علم کی طرف مائل اور زھد و تقویٰ کی طوف راغب تھے ۔

تعلیم :

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی ۔ پھر آپ تحصیل علم کے لیے گجرگڑھی ضلع مردان تشریف لائے اور وھاں اُس دور کے مشہور عالم مولانا عبدالحکیم سے تعلیم حاصل کی ۔ پھر کچھ زمانہ آپ نے چمکنی (پشاور) اور کاکا صاحب تحصیل نوشہرہ میں بسر کیا ، پھر شہر پشاور میں حضرت جی صاحب کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا ۔ اُس کے بعد موضع تورڈھر ضلع مردان تشریف لائے اور مولانا محمد شعیب کی خدمت میں رہ کر سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ھوئے اور بارہ سال تک ریاضتیں اور مجاھدہ کرتے رھے ۔ مولانا محمد شعیب کی وفات کے بعد ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں آپ دریائے سندھ کے کنارے موضع بیکی میں مقیم ھوکر عبادت و ریاضت میں مشغول ھوگئے ۔ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں بیکی سے روانہ ھوکر نمل اور وھاں سے موضع سلیم خان پہنچے اور یہیں پہلی مرتبہ لوگوں نے آپ کو اخوند کے لقب سے خطاب کیا ۔

سکھوں اور درانیوں سے جنگ :

سکھوں اور درانیوں کی جنگ میں حضرت اخوند صاحب نے دوست محمد خان

فرمانروائے افغانستان کا ساتھ دیا (۱) -

سید احمد شہید سے ملاقات :

آپ نے تحریک مجاہدین کے قائد حضرت سید احمد شہید سے بھی ملاقات کی تھی - مولانا غلام رسول مہر نے اس ملاقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ

> ''سید صاحب کے عزم یورش کا حال اخوند صاحب کو معلوم تھا اور انھوں نے خان ہنڈ کو سید صاحب کا مخلص سمجھتے ہوئے یہ راز بتا دیا - خان‌ہنڈ نے سکھوں کو قبل ازوقت خبردار کر دیا - اٹک کے جو مسلمان شہر اور قلعے کو مجاہدین کے حوالے کر دینے کی تیاریوں میں شریک تھے ، اُنھیں خوفناک سزائیں جھیلنی پڑیں اور پنجاب پر کامیاب اقدام کی سکیم ابتدائی مراحل ھی میں ناکام ھوگئی - اخوند صاحب کو اپنی اس نادانستہ حرکت پر اتنی ندامت محسوس ھوئی کہ یکی سے مدت تک روپوش رہے(۲) -

وطن کو واپسی :

۱۲۵۱ھ(۱۸۳۵ء)میں چوبیس(۲۴) سال باھر رھنے کےبعد اخوندصاحب اپنےوطن جبڑی واپس تشریف لائے اور ابتداً آپ نے موضع ملوچ کی ایک مسجد

---

۱ - ۱۲۵۱ھ(۱۸۳۵ء) میں امیر دوست محمد خاں نے پشاور کو واپس لینے کے لیےسکھوں سے جنگ کا ارادہ کیا تو اس نے دوسرے بزرگوں کے علاوہ اخوند صاحب سے امداد کی درخواست کی - چناں‌چہ اخوند صاحب اپنے معتقدین کی ایک بڑی جماعت لے کر امیر کے پاس پہنچے - مگر افسوس ھے کہ اس جنگ میں امیر دوست محمد خاں کو شکست ھوئی - شکست کے بعد اخوند صاحب سوات چلے گئے - (سرگذشت مجاہدین - جلد ۴ صفحہ ۳۳۶) -

۲ - ایضاً -

میں قیام فرمایا۔ وهاں کچھ دن رهنے کے بعد آپ موضع رنگیلا تشریف لائے۔ پھر وهاں سے کچھ دن کے بعد موضع هوڈی گرام کے قریب غازی بابا کے مزار کے متصل قیام رها ، پھر مرغزار تشریف لائے۔

ازدواج :

پھر آپ نے موضع سپیل پانڈی میں آکر قبیلۂ اکوزئی میں شادی کی ، جن سے آپ کے دو صاحبزادے پیدا هوئے۔

سیدو میں سکونت :

۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں آپ نے سیدو میں مستقل سکونت اختیار کر لی ، جو آپ هی کی ذاتِ گرامی کی وجه سے آجکل سیدو شریف کہلاتا هے۔

ملّی تنظیم :

حضرت اخوند صاحب نه صرف عظیم المرتبت درویش تھے ، بلکه وه ایک بلند پایه سیاست دان ، جذبۂ حریت سے سرشار اور ملت کے سچے خدمت گزار تھے۔ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں سیدو میں قیام فرمانے کے بعد آپ نے محسوس کیا که انگریز علاقۂ سرحد میں پہنچ رهے هیں۔ اگر اس علاقے کی تنظیم نه کی گئی تو ملتِ اسلامیه کو سخت نقصان پہنچے گا۔ چناں چه آپ نے مختلف خوانین اور سرداروں کی ایک مجلس مشاورت طلب کی ، اور آپ نے انگریز کے آنے والے خطرے سے ان سب کو واقف کرا کر اُن کے سامنے تنظیم ملت کا مسئله پیش کرتے هوئے یه تجویز رکھی که وه اپنے اختلافات کو دور کر کے متحد و متفق هو کر اپنے میں سے کسی ایک شخص کو امیر منتخب کر لیں ، اور پھر تنظیم ملت کا کام متفقه طو پر اس امیر کے سپرد کر دیا جائے۔ سب نے آپ کی بات مان لی۔

شریعتِ اسلامیه کے نام سے پہلی حکومت :

لوگوں کا خیال تھا که آپ هی امیر منتخب هوں گے ، لیکن حضرت اخوند صاحب اس بارگراں کے اٹھانے کے لیے بالکل تیار نه تھے۔ عوام نے جب بیحد اصرار کیا تو آپ نے حضرت سید علی غواص ترمذی (پیر بابا) کی اولاد میں سے سید اکبر کو امارت کے لیے پیش کیا ، اور خود اُن کے هاتھ پر بیعت کرلی۔ آپ کو دیکھ کر سب نے اکبر شاہ کو امیر

تسلیم کر لیا ۔

پہلا دارالسلطنت :

اس طرح اس ریاست کی بنیاد پڑی ۔ اس کا پہلا دارالسلطنت موضع غالیگی قرار پایا ، اور شریعت اسلامیہ کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا ۔

سید اکبر شاہ کی وفات :

لیکن بدقسمتی سے عین اُس دن جب کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں جنگ آزادی شروع ہوئی اور اس جنگ کی اطلاعیں سرحد پہنچ رہی تھیں کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کو سید اکبر شاہ نے وفات پائی اور انگریزوں کو سرحد کی اس امارت شرعیہ سے جو اندیشہ تھا ، سید اکبر شاہ کی وفات نے ان کو اس فکر سے ہلکا کر دیا : سرہربرٹ ایڈورڈ کے الفاظ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریز اس امارتِ شرعیہ کو اپنے لیے کتنا بڑا خطرہ سمجھتے تھے ، وہ لکھتا ہے کہ

> اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگ جو ، قبائل کا سربراہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا ۔

سید اکبر شاہ کے بعد :

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد اس حکومت کا کوئی نظام باقی نہ رہا ۔ ان کے فرزند مبارک شاہ چھ مہینے تک نظم و نسق کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درست کرتے رہے لیکن مخالف قوتوں کا طوفان حد سے زیادہ بڑھتا جاتا تھا ۔ اب عقیدت و محبت کا مرکز حضرت اخوند صاحب تھے ، لیکن انھوں نے امارت کا بارگراں اٹھانا منظور نہ کیا ، نتیجتاً مبارک شاہ اور حضرت اخوند صاحب کے صاحبزادے میاں گل عبدالخالق میں حصول اقتدار کے لیے کشمکش ہوتی رہی ، لیکن اخوند صاحب کی موجودگی میں کسی کے لیے بھی برسراقتدار آنے کا موقع نہ تھا ، اور نہ ان دونوں میں سے کسی کو اخوند صاحب کی تائید حاصل تھی ، اس لیے کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی ۔ ادھر اخوند صاحب تنظیم ملت کی کوشش کرتے رہے ، اور پوری قوم ان کے فیصلوں اور مذہبی فتووں کو عزت کی نظر سے

دیکھتی تھی (۱) یہاں تک کہ جنگ امبیلہ شروع ہوئی ۔

جنگ امبیلہ :

ستھانہ حضرت سید احمد شہید اور اُن کے مجاہدین کا اہم مرکز تھا ، اور ساداتِ ستھانہ مجاہدین سے وابستہ تھے ۔ انگریز ، مجاہدین کے مراکز پنجتار ، ستھانہ اور منگل تھالے کو تباہ و برباد کردینا چاہتے تھے ۔ جب سادات ستھانہ اور اتمان زئیوں میں اختلاف پیدا ہؤا ۔ اور سادات کے سر گروہ سید عمر شاہ شہید ہوئے تو سادات نے ملکا کو اپنا مرکز بنا لیا ۔ یہ مقام ستھانہ سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے ۔ مجاہدین بھی ملکا کو محفوظ مقام سمجھ کر وہیں پہنچ گئے ۔ مولانا عبداللہ امیرالمجاہدین تھے ۔ سید عمر شاہ کے بعد اُن کے بھتیجے سید مبارک شاہ ساداتِ ستھانہ کے قائد قرار پائے ۔ اتمان زئیوں نے انگریزی حکومت کو حالات سے باخبر کر دیا ۔ انگریزوں نے مجاہدین و سادات کے اس مرکز کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ ادھر سادات اور مجاہدین نے بھی مل کر مدافعت کا پورا پورا انتظام کیا اور جہاد کا اعلان عام کردیا (۲) ۔

اخوند صاحب کے نام ایک خط

اس سلسلے میں ایک خط اخوند صاحب سوات ، کو بھیجا گیا ، جس میں ان کی بزرگانہ عظمت اور دین داری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں فضیات اور برتری عطا کی ہے ۔ فرنگی جنگ کے ارادے سے فوج کے ساتھ ہماری طرف آرہے ہیں ۔ ان کا ارادہ مسلمانون کو تباہ و برباد کرنے کا ہے ۔ دربند ، تربیلہ اور امب میں اُن کے لشکر موجود ہیں ۔ موزہ خاں امان زئی فرنگیوں کے ساتھ اپنے اخلاص کا اظہار کر رہا ہے ۔ ٹوپی اور منسئی کے رؤسا بھی اُن کے ہمنوا ہوگئے ہیں ۔ جدونوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے پیغام بھیجے جا رہے ہیں ۔ ایسے

---

۱ ۔ یہ تفصل کتاب یوسف زے صفحہ ۴۲۵ سے ماخوذ ہے ۔

۲ ۔ تواریخ عجیب (کالا پانی) تالیف مولوی محمد جعفر تھاینسری مرتبۂ محمد ایوب قادری ، فٹ نوٹ نمبر ۲ صفحہ ۶۳-۶۴

وقت میں :

رفاقت نمودن به تو هست فرض
بدانی که برتست مانند قرض
نه بر تو که کلمه گویان کل
شده فرض بردین جویان کل
به آن شاهزاده حمایت کنید
به دین پیمبر رعایت کنید
که این ننگ دیں مومناں را سزاست
ز درگاه حق خود به نیکی جزاست
نیارند گر اهل اسلام ننگ
بس از دست دشمن بگردند تنگ

اخوند صاحب کو جب یہ خط ملا تو آپ فرمایا :

دریں وقت بیشک غزا ست ایس
چوشد شاهزاده سر مومنیں
امارت به شهزاده آمد درست
که هستند سادات سر از نخست

آخر ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) کو جنگ امبیلہ کا آغاز ھؤا - جنرل چمبرلین انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا - مجاھدین بڑی جانبازی ، شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے - مجاھدین اور انگریزی فوجوں میں دس بارہ معرکے بڑے زور کے ہوئے -

جہاد میں اخوند صاحب کی شرکت :

اخوند صاحب کو اس جنگ کی اطلاع خط کے ذریعے سے پہلے ھی دی جا چکی تھی - اُنھوں نے اپنے علاقے میں جہاد کا اعلان عام کر دیا - اور اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ ھر شخص ھتھیار اور کھانے پینے کا سامان لے کر فوراً میدان جنگ پہنچ جائے - اخوند صاحب نے سیدو شریف سے روانہ ھو کر منگورہ میں قیام کیا اور وھاں نماز جمعہ کے بعد ایک خطبہ دیتے ہوئے جہاد کی اھمیت اور فضائل بیان کیے اور اسی خطبے میں

اعلان کیا کہ اگر انگریز اس علاقے پر قابض ہو گئے تو میں اس ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جاؤں گا (۱) -

امبیلہ میں تشریف آوری :

غالباً مجاہدین اور انگریزی فوجوں میں تین معرکے ہوچکے تھے کہ آپ امبیلہ پہنچے اور آپ نے امبیلہ کی مسجد میں قیام فرمایا - مجاہدوں کے امیر اور شہزادہ مبارک شاہ نے آپ سے مسجد میں ملاقات کی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخوند صاحب مولانا عبداللہ امیر مجاہدین کے عقائد کے متعلق کچھ مطمئن نہ تھے - مولانا عبداللہ نے اخوند صاحب سے ملاقات کرتے ہی نہایت سوز دل سے اخوند صاحب سے کہا کہ آپ پہلے میرے عقائد سن لیجیے تا کہ آپ پر میرے مذہب کی حقیقت واضح ہو جائے - اُن کے عقائد سن لینے کے بعد ، اخوند صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ، میں آپ کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں - اور ہر وقت آپ کا خیر خواہ ہوں - پھر محبت سے گلے لگا کر فرمایا کہ آج میرے اور آپ کے ناموس پر حملہ ہؤا ہے ، ہمارا فرض ہے کہ ہم مل کر انگریزوں سے لڑیں -

انگریز کمشنر کا مکتوب :

اسی اثنا میں انگریز کمشنر نے ایک خط میں اخوند صاحب کو لکھا کہ آپ کیوں ناحق لوگوں کو قتل کرا رہے ہیں - برطانیہ کی طاقت بہت بڑی ہے - یہ لوگ اُن کے نئے آلات حرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے - آپ درویش ہیں ، بہتر یہ ہے کہ آپ گوشہ نشینی اختیار فرمائیں - ان مجاہدین سے آپ کا اختلاف رہا ہے ہم تو صرف مجاہدین کو ملکا سے نکالنا چاہتے ہیں -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سرگزشت مجاہدین جلد ۴، صفحہ ۳۴۳ ، ۳۴۴ اور ۳۵۶ سے ماخوذ ہے -

اخوند صاحب کا جواب :

اخوند صاحب نے کمشنر کو جواب میں لکھا کہ بیشک آپ قوی ہیں ، لیکن آپ سے بھی زیادہ ایک قوی اور منصف ہستی موجود ہے ، جس نے اصحاب فیل کو ابابیلوں سے تباہ کرایا ، فرعون کو غرق کیا ، نمرود کو مچھر سے ہلاک کرایا ۔ بلاشبہ میں فقیر ہوں ۔ لیکن آپ کیوں بار بار فقیروں پر چڑھائی کرتے ہیں ، یہ طرزِ عمل آپ کی حکومت کی شان کے خلاف ہے ۔

مجاہدین ، امبیلہ کے معرکوں میں بڑی سرگرمی اور خلوص سے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے خود حضرت اخوند سوات جب مجاہدین کو پروانہ وار شمع حق پر قربان ہوتا ہؤا دیکھتے تو بیتاب ہو کر گھوڑے پر بیٹھ کر ادھر اُدھر دوڑتے اور ہر ایک سے کہتے کہ جاؤ اور ان بہادروں کی مدد کرو ۔ کبھی کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے :

الٰہی بدہ فتح اسلام را
بکن غرق خصم بد انجام را

انگریزوں نے مجاہدین کے عزم و استقلال کو دیکھ کر محسوس کر لیا کہ مجاہدین سے توپ و تفنگ سے مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ اب اُنھوں نے مکاری ، کیادی ، فریب ، اور پھوٹ ڈالنے کے حربوں سے کام لینا شروع کیا ۔ اُنھوں نے دیر اور بنیر کے خوانین کو خرید لیا ۔ ان کے قبائلیوں نے ہمت ہاردی ۔ باجوڑ اور دیر کے قبائلی واپس ہونے لگے ۔ بعض خوانین نے انگریزوں سے مل کر اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ انگریز کے ساتھ مل کر ، خود ملکا کو جلا دیں گے ۔ اس پر بھی اخوند صاحب انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن مجاہدین کے لشکر میں ایک عام افسردگی پھیل چکی تھی ۔ آخر اخوند صاحب نے یہ محسوس کر کے کہ خوانین بنیر ملکا کو نذر آتش کرنے پر آمادگی ظاہر کر چکے ہیں اور جس درجے میں بھی ملکا کو بچایا جا سکے بچایا جائے ، اُنھوں نے یہ شرط لگادی کہ انگریز ملکا جائیں اور دو ایک مکان جلا کر واپس آجائیں تو وہ بھی میدان جنگ سے ہٹ جائیں گے ، ورنہ وہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے ۔ انگریزوں نے یہ شرط

مان لی - مشہور یہ ہے کہ ملکا کے دو ایک مکان جلائے گئے اور اس طرح یہ جنگ ختم ہو گئی - شہدا کو میدان جنگ کے ایک گوشے میں دفن کیا گیا - جس جگہ حضرت اخوند صاحب سوات ٹھیرے ہوئے تھے وہاں ایک کچی مسجد تعمیر کی گئی - بعد میں اس جگہ حکومت سوات نے ایک پختہ اور شاندار مسجد تعمیر کرادی (۱) -

صاحب حیات افغانی کا بیان

صاحب حیات افغانی نے آپ کے حالات کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا کہ :

''اخوند صاحب کا نام عبدالغفور ہے - ان کی قوم صافی یا صاپی ہے - بعض لوگ صافی کو سید سے نسبت دیتے ہیں اور بعضے ان کو سڑابنی افغانوں کی ایک شاخ سمجھتے ہیں - وہ بچپن میں والدین کے حکم سے مویشی چراتے تھے - مگر خورد سالی ہی میں یہ کیفیت تھی کہ جس گائے یا بکری کا دودھ پیتے اس کو رسی میں باندھ کر چرایا کرتے تاکہ بیگانوں کی زراعت میں چرنے نہ پائے - وہ اٹھارہ سال کی عمر میں برن گولہ چلے گئے اور وہاں لکھنا پڑھنا سیکھا اور ایک عرصے تک حصول علم میں مشغول رہے - پھر وہ گوجر گڑھی علاقۂ یوسف زئی میں تشریف لائے اور عبدالحکیم اخون زادہ کی مسجد میں رہنے لگے - کچھ عرصے کے بعد تورڈھیڑی میں تشریف لے گئے اور صاحبزادہ محمد شعیب کے مرید ہو گئے - صاحبزادہ محمد شعیب حافظ جی صاحب عمر زئی کے اور حافظ جی صاحب بشونی صاحب کے اور بشونی صاحب مشہور صاحب طریقت فقیر بہیر والی کے مرید تھے - ان کے مرید چاروں سلسلوں یعنی نقشبندیہ ، سہروردیہ ، قادریہ اور چشتیہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے - اخوند صاحب نے پہلا طریقہ اختیار کیا اور متصل ھنڈکی

---

۱ - یہ تمام تفصیل سرگزشت مجاھدین - صفحہ ۳۳۶ - ۳۶۵ - ۳۶۶، اور کالا پانی صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۵ و یوسف زے پٹھان صفحہ ۲۲۸ و ۲۹ سے ماخوذ ہے -

موضع بیکی میں لب دریائے سندھ قیام کرکے اس طریقے کی اشاعت کی اور وھاں ایک جھونپڑی میں بارہ برس تک عبادت کرتے رھے ۔ مگر سید احمد اور خادے خاں کے معاملے میں دخل دینے سے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ۔ تب وہ غلامان تپہ حذر زئی میں آ رھے اور وھیں ان کو شہرت حاصل ھوئی ۔ پھر وھاں سے ترک سکونت کرکے موضع سلیم خان میں اقامت اختیار کی ۔ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ ع) میں جب سکھ اور افغانوں کی لڑائی ھوئی تو امیر دوست محمد خاں نے شمولیت جہاد خیبر میں ان کو طلب کیا ۔ وہ بہت سے غازی اور طالب علم لے کر وھاں پہنچے مگر وھاں سلطان محمد خاں کے منصوبے نے کام بگاڑ دیا ۔ جب امیر کی فوج لڑنے سے پہلے واپس چلی گئی، تو اخوند صاحب باجوڑ آئے ۔ ساتھیوں نے ان کا ساتھ ترک کر دیا ۔ کچھ عرصے کے بعد کوہ رانی زئی میں بمقام گل درہ قیام کیا ۔ جہاں ان کا نام خوب چمکا ۔ اس کے کچھ عرصے بعد ان کو موضع سیدو، علاقۂ سوات میں زمین دی گئی اور موضع سیدو ھی میں انھوں نے شادی کی ۔ ان کے دو فرزند ھیں ۔ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ع) میں درہ امبیلہ میں انھوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا ۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور مکروھات و منہیات سے پرھیز انتہا درجے پر کرتے تھے ۔

وفات

حضرت اخوند صاحب نے ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ ع (۱۲۹۵ھ) کو سیدوشریف میں وفات پائی ۔ وھیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ھے ۔

ان کے بعد اخوند صاحب کے پوتے میاں گل عبدالودود نے حکومت کا منصب حاصل کیا اور اب عبدالودود کے صاحبزادے جہاں زیب سوات کے حکمران ھیں ۔

---

۱ ۔ ماخوذ از حیات افغانی صفحہ ۲۰۹ تا ۱۲۱۱ ۔

(۲۹)

حضرت سید امیر معروف بہ کوٹا ملّا صاحب

حالات

سوات کے بالائی علاقے میں جس طرح اخوند صاحب کو غیر معمولی شہرت حاصل تھی اسی طرح میدانی علاقے میں کوٹاملا صاحب مشہور ہیں ۔ وہ جلیل القدر عالم با عمل اور صاحب فہم و فراست بزرگ تھے ۔ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ انہیں ملکی سیاست سے بھی بڑی دلچسپی تھی ۔ تحریک مجاھدین سے انہیں خاص لگاؤ تھا ۔ اس دور کے بہت سے علما نے جو سیاسیات سے دل چسپی نہ رکھتے تھے ان کے عقائد کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا تھا ۔ لیکن باوجود ان کی شدید مخالفت کے وہ نہایت ھی عزم و استقلال کے ساتھ اپنے ارادے پر قائم رہے ۔ لوگ انھیں پیر روشان کا معتقد اور تحریک مجاھدین میں شامل ہونے کی وجہ سے وھابی پکارتے تھے ۔ لیکن انھیں اس کی بالکل پروا نہ تھی ۔ وہ اپنے وطن موضع کوٹہ (تحصیل صوابی) کی وجہ سے کوٹہ ملا کے نام سے مشہور ہیں ۔

شاہ شجاع کی عقیدت :

حضرت کوٹاملا کے خلیفہ فیض اللہ خاں کا بیان ھے کہ شاہ شجاع(۱) فرمانروائے افغانستان کو کوٹا ملا صاحب سے بے حد عقیدت تھی ۔ چناں چہ جب وہ لدھیانے میں نظر بند تھا تو اس نے کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں آدمی بھیج کر دعا کی درخواست کی ۔ جب شاہ شجاع دوبارہ افغانستان میں تخت پر بیٹھا تو کوٹاملا صاحب نے ایک خاص آدمی کے

---

۱ ۔ شاہ شجاع بن تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی ۔

ذریعہ سے ایک خط اس کو بھیجا ۔ جس میں لکھا کہ :

''انگریز کی بیخ کنی کا سامان مکمل کر لیا گیا ۔ لیکن اس کی ابتدا تم کرو تاکہ نیک نام ہو جاؤ اور خواص و عوام میں ہر دلعزیز ہو ۔ بصورت دیگر اگر تم نے اس میں کاہلی سے کام لیا تو تم خود بہ خود معزول ہو جاؤ گے ۔ یہ کام یقیناً شدنی ہے اور میرا اس پر محکم عقیدہ ہے ۔''

لیکن وہ انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا ۔ اس نے آپ کے مشورے کو مسترد کر دیا ۔ یہ خط غالباً انگریزوں کے حوالے کر دیا اور اس نے آپ کو جواب میں لکھا کہ :

''میں انگریز کے ساتھ بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا ۔ وہ اہل کتاب ہیں اس لیے مشرکوں سے بہترین اور نرم دل ہیں ۔ اس لیے یہودیوں کے قریب تر ۔ چہ جائیکہ میں انھیں بذریعہ جہاد کابل سے نکال دوں ۔ یہ نہیں ہوسکتا ۔

جب شاہ شجاع کے جواب کا علم افغانستان کے دوسرے زعما کو ہؤا تو انھوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھیج کر آپ سے دعا کے طالب ہوئے (۱) ۔

تحریک مجاہدین سے وابستگی

تحریک مجاہدین سے حضرت کوٹا ملا صاحب کی بڑی وابستگی تھی ۔ اس بنا پر ان کے خلاف وہابی ہونے کا بڑا پروپیگنڈا کیا گیا اور آپ کو وہابیت کے الزام کی بنا پر بہت سی مصیبتوں میں اُلجھایا گیا ۔

مولانا غلام رسول مہر نے سیرت ''سید احمد شہید'' میں بہ حوالۂ ''سیرۃ لاولی الابصار'' لکھا ہے کہ :

''اخوند سید امیر عرف ملا صاحب کوٹا کے جدامجد طریقِ مجددیہ کے شیخ تھے ۔ جب حضرت سید احمد شہید نے تسخیر

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ''یوسف زے پٹھان'' صفحہ ۵۴۲ تا ۵۴۷ سے ماخوذ ہیں ۔

اٹک کی مہم شروع کی تو اٹک میں رنگریزوں کا ایک خاندان ملا کوٹا کے خاندان کا مرید تھا ۔ اس خاندان نے سید صاحب کی اس مہم کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا ۔ سیڑھیاں اور رسے انھیں کے ھاں رکھے گئے تھے ۔ افسوس ھے کہ بعض غداروں کی مخبری کی وجہ سے یہ مہم ناکام ھوگئی ۔ اس مہم کی ناکامی کی وجہ ''سیرۃ لاولی الابصار'' کے مؤلف عبدالجبار شاہ نے یہ لکھی ھے کہ :

اخوند صاحب سوات اس زمانے میں بیکی کے قریب دریائے سندھ کے کنارے ایک غار میں رھتے تھے یہیں انھوں نے بارہ سال عبادت و ریاضت اور چلہ کشی میں گزارے ۔ ملا صاحب کوٹا اور اخوند صاحب سے بہت گہرے روابط تھے ۔ اخوند صاحب ملا صاحب کوٹا کے پاس بھی آتے جاتے تھے اور انھیں ان کے ذریعہ سے اٹک کی یورش کا علم ھو گیا تھا ۔ زھد و ریاضت کی وجہ سے خادے خاں بھی بہ حیثیت ایک معتقد کے اخوند صاحب کے پاس آتا جاتا تھا ۔ یہ وہ شخص تھا جو پہلے سید صاحب کا سر گرم مرید تھا لیکن بعد میں منحرف ھوچکا تھا ۔ اخوند صاحب سوات کو اس کے انحراف کا علم نہ تھا ۔ انھوں نے باتوں ھی باتوں میں یورشِ اٹک کا تذکرہ خادے خاں سے کر دیا ۔ خادے خاں وھاں تو خاموشی سے سنتا رھا لیکن اس نے اس کی اطلاع پاتے ھی ایک تیز سوار ھری سنگھ نلوہ حاکمِ ھزارہ کے پاس بھیجا ۔ اسے اس یورش کی قبل از وقت اطلاع دے دی ۔ اس نے خزانہ مل کو حکم دیا کہ رنگریزوں کے گھر کی تلاشی لی جائے ۔ ان غریبوں کے گھر کی تلاشی لی گئی ۔ مجاھدین کا سامان ان کے گھر سے ملا ۔ رنگریز گرفتار کر لیے گئے اور ان غریبوں کو موت کی سزا دی گئی ۔

احوند صاحب سوات کو جب اپنی اس نادانستہ خطرناک غلطی

کا علم هؤا تو وه اپنی غلطی پر اس قدر نادم هوئے که بیکی کو چھوڑ کر کسی نا معلوم مقام پر چلے گئے ۔ کئی برس کے بعد زیارت غلاماں میں ان کا پتا چلا ۔ کہتے هیں که اخوند صاحب اور ملا صاحب کوٹا میں اسی وقت سے اختلاف پیداهؤا (۱) ۔

عظمت و جلالت

ملا صاحب کوٹا کو آج بھی مغربی پاکستان کے صوبۂ سرحد میں بڑی عزت و عظمت سے دیکھا جاتا ھے ۔ ملت اسلامیه کی جو خدمات انھوں نے انجام دیں ملت اسلامیه کبھی ان کو فراموش نه کرسکے گی ۔

اخلاق :

حضرت ملا صاحب کوٹا اخلاق‌حسنه ، اور اتباع رسول اکرم صلی‌الله علیه وآله وسلم کے پیکر تھے ۔

ملا صفی الله نے جو حضرت ملا کوٹا کے مرید و خلیفه تھے اپنی کتاب نظم الدرر فی سلک السیر میں آپ کے اخلاق حسنه کو سراهتے هوئے لکھا که :

حضرتنا و مولانا رضی‌الله تعالیٰ عنه و ارضاه اخلاقے است حسن و خصائلے است احسن که‌بیان آں برلسان تقریر و شرح‌آں بقلم تحریر نگنجد(۲)	حضرتنا و مولانا (ملا کوٹا صاحب) کے اخلاق هیں حسن اور خصائل هیں احسن که ان کا بیان لسان تقریر سے اور اُن کی شرح قلم تحریر سے ممکن نهیں ۔

---

۱ ـ یه تمام تفصیل ''سیرت سید احمد شهید'' جلد ۲ صفحه ۸۶تا۸۷ به حواله ''عبرة لا ولی الابصار'' ماخوذ ھے ۔

۲ ـ ''نظم‌الدرر فی‌سلک‌السیر'' تالیف ملاصفی‌الله ـ مطبوعه مطبع‌فاروق دهلی ـ صفحه ۶۵ ـ

اتباع رسول اکرم :

اتباع رسول کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نقش قدم پر ڈھالا تھا ، یہاں تک کہ کھانے ، پینے ، اُٹھنے بیٹھنے ، چلنے پھرنے ، سونے جاگنے غرض کہ زندگی کے ہر لمحے میں وہ اتباع رسول اکرم کو پیش نظر رکھتے تھے - نظم الدرر فی سلک السیر میں ہے کہ :

دریں زمانہ حضرتنا و مولانا ... از اتباع سنت و پیروی جماعت حصہ تام وبہرۂ عام دارد ، تا غایتے کہ برقول و فعل او از خوردن ونوشیدن وخواب کردن ، و وضو ساختن ، و رفتن و نشستن و خاستن وجز آن بروفق قول و فعل حضرت سیدالمرسلین است صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و در ہیچ وقت از اوقات ولمحہ از لمحات تخالف زو رواندارد ، و نہایت حریص ومبالغ است بر اتباع او صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (۱)

اس زمانے میں حضرتنا و مولانا (ملا کوڑا صاحب) اتباع اورپیروی جماعت میں حصۂ تمام اور بہرۂ عام رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے قول وفعل میں یعنی کھانے پینے ، سونے ، وضو کرنے ، چلنے بیٹھنے ، اُٹھنے ، اور ان کے علاوہ ہر چیز سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے موافق ہے ، اور اپنے اوقات اور لمحات میں سے کسی وقت اور کسی لمحہ اتباع رسول کے خلاف روا نہیں رکھتے اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نہایت حریص اور مبالغہ کرنے والے ہیں -

حضرت ملا کوڑا اور اخوند سوات کے اختلافات :

ملت اسلامیہ کو جس سے سب سے بڑا نقصان پہنچا ، وہ ہمارے اکابر کے مذہبی مسائل میں فروعی اختلافات ہیں ، جس نے آہستہ آہستہ بڑھ کر ایک مستقل تنازع کی صورت اختیار کر لی ، اور وہ دینی نفع جو ان بزرگوں کی ذات سے خدا کی مخلوق کو پہنچ رہا تھا ، اُن میں یہ اختلافات سد راہ بن گئے - یہی صورت ان دونوں بزرگوں میں پیش آئی - بعض دینی

۱ - ''نظم الدرر فی سلک السیر'' تالیف ملا صفی اللہ - مطبوعہ مطبع فاروق ، دھلی - ص ٦٥

مسائل میں ایک کو دوسرے سے اختلاف ہؤا ، اور یہ اختلافات ان بزرگوں کی اخوت و مودت کی راہ میں سنگ گراں بن گئے - ملا کوٹا کے مرید و خلیفۂ خاص ملا صفی اللہ نے اپنی کتاب سلک السیر میں جو اُنھوں نے اپنے مرشد ملا کوٹا کے حالات و مناقب پر لکھی ھے ، ان اختلافات اور مسائل کی تفصیل دی ھے ، جو ان دونوں بزرگوں کے مابین مابہ النزاع بنے - انھوں نے ان اختلافات کے بیان کرنے میں حضرت اخوند سوات کے متعلق جو انداز بیان اختیار کیا ھے وہ ہماری رائے میں اُن کی کتاب کے قاری پر اچھا اثر نہیں ڈالتا ، لیکن ان دونوں بزرگوں میں اختلاف کیا تھا اور اس اختلاف کی نوعیت کیا تھی ان حقائق تک پہنچنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ھے - ملا صفی اللہ نے اپنی کتاب کے کئی باب حضرت اخوند سوات کے لیے مختص کیے- باب نہم حضرت اخوند سوات کی سوانح پر ھے ، دسواں باب حضرت اخوند سوات کے متبعین پر ھے کہ جن کو اُنھوں نے اپنے خیال کے مطابق منبع شر و فساد بتایا ھے ،گیارھویں باب میں اُنھوں نے حضرت ملا کوٹا صاحب سے حضرت اخوند سوات کے اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ جب حضرت ملا کوٹا صاحب کی شہرت کا آفتاب بلند ہؤا ، اور عقیدت مندوں کا اُن کے گرد ھجوم ہونے لگا تو یہ بات حضرت اخوند سوات کو پسند نہ آئی ، اور اُنھوں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ وہ وھابی ھے ، خدّاع ھے ، اور دنیا کا مال جمع کر رہا ھے - یہ باتیں جب ملا کوٹا صاحب کو پہنچیں تو آپ خاموش رھے اور آپ نے ان پر کوئی اظہار خیال نہیں کیا ، بلکہ اپنے مریدوں کو بھی فرمایا کہ تم اس باب میں کوئی اظہار خیال نہ کرو ، اور اپنی زبان کو بیہودہ باتوں سے محفوظ رکھو کہ انسان کا اصل مقصد حق تعالیٰ کا ذکر ھے ، لیکن جب یہ چرچا گاؤں گاؤں اور شہر بشہر ہونے لگا تو بعض مریدوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ سوات تشریف لے جائیں اور حضرت اخوند سے دریافت کریں کہ آپ یہ نا مناسب باتیں میرے حق میں کس لیے کہتے ھیں - اُس وقت ملا کوٹا صاحب قریہ باجکٹہ علاقۂ بنیر میں تھے ، جو یوسف زئیوں کا علاقہ ھے - آپ سوات جانے کے لیے تیار ہوگئے - ملا صفی اللہ نے

آپ کے اس سفر کے حالات بطور روز نامچے کے لکھے ہیں - ان کا یہ روزنامچہ اس کتاب کے بارھویں باب سے شروع ہوتا ہے - ملا کوٹا صاحب نے یہ سفر ۱۲ محرم ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ع) کو شروع کیا تھا - (۱) راستے میں مختلف قصبات اور دیہات میں قیام کرتے ہوئے اور ہر مقام پر مواعظ و نصائح فرماتے ہوئے اور مختلف بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے ، ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ع) کو قریۂ ہینکورہ میں پہنچے - (۲) ۱۴ ربیع الثانی کو حضرت اخوند سوات بھی آپ کی آمد کی خبر سن کر قریۂ ہینکورہ تشریف لائے - دونوں بزرگوں کی ملاقات اس قریے کے ایک کوچے میں ہوئی - اژدہام کثیر تھا - دونوں بزرگ اس جگہ بیٹھے جہاں نماز جمعہ ہوتی تھی - حضرت اخوند سوات نے فرمایا کہ اس وقت اژدہام اور شور و شغب زیادہ ہے ، اور بات چیت کرنا مشکل ہے ، اگر اجازت ہو تو میں اب جاتا ہوں اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا - حضرت ملا کوٹا نے اجازت دے دی اور دعا فرمائی - حضرت اخوند سوات وہاں سے رخصت ہو کر سیدو شریف تشریف لائے - اور حضرت ملا کوٹہ وہاں سے روانہ ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے - رات کو حضرت اخوند صاحب نے کہلا کر بھیجا کہ میں درد سر میں مبتلا ہوں ، اس لیے حاضر نہیں ہو سکوں گا (۳) -

۱۷ ربیع الثانی کو صاحبزادہ عبدالقادر ساکن قریہ توردیری حضرت اخوند سوات کی جانب سے قاصد کی حیثیت سے آئے اور انھوں نے حضرت اخوند سوات کی طرف سے بہت سے لوگوں کے سامنے یہ پیغام پہنچایا کہ :

اخوند صاحب بمن گفتہ است اخوند صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ که برو و بیش آنحضرت در جمع کثیر جاؤ ، اور حضرت (ملا کوٹا) کے

---

۱ - یہ تمام تفصیل سلک السیر - صفحہ ۱۷۰ ، ۱۷۱ اور ۱۷۲ سے ماخوذ ہے -
۲ - ایضاً - ص ۲۲۸
۳ - ایضاً - ص ۲۲۹

بگوکه فیابین مایان هماں سخن است که در قریۂ پنجتار و قریه محب گفته بودیم ، از عقد اخوت ومن بعد از آں هیچ نگفته ایم اگر کسے منافق فی مابین مایان چیزے گفته باشد از آں عفو نمایند ، ومارا طاقت معارضه و مقابله آنحضرت نیست ، ومن هماں شخصم که بدست هائے خود گیاه و خاشاک برائے جامه فروخته ام و نهال دریں ملک سوادکرده ام الحال چیزے مالک رزق گر دیده ام ، احمق نیستم که بمعارضۂ ایشان ایں قدر معامله را ببازیم (۱)

سامنے مجمع کثیر میں کہو کہ ہم دونوں کے درمیان بات وهی جو میں نے قریۂ پنجتار اور قریۂ محب میں کہی تھی ، اس کے بعه رشتۂ اخوت کی بنا پر میں نے کچھ نہیں کہا ، اگر کوئی منافق همارے درمیان کوئی بات کہتا ھے ، اُس سے معاف فرمائیں ، مجھے آپ سے معارضے اور مقابلے کی طاقت نہیں ، میں وهی شخص ہوں کہ اپنے هاتھ سے گھاس اور خاشاک کپڑوں کے لیے فروخت کرتا تھا ، اور اس طرح میں نے اپنا درخت اس ملک سوات میں لگایا ھے ، اب جب کہ میں کسی قدر رزق کا مالک ہو گیا ہوں ، میں احمق نہیں ہوں کہ ان چیزوں پر یہ کھیل کھیلوں

اس کے بعد صاحبزادہ عبدالقادر نے کہا کہ حضرت اخوند سوات نے یہ بھی فرمایا ھے کہ آپ کا سوات میں تشریف لانا مجھے ایسا دکھائی دیتا ھے جیسا کہ کوئی بت کو سجدہ کرے ۔ اگر آپ مجھے بلانا چاهیں تو میں رسی گلے میں ڈال کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا ۔ جب صاحبزادہ عبدالقادر حضرت اخوند سوات کا یہ پیغام پہنچا چکے تو حضرت ملا کوٹا صاحب نے حضرت اخوند سوات ، اُن کے خاندان اور اُن کے مریدوں کے لیے دعا فرمائی ، اور اُن کی خطا سے درگذر فرما کر معاف کر دیا ، اور فرمایا کہ هم اُن سے رشتۂ اخوت کو ہرگز نہ توڑیں گے ، اور ۱۸ ربیع الثانی جمعه کے دن آپ وهاں سے واپسی کے قصد سے روانه ہوئے ، اور مختلف

---

۱ ۔ ''سلک السیر'' ۔ ص ۲۳۱۔

مقامات پر ٹھیرتے ہوئے ۲ جمادی الثانی کو اپنے وطن کوٹھ پہنچے (۱) ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح زیادہ دن تک قائم نہیں رہی ، اور بعض فتنہ پردازوں نے پھر ان دونوں بزرگوں کے درمیان اختلاف کی اس دیوار کو کھڑا کر دیا ۔

ملا صفی اللہ نے اپنی اس کتاب کے تیرھویں باب میں لکھا کہ حضرت ملا کوٹا صاحب اپنے وطن تشریف لانے کے بعد ذکرِ حق تعالی ، عبادت اور اطاعت میں مصروف ہوگئے ، اور حضرت اخوند سوات اور آپ کے مریدوں نے پھر آپ کی مخالفت شروع کر دی ، اور قریہ بہ قریہ اور شہر بہ شہر پھرپھر کر کہنا شروع کیا کہ ملا کوٹا دین میں رخنےڈال رہا ہے ۔ وہ اور اُن کے مریدین جو الزامات آپ پر قائم کرتے تھے ، وہ یہ تھے:

(۱) ملا کوڑا کہتے ہیں کہ اللہ تعالی زمین میں ایک کنویں میں تخت پر بیٹھا ہؤا ہے"۔

(۲) نبوت ختم نہیں ہوئی ، اگر رسول اکرم کے بعد کوئی دعوئ پیغمبری کا کرے تو جائز ہے ۔

(۳) ولی کی ولایت ، نبی کی نبوت پر افضل ہے ۔

(۴) ملا کوٹا ، نبی اور جبریل کی اہانت کرتے ہیں ۔

(۵) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ جو انبیا کے لیے معجزہ ہے ، وہ اولیا کے لیے کرامت ہے ۔

(۶) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ اگر میں پیغمبرِ خدا سے پہلے ہوتا تو اپنی نبوت کے لیے سعی کرتا ۔

(۷) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ میں اخوند سوات سے مقابلہ کرنے کے لیےتیار ہوں کہ یا تو وہ زمین سے چشمہ نکالیں یا میں نکالوں ، یا مُردوں کے قبور کا حال میں بیان کروں یا وہ بیان کرے ، اور جو کوئی اس پر قادر ہو وہ ولی ہے ۔

(۸) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ روحِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

---

۱ - ''سلک السیر'' ــ صفحہ ۲۳۱

وسلم کی میرے ساتھ تھی ۔ فلاں مقام سے فلاں مقام تک میرے ساتھ گئی اور میں نے آپ کے لبِ مبارک کو بوسہ دیا تھا ۔

(۹) ملا کوٹا کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت امام ربانی مجددالف ثانی کو ہموزن کیا تو میں نے اپنے آپ کو ان دو بزرگوں کے ہم پلہ پایا ۔

(۱۰) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ حضرت جبریل میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں ۔

(۱۱) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ مجھے مرتبۂ قطبیت و غوثیت حاصل ہے ۔

(۱۲) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ سورۂ فتح کی فلاں آیت مجھ پر نازل ہوئی ۔

(۱۳) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ صدقات و خیرات اموات کو فائدہ نہیں پہنچاتے ۔

(۱۴) ملا کوٹا زیارت قبور سے منع کرتے ہیں ۔

یہ تھے وہ اعتراضات جو حضرت اخوند سوات کی جانب سے حضرت ملا کوٹا پر کیے جاتے تھے ، اور حضرت ملا کوٹا کی جانب سے ان میں سے اکثر کی تردید اور بعض کی تاویل کی جاتی تھی ۔

اسی طرح حضرت ملا کوٹا کے مریدین بھی حضرت اخوند سوات پر بعض الزامات لگاتے تھے ۔ وہ یہ تھے کہ

(۱) حضرت اخوند سوات کے مریدین کہتے ہیں کہ جو کوئی ملا کوٹا اور اُن کے مریدین کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اُن کی اور اُن کے امام کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ، انہیں نماز کا از سر نو اعادہ کرنا چاہیے ۔

(۲) ملا کوٹا اور اُن کے مریدین کی توبہ قبول نہیں ہو گی ، جب تک کہ اُن کی توبہ ہمارے صاحب عبدالغفور اخوند سوات قبول نہ کریں ۔

(۳) جو کوئی ملا کوٹا پر سب و شتم کرے ، اُن کو کافر کہے وہ مومن ہے ، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو کافر ہے ۔

(۴) وہ غزلیں اور رباعیات اور چہاربیت جو ملا کوٹا صاحب کی برائی میں لکھے گئے ہیں ، وہ اولیٰ و افضل ہیں تلاوت قرآن مجید ، ذکر حق تعالیٰ اور درود پیغمبر علیہ السلام سے اور اُن کا ثواب ان سب کے ثواب

سے زیادہ ہے ، بلکہ اس قسم کی غزلوں کا کہنا فرض عین ہے ، پس ہر ایک پر لازم ہے کہ ان پر مداومت کریں ، بلکہ ہر پانچ نماز کے بعد اس کا ثواب اپنے والدین کی روح ، اور دوسرے حق داروں کو بخشیں ، تاکہ اُن کی برکت سے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ۔

(۵) حضرت ملا کوٹا اور اُن کے متبعین اور مریدین اگرچہ کلمۂ شہادت کا اقرار کرتے ہیں ، اور نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں ، اور تمام ظاہرہ گناہوں سے احتراز کرتے ہیں ، لیکن وہ مسلمان نہیں ہیں ، اس لیے کہ اُن کے سینوں میں کفر چھپا ہؤا ہے اور اپنے سینوں میں ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل سے یہ کفر باہر نہیں ہوتا ، اس لیے اُن کا ظاہر ان کو فائدہ نہیں پہنچاتا (۱) ۔

یہ تھے وہ الزامات جو ملا کوٹا کے مریدین و متبعین حضرت اخوند سوات اور اُن کے متبعین پر لگا کر ان تمام الزامات کے جواب دیتے تھے ۔

دونوں بزرگوں کے مریدین و متبعین کے یہ اعتراضات اور الزامات جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اختلافات سے دینی مقاصد کو کس قدر نقصان پہنچتا رہا ہے ۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے متبعین کے ان مباحث نے تحریری اور تقریری مناظروں کی صورت اختیار کی ۔ حضرت اخوند سوات کے مریدین و متبعین نے حضرت ملا کوٹا کے خلاف ایک فتویٰ مرتب کر کے اُس کو گاؤں گاؤں پھیلایا ۔ ادھر ملا کوٹا کے مرید و خلیفۂ خاص ملا صفی‌اللہ مؤلف ”سلک‌السیر“ نے اس کے رد میں ایک رسالہ ”قول الحق المبین فی رد اقوال المبتدعین“ کے نام سے لکھا ، اور وہ رسالہ شہر پشاور میں علما کے سامنے اس غرض سے پیش کیا گیا کہ

---

۱ ۔ ملا کوٹا پر حضرت اخوند سوات کے مریدین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات ، اسی طرح حضرت ملا کوٹا کے مریدین کے الزامات اور اُن کے جوابات ”سلک‌السیر“ صفحہ ۲۴۲ سے ۲۵۶ تک مذکور ہیں ۔ ہم نے صرف الزامات کو نقل کیا ہے ، ان کے جوابات کی تفصیل ”سلک‌السیر“ میں ملتی ہے ۔

اس کے مضامین صحیح ہیں یا غلط واضح کریں (۱) - یہ ہنگامہ یہیں پر ختم نہیں ہؤا بلکہ ملا صفی اللہ مرید حضرت ملا کوٹا کا بیان ہے کہ ان اختلافات کی بنا پر حضرت ملا صاحب کوٹا کو قید فرنگ کا سامنا کرنا پڑا ، اور ۲۶ شوال شب دوشنبہ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ع) کو انگریزوں نے آپ کو مردان چھاونی میں قید کر دیا - تقریباً ایک سال تک آپ قید فرنگ میں رہے ، آخر چہار شنبہ ۹ محرم ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ع) کو آپ اس قید سے رہا ہوئے(۲) اور اپنے وطن کوڈہ تشریف لائے - چند روز کے قیام کے بعد بُنیر کے علما اور ملکوں کا آپ کو پیغام پہنچا کہ حضرت یہاں تشریف لائیں ، بعض مسائل میں آپ سے مشورہ کرنا ہے - چنانچہ آپ بُنیر پہنچ کر موضع باجکٹہ میں مقیم ہوئے - وہاں کے ملکوں اور علما نے آپ سے عرض کیا کہ ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ایک اور مرتبہ سوات جائیں ، اس سفر میں ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے(۳) اور حضرت اخوند سوات سے ان اختلافی مسائل پر گفتگو کریں تا کہ اختلافات کا دروازہ بند ہو - آپ ان لوگوں کے اصرار پر سوات روانہ ہوئے ، آپ کے ساتھ علما میں سے ملا صاحب دوڑو ، مولوی بحرالدین صاحب ، مولوی صاحب کوهستان ساکن موضع جیجال ، مولوی ابوالحسن بہاری ، مدثر صاحبزادہ صاحب قریہ ٹوپی ، ملا صاحب قریہ بھکڑہ اور ان کے علاوہ امان زئی ملکوں میں سے منورہ خاں ، حسین خاں اور امان اللہ خاں وغیرہ تھے - سوات کے قریب پہنچ کر آپ نے پہلے ایک وفد روانہ کیا تاکہ وہ دونوں بزرگوں کی ملاقات کا وقت طے کرے لیکن یہ وفد ناکام ہوگیا (۳) - مختصر یہ کہ اختلافات بڑھتے گئے ، مناظرے ہوتے رہے ، آخر بنیر کے ملکوں نے متفقہ طور عاصم خاں والئی باجکٹہ پر زور دیا کہ وہ حضرت ملا کوٹا کو اپنے قریہ باجکٹہ سے نکال دے ، ورنہ پھر ہم

---

۱ - ''سلک السیر'' - ص ۲۵۷
۲ - ایضاً - ص ۲۶۵ - ۲۶۶
۳ - ایضاً - ص ۲۸۸

سب مل کر اُس سے جنگ کریں گے - عاصم خاں نے ساری صورتِ حال حضرت ملا کوٹا کے سامنے پیش کی - آپ نے مصلحتاً باجکٹه کو چھوڑ دیا ، اور قریۂ متوانری میں تشریف لے آئے ، مختصر یه کہ یه اختلافات ان دونوں بزرگوں میں دور نہیں ہوسکے -

(۳۰)

ہڈے مُلا صاحب

حالات :

حضرت اخوند عبدالغفور کے خلفا میں جس بزرگ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی وہ ہڈے ملا صاحب ہیں ۔ وہ صاحب باطن بھی تھے اور صاحبِ سیف بھی ۔ انھوں نے جہاں اپنے فیوضِ روحانی سے مغربی پاکستان کے سابق صوبۂ سرحد کو منور و درخشاں بنایا ، وہاں انھوں نے انگریزوں کے استبداد کے خلاف تلوار اٹھائی ، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ جہاد بالسیف میں گزارا ۔

ان کا اصل نام تو نجم الدین اخوند زادہ تھا لیکن وہ مشہور 'ملا ہڈہ کے نام سے ہوئے ۔ 'ملا ہڈہ اصل میں تو افغانستان کے علاقے شیلگر کے رہنے والے تھے جو غزنین کے ملحقات میں شامل ہے ۔ اس علاقے میں احمد زئی اور سلطان خیل قبائل کے لوگ آباد ہیں ۔ ہڈے 'ملا صاحب نسباً آخرالذکر سلطان خیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ، لیکن ان کے نام کے ساتھ آخوند زادہ کا لقب وابستہ ہونے سے قیاس غالب یہ ہے کہ اُن کا خاندان صاحبِ علم و فضل خاندان تھا اور اُسی خانوادے کے ایک روشن چراغ یہ بھی تھے ۔

تعلیم :

ملا ہڈہ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے شیلگر ، پھر سبدلھوگر اور غزنین میں حاصل کی ۔ پھر حصولِ علم کے لیے کابل تشریف لے گئے اور وہاں محلۂ تندورسازاں میں مقیم رہ کر جو اُس وقت اہلِ علم و صاحبانِ کمال کا مرکز تھا وہاں کے مختلف علما سے تعلیم حاصل کی ۔

ھڈہ میں تشریف آوری :

علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد وہ افغانستان کے مشہور شہر جلال آباد میں تشریف لائے اور وہاں سے اس شہر کے قریب ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوبی جانب ھڈہ نامی موضع میں سکونت پذیر ہوئے - ابتداً یہ قیام عارضی تھا ، لیکن آخر عمر میں وہ مستقل طور پر اسی موضع میں آباد ہو گئے تھے - اسی توطن کی نسبت سے وہ ھڈے مُلا کے نام سے مشہور ہوئے -

ہماری ثقافتی تاریخ شاہد ہے کہ مغربی پاکستان اور افغانستان کے سمتِ مشرق جلال آباد کے مختلف علاقوں کے روحانی اور عرفانی رشتے ایک طویل عرصے سے قائم ہیں - ہمارے علاقے مغربی پاکستان کے بہت سے صوفیائے کرام نے جلال آباد اور اس کے نواح میں تشریف لے جا کر عرفان و ہدایت کے نور کو عام کیا ہے اور اسلامی روح ، اسلامی فکر اور اسلامی کردار اور اسلامی سرمایۂ زندگی کو تباہ ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے اور اسی طرح سمت مشرق جلال آباد سے جسے آج کل ننگرہار کہتے ہیں بہت سے جلیل القدر علما اور صوفیائے کرام مغربی پاکستان میں تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کے لیے تشریف لائے اور اُنھوں نے ہمارے ملک کے اس حصے میں فیضانِ ہدایت کو عام کیا - ان آنے والے بزرگوں میں حضرت مولانا شیخ سید مصطفیٰ محمد ترمذی (۱) ، شیخ فقیر اللہ

---

۱ - حضرت مولنا شیخ سید مصطفیٰ محمد ، علاقہ بنیر کے روحانی پیشوا حضرت سید علی ترمذی کے صاحبزادے تھے - ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ء) میں ننگرہار تشریف لائے ، اور مستقل طور پر وہیں سکونت اختیار کرلی - آپ کا مزار مبارک دونائی پشت میں ہے- حضرت سید مصطفی کےہی کی اولاد سے تاریخ اسلام کی وہ مشہور شخصیت اُبھری ، جو اتحادِ عالم اسلامی کا اولین داعی تھی ، اور جنھیں دنیا ”جمال الدین افغانی“ کے نام سے جانتی ہے -

جلال آبادی (۱) ، شیخ میاں محمد نعیم (۲) اور شیخ سید شاہ محمد غوث قادری لاھوری خاص طور پر قابلِ ذکر ھیں ۔

---

۱ - آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ علوی ، آپ کے والد کا نام شاہ عبدالرحمٰن ، اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا ۔ شاہ فقیر اللہ کی ولادت باسعادت گیارھویں صدی ھجری کے بالکل اوائل میں روتاس میں ھوئی ، آپ کا وطن حصارک و جلال آباد (افغانستان) ھے ۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے علومِ ظاھری کی تکمیل افغانستان اور ھندوستان کے مختلف علاقوں میں کی اور اپنے تبحر علمی کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز ترین علما میں ھوتا ھے ۔ علوم ظاھری کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رھے اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ھوئے ۔ اُسی زمانے میں آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ، جو اپنے زمانے کے اکابر اولیا میں تھے ۔ آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ھے :

شاہ فقیر اللہ علوی ، شیخ محمد مسعود دائم ، شیخ محمد سعید لاھوری ، شیخ آدم بنوری ، حضرت مجدد سرھندی فاروقی نقشبندی ۔

شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصے تک قندھار میں مقیم رھے ، اور قندھار میں آپ نے خود بھی تعلیم پائی اور تعلیم بھی دی ۔ قندھار میں اب تک ایک مسجد آپ کے نام سے موسوم ھے ۔

مختلف ممالکِ کی سیاحت کے بعد آپ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں شکار پور (سندھ) تشریف لائے ۔ سندھ کی سر زمین آپ کو

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۷ پر)

اسی طرح حضرت ھڈے ملا صاحب بھی ھڈے سے روانہ ھوکر پشاور ڈویژن کی مشہور ریاست سوات کے مرکزی شہر سیدو شریف میں تشریف لائے

(صفحہ ۵۷٦ کا بقیہ حاشیہ)

کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکارپور ھی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد نقشبندیہ سلسلے کا ایک بڑا مرکز بنی -

شاہ فقیر اللہ کی ذات گرامی علم و فضل ، زھد و ورع ، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندہ ، پشاور ، لاھور ، ھرات و قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے ، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ھو کر جاتے تھے -

شاھانِ وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت سمجھتے - اُس زمانے میں افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسراقتدار تھا ، قلات میں نصیر جان بلوچ کی حکم رانی تھی اور سندہ میں میاں سرفراز خاں کلھوڑا مسند آرائے سلطنت تھا - یہ تینوں فرمانروا آپ کی خدمت میں حاضر ھوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستاں بوسی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے ، اور آپ ان کی ذھنی اور فکری تربیت فرماتے تھے - آپ کے مکتوبات دیکھنے سے پتا چلتا ھے کہ آپ نے کئی خطوط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھے ھیں جن میں اُسے حسنِ خلق ، خدا ترسی ، اعلائے کلمۃالحق اور صبر کی نصیحتیں فرمائی ھیں - احمد شاہ ابدالی کے وزیراعظم شاہ ولی خاں اور ابدالی کے ولی عھد شھزادہ سلیمان کے نام بھی کئی خط ملتےھیں ، جن میں آپ نے ان دونوں کو متعدد نصائح اور اخلاق درس دیے ھیں،

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۸ پر)

بیعت :

اور حضرت مولانا شیخ اخوند عبدالغفور قادری نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوکر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی اور ریاضتوں

(صفحہ ۵۷۷ کا بقیہ حاشیہ)

اسی طرح ہمیں آپ کے مکاتیب میں نصیر خاں والئی قلات، محمد سرفراز خاں کلھوڑا والئی سندھ، اور محمد خاں بلوچ والئی مکران کے نام بھی آپ کے خطوط ملتے ہیں جن میں آپ نے ان کو حق شناسی، انسان پروری، عرفان اور نیکوکاری کی تلقین فرمائی ہے اور بعض عرفان و تصوف کے مسائل کو نہایت دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے۔

اپنے معاصر علما کی بے حد قدر فرماتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پاک و ہند اور افغانستان کے علما شاہ صاحب سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے، اور ان بزرگوں میں آپس میں خط کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جن علما اور اکابر سے آپ کی خط کتابت اور تعلقات تھے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

(۱) ملا فیض اللہ کاکر قندھاری
(۲) ملا عبدالحکیم کاکر جو نانا جی کے نام سے مشہور تھے اور قندھار کے مشہور پیروں میں تھے
(۳) ملا عبداللہ کاکر
(۴) ملا عبداللہ خرقہ پوش قندھاری
(۵) ملا صاحب داد
(۶) محمد وارث پشاوری
(۷) ملا صلاح بتی کوٹی
(۸) حاجی مولا داد قندھاری

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۹ پر)

اور مجاھدوں کے بعد سلوک و تصوف کے عالی مقامات پر فائز ہونے کے بعد اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔

(صفحہ ۵۷۸ کا بقیہ حاشیہ)

(۹) ملا رحیم داد سنجر خیلی ژوب

شاہ فقیر اللہ علوی نے ملا رحیم داد کو قبائل کا کری ژوب میں الحاد کی تردید اور اعلائے کلمة الحق کے لیے مقرر فرمایا تھا ۔ انھی ملا رحیم داد کی خواھش پر محمد بن محمد الجامی الماسی نے ملاحدہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا ، جس کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے میں موجود ھے ۔ ملا رحیم داد محمد بن جامی شاہ فقیر اللہ کے تبلیغی داعیوں میں خاص امتیاز رکھتے ھیں ۔

سندھ کے علما اور صوفیا میں جن بزرگوں کو شاہ فقیر اللہ علوی سے ربط خاص تھا اور جن سے شاہ صاحب کی مراسلت رھتی تھی ان میں مخدوم محمدمعین ٹھٹوی ، مولانا مخدوم محمدھاشم ٹھٹوی ، سید مرتضائی سیوستانی ، شکر اللہ ٹھٹوی ، عبدالرؤف ھالہ کندی ، سید محمد فاروق لکھوی ، محمد صلاح ھالہ کندی ، تاج محمد خوش نویس ٹھٹوی ، محمد میر داد قاری عرب ، قبول محمد ، حاجی محمد اسماعیل اور پیر سید محمد راشد ابن سید محمد بقا مشہور ھیں ۔

شکار پور کے دوران قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی جس میں متعدد نادر اور نایاب کتابیں تھیں ، لیکن افسوس ھے کہ آپ کے بعد پچاس سال ھی میں اخلاف نے اسلاف کے اس گنج گرانمایہ کو تلف کر دیا جو خدا ھی جانتا ھے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا ۔ اب بھی اس کتب خانے کے کچھ بعض قلمی نسخے کہیں

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۰ پر)

حضرت اخوند عبدالغفور کے خلفا میں حضرت فیض محمد اخوند زادہ معروف بہ مستھی ، صاحبزادہ حضرت مولانا مسعود صاحب ساکن موضع نری ٔاوبہ ملا کنڈ ایجنسی ، حضرت مولانا سعید صاحب ساکن موضع کربوغہ

(صفحہ ۵۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

کہیں نظر آتے ہیں ۔ جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو کعبے میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علما کے اسناد قرآت و اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علوی نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرماکر اپنی مہر ثبت کی ہے ، سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے کراچی میں موجود ہے ۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے اپنی تصانیف کا بھی ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ، جن کی تعداد سترہ ہے ۔ ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں :

(۱) فتح العجیل فی مدارج التکمیل (۲) براھین النجاۃ من مصائب الدنیا و العرصات (۳) فیوضات الٰہیہ (۴) طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاولاد (۵) منتخب الاصول (۶) وثیقۃ الاکابر (۷) قطب الارشاد (۸) فتوحات الغیبیہ فی شرح عقائد الصوفیہ (۹) جواھر الاوراد ، (۱۰) قصیدۂ مبرورہ (۱۱)کتاب الازھارفی ثبوت الآثار (۱۲) فوائد فقیر اللہ (۱۳) شرح قصیدہ بانت السعاد (۱۴) ملفوظات (۱۵) مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی (۱۶) ملفوظات و عملیات (۱۷) شرح ابیات بشکل مثنوی ۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی ۔ عربی ، فارسی اور پشتو میں شعر کہتے تھے ، فارسی میں آپ کا تخلص ''فقیر'' تھا ۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر تبرکاً یہاں نقل کیے جاتے ہیں ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۱ پر)

کوهاٹ معروف به کربوغے مُلا صاحب ، حضرت مولانا عبدالوهاب صاحب مانکی شریف تحصیل نوشهره ، حضرت حاجی ابراهیم صاحب ساکن موضع بید منئی علاقهٔ مہمند (پاکستان) معروف به حاجی صاحب بیدمنئی مشهور هیں - لیکن جو شہرت و عظمت حضرت ملا هڈه صاحب کو حاصل هوئی وه دوسروں کا حصه نه بن سکی -

جهاد :

اُس شہرت کی خاص وجه یه هے که آپ کی عمر کا بڑا حصه جهاد میں صرف هؤا - حضرت مُلا هڈه صاحب اپنے پیر طریقت کے وصال کے بعد ۱۸۷۷ء سے ۱۹۰۲ء تک تقریباً پچیس سال تک ان تمام لڑائیوں میں شریک رهے جو انگریزوں اور قبائلی مسلمانوں کے درمیان هوئیں -

---

(صفحه ۵۸۰ کا بقیه حاشیه)

مصدرے فیضے که عالم را تر و تازه نمود
فی الحقیقت هست چوں مرآت در جسمِ شهود
مے پرست ار مے نیاشامد نمی گردد درست
باد آں جامے بیکسر عقل صوفی در ربود

۳ صفر ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ع) کو حضرت شاه فقیر الله علوی واصل الی الله هوئے - آپ کا مزار شکار پور (سابق سندھ) میں زیارت گاه خاص و عام هے (ماخوذ از مضمون ''شاه فقیر الله جلال آبادی'' مرتبهٔ آقائے حبیبی مندرجه رساله سروش (فارسی) شماره ۲۱ ، جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۸۵۸ع)

۲ - حضرت شیخ میاں محمد نعیم جلال آبادی ننگر هار کے موضع کامه نامی سے روانه هوکر تحصیل صوابی ، ضلع مردان کے موضع شاه منصور میں تشریف لائے اور حضرت شیخ مانو کے دست حق پرست پر بیعت هوکر اکتساب فیض کرتے رهے - حضرت شیخ مانو حضرت حاجی بهادر کوهاٹ کے خلیفه و ماذون تھے -

آپ کے جہاد کے محاذ زیادہ تر مہمند اور ملا کنڈ ایجنسی رہے ہیں ۔
آپ کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اس پاک سر زمین سے انگریزوں کے اقتدار کو ختم کرکے ایک اسلامی ریاست کے وجود کو عمل میں لایا جائے ۔
آپ کے پیر حضرت اخوند عبدالغفور نے سرکاوی میں جو جہاد انگریزوں کے خلاف شروع کیا تھا ، اس میں تمام قبائل نے حصہ لیا تھا ۔ جب سرکاوی کی جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے ارادہ کیا کہ اُس کی سزا قبائلیوں کو دی جائے ، نتیجتاً علاقۂ مہمند کے قبائلی مسلمان غازیوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی ۔ ان تمام لڑائیوں میں ھڈے مُلا صاحب مسلمان غازیوں کی قیادت فرماتے رہے ۔
۹۶ - ۱۸۹۵ء میں جب انگریزوں نے باجوڑ کے مشہور مجاہد عمرا خاں (۱) کی حکومت کو ایک خون ریز لڑائی کے بعد ختم کیا تو اس

---

۱ - ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ء) عباس خاں ، خانِ جندول کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں عمرا خاں اور اس کے بڑے بھائی شیرعالم خاں میں اپنے باپ کی جانشینی کے لیے کشمکش شروع ہوئی ۔ عمرا خاں نے اپنی پوزیشن کو کمزور دیکھتے ہوئے اس علاقے سے نکل جانا پسند کیا ، اور وہ حج کے لیے چلا گیا ۔ حج سے واپسی کے بعد اُس نے پھر حصولِ اقتدار کی کوشش کی ، یہاں تک کہ جندول پر اس کا اقتدار قائم ہوگیا ۔ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں اس نے اپنے تدبر اور حکمتِ عملی سے جندول کے ارد گرد کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا ، یہاں تک کہ خان دیر کی نصف ریاست کو اپنے قبضے میں لے آیا ۔ اُس نے جدید طرز پر اپنی حکومت کو منظم کیا ۔ اپنی حدود میں قلعے تعمیر کرائے ۔ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) میں اُس نے پشاور سے چترال جانے والی ڈاک اپنے علاقے میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۳ پر)

وقت بھی ملا کنڈ کے محاذ پر ملا ہڈہ نے بڑی شجاعت اور بہادری کا ثبوت پیش کیا ۔

۱۸۹۷ء میں جب مشہور مجاھد مولانا سعد اللہ خان معروف بہ سرتور فقیر ملا کنڈ میں انگریزوں سے بر سر پیکار تھے اس وقت بھی حضرت ملا ہڈہ ہمیں غازیوں کی صفِ اول میں نظر آتے ھیں اور ہزاروں

(صفحہ ۵۸۳ کا بقیہ حاشیہ)

محفوظ گزر جانے کی ذمے داری لے لی ، جس کی وجہ سے انگریزوں نے اُسے امداد دینا بھی منظور کر لیا لیکن چند ہی دن میں انگریز اُس کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور اس کی فوجی تنظیم سے خطرہ محسوس کرنے لگے اور رفتہ رفتہ اُس کی انگریزوں سے کشمکش شروع ہوئی ۔ یکم اپریل ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) کو انگریزوں نے تین بریگیڈ ، گھوڑا سواروں کے دو رسالے ، اور چار پہاڑی توپ خانوں کے ساتھ مالا کنڈ کی جانب یلغار کی ، جس پر عمرا خاں اور قبائلیوں کا قبضہ تھا ۔ ۳ اپریل ۱۸۹۲ء کو انگریزوں اور مجاھدین میں محاذ مالاکنڈ پر خون ریز جنگ ہوئی ۔ مسلسل پانچ گھنٹے کی جنگ کے بعد قبائلیوں نے انگریزی لشکر کا اندازہ لگانے کے بعد وھاں سے ہٹ کر جنگ کرنا مناسب سمجھا اور چکدرہ کے مشرقی جانب قلعہ راموراکے قریب بڑی بہادری سے جنگ کی ۔ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا ۔ قبائلی مجاھدین اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے مگر انگریزوں کو تازہ کمک پہنچ رہی تھی ۔ عمرا خاں نے جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو وہ دل برداشتہ ہوگیا اور ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کو یہ مرد مجاھد اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر افغانستان چلا گیا اور اس نے اپنی زندگی کے بقیہ دن وھیں گزارے ۔

(ماخوذ از ”یوسف زے پٹھان“ صفحہ ۴۶۸ تا ۴۸۵)

قبائیلی اُن کے ساتھ جنگ میں شریک تھے ۔ اس جنگ میں آپ کے نامور خلیفہ حاجی ترنگ زئی بھی شامل تھے ۔ اسی جنگ میں حضرت ملا ھڈہ صاحب کی زیر قیادت انگریزوں کے مشہور کیمپ کو جو چکدرے میں قائم کیا گیا تھا ، مجاھدین نے نذرِ آتش کیا تھا ۔ جب اس لڑائی نے طول کھینچا اور انگریز شکست کھا کر باجوڑ سے مہمند بھاگ گئے اور محاذ جنگ ملا کنڈ سے مہمند منتقل ھؤا تو اس محاذ پر بھی حضرت ھڈے ملا صاحب نے انگریزوں کو انتہائی پریشان رکھا ۔

وفات :

اس صاحبِ باطن بزرگ اور مردِ مجاھد نے جس نے انگریزوں کے قصرِ اقتدار کو ساری زندگی متزلزل رکھا ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ع) میں وفات پائی ۔

خلفا :

آپ کے نامور خلفا میں ، جنھوں نے افغانستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو اپنے ارشاد و تلقین کا مرکز بنایا مولانا صاحب تگاؤ حضرت صاحب تبخاک ، صوفی عالم گل شنوارِی ، میاں صاحب موضع سرکانڑی ، حاجی صاحب ترنگ زئی ، مولانا صاحب موضع کلھنور اور بادشاہ صاحب سلامہور مشہور ھیں (۱) ۔

---

۱ ۔ ملا ھڈہ صاحب کے یہ تمام حالات اولیائے کرام (''پشتو'') مطبوعہ ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی سے ماخوذ ھیں ۔

(۳۱)

حضرت عبدالوهاب مشهور به پیر مانکی شریف

حالات :

حضرت عبدالغفوراخوند سوات کے خلفا میں جنھوں نے سابق صوبۂسرحد میں سلسلۂ قادریه کو غیر معمولی فروغ بخشا ، اُن میں پیر صاحب مانکی شریف خاص طور پر قابل ذکر هیں ـ انھوں نے رشد و هدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی ، جب که سابق صوبۂ سرحد کے مسلمان نہایت هی نازک دور سے گزر رهے تھے ، معاشرے پر انحطاطی رنگ چھایا هؤا تھا اور اوهام کا تار و پود هر جگه پھیلا هؤا تھا ـ اس تنزل و انحطاط کے دور میں پیر صاحب مانکی شریف نے احیائے ملت اور اعلاے کلمة الحق کی جو کوششیں کیں ، وه سابق صوبۂ سرحد کی تصوف کی تاریخ میں همشیه آب زر سے لکھی جائیں گی ـ

اگرچه حضرت عبدالوهاب صاحب کے آبا و اجداد موضع اکوڑه خٹک ، تحصیل نوشہره ضلع پشاور کے رهنے والے تھے ، لیکن جب سکھا شاهی حکومت شروع هوئی اور سابق صوبۂ سرحد کے مسلمان اُن کے مظالم کی چکی میں بے طرح پسنے لگے اور لوگ اُن کے مظالم سے تنگ آکر وطن سے بے وطن هوئے ، تو اسی زمانے میں حضرت پیر عبدالوهاب کے والد مولانا ضیاء الدین اپنا وطن چھوڑ کر بداشی تشریف لائے ـ یه موضع ، نوشہره چھاونی سٹیشن کے عقب میں واقع هے ـ اس موضع کو اُنھوں نے اپنا وطن بنایا اور اسی موضع کی ایک مسجد میں وه امام مقرر هوئے ـ اکوڑا سے هجرت کے وقت ان کے ساتھ اُن کے تین صاحبزادے بھی تھے ، جن میں سے ایک حضرت عبدالوهاب صاحب بھی هیں ، جنھوں نے آئنده چل کر ''پیر مانکی شریف'' کے نام سے غیر معمولی شہرت حاصل کی ـ

مولانا ضیاء الدین نے سکھا شاہی حکومت کے آخری ایام میں وفات پائی اور ڈیرۂ کٹی خیل کے قبرستان میں مدفون ہوئے ۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عبدالوھاب اپنے بھائیوں کے ساتھ کٹی خیل(۱) چلے آئے اور اسی موضع میں مقیم ہوگئے ۔

بیعت و خلافت :

اس زمانے میں حضرت عبدالغفور اخوند سوات کے عرفان و تصوف کی شہرت سارے سابق صوبۂ سرحد میں پھیلی ہوئی تھی ۔ طلب حق اور معرفت الٰہی کا ذوق حضرت عبدالوھاب کو بھی حضرت اخوند سوات کے آستانے تک کھینچ کر لایا اور وہ سلسلۂ قادریہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے۔

جنگ امبیلہ :

۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) میں جب انگریزی فوج نے ملا کنڈ اور علاقۂ سوات پر قبضہ کرنے کی نیت سے پیش قدمی کی ، جن سے ان کا سب سے بڑا مقصد ان علاقوں پر قبضہ کرنا اور مجاھدین کے مرکز ملکا کو ختم کرنا تھا جس کو مجاھدین نے حادثۂ بالاکوٹ کے بعد اپنی مجاھدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا ۔ جنگ امبیلہ میں اخوند سوات صاحب غازیانِ سوات اور بنیر کے ساتھ محاذ امبیلہ پر انگریزوں سے مصروف پیکار تھے ۔ اس محاذِ جنگ پر حضرت اخوند سوات کے ساتھ حضرت عبدالوھاب نے بھی دشمنوں کے خلاف بہادری اور شجاعت کے جوھر دکھائے ۔ حضرت اخوند سوات نے اُن کی مجاھدانہ سرگرمیوں سے خوش ہوکر اُنھیں اپنے خاص مریدین کے زمرے میں شامل فرمالیا ۔

رشد و ھدایت :

خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ اعلاے کلمۃ الحق اور امر بالمعروف میں مصروف ہوگئے ۔ مریدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی ۔

---

۱ - موضع ڈیری کٹی خیل تحصیل نوشہرہ میں ایک موضع ھے جو بداشی سے تھوڑی دور پہاڑوں کے عقب میں واقع ھے ۔

اور آپ اس علاقے کے گاؤں اور قصبوں میں پہنچ کر تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ انھوں نے تبلیغ اور احیائے کلمۃ الحق کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا ۔ ان کی شہرت اکناف ملک میں پھیل گئی اور آپ عوام میں "مولوی صاحب کٹی خیل" کے نام سے مشہور ہوگئے ۔ بہت سے لوگوں نے ازراہ عقیدت آپ کو بہت سی اراضیات بطور سیری پیش کیں ۔

ریاحی چٹان :

حضرت عبدالوہاب صاحب نے عوام کو توحید پر مستقیم کرنے اور توہمات کی بیخ و بن اکھیڑنے کی بہت جد و جہد کی ۔ اگرچہ اس راہ میں انھیں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اُنھوں نے بغیر کسی مخالفت کی پروا کیے مسلمانوں کے زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا ۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار کے مزار سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ایک سفید چٹان تھی ۔ لوگ اس کو ریاحی چٹان کہتے تھے ۔ عوام میں مشہور تھا کہ جسے کوئی ریاحی شکایت ہو وہ اگر اپنے بدن کے کسی حصے کو اس چٹان سے ملے گا وہ شفا پائے گا ۔ لوگ اس پتھر کے گرد شفا پانے کی غرض سے جمع رہتے ۔ یہ بات اس اسلامی بنیادی عقیدے کے خلاف تھی کہ شفا دینے والا اور بیمار ڈالنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں ۔ اس بنا پر آپ نے اس پتھر کو تڑوادیا ۔ کا کا خیل قبیلے کے لوگ اس عمل سے آپ کے سخت خلاف ہوگئے مگر آپ نے اس کی پروا نہیں کی ۔ لیکن جب مخالفت حد سے بڑھی تو حضرت اخوند صاحب نے کا کا خیل کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر صلح صفائی کرا دی ۔

مانکی شریف میں تشریف آوری :

حضرت عبدالوہاب کی زندگی کا سب سے اہم پہلو اُن کا نظام اصلاح و تربیت تھا ۔ اُنھوں نے فاسد عناصر کی اصلاح اور انسانیت کی اخلاق سطح بلند کرنے کا جو مؤثر طریقہ اختیار کیا ، اس سے اُن کی شہرت اس علاقے میں خوب پھیلی ۔ دور دور سے طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد پراونہ وار جمع ہونے لگے ۔ کٹی خیل میں پانی کی قلت تھی ۔ حضرت شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیر و مرشد سے مشورے کے بعد مانکی شریف کو

اپنی تبلیغ و ارشاد کا مرکز بنایا اور کٹی خیل سے منتقل ہوکر مانکی شریف میں مقیم ہوگئے - آپ کے دوسرے بھائی خویشگی تشریف لے گئے جو دریا کے پار تحصیل نوشہرہ کا ایک موضع ہے - مانکی تشریف لانے کے بعد وہ ''پیر مانکی شریف'' کے لقب سے مشہور ہوئے اور ہزاروں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے -

مانکی شریف کے شیخ :

مانکی شریف تشریف لانے کے بعد آپ کے مریدین مانکی کے شیخ کے لقب سے مشہور ہوئے - اپنے مرشد کے حکم کے مطابق یہ شیخ دیہات اور قریوں میں جاتے ، لوگوں کو امر بالمعروف کی تاکید کرتے ، خلاف‌شریعت امور سے روکتے ، لوگوں کو داڑھی رکھنے پر متوجہ کرتے اور منشیات ، یہاں تک کہ نسوار اور حقے سے بھی منع کرتے -

فروعی مسائل میں اختلاف :

حضرت اخوند سوات کے مریدین میں جو افق ولایت پر آفتاب بن کر چمکے ان میں ایک ہڈے ملا صاحب اور دوسرے پیر مانکی شریف ہیں - لیکن بد قسمتی سے ان دونوں بزرگوں میں بعض فروعی مسائل میں اختلافات رونما ہوئے اور اس اختلاف نے ایک ناگوار صورت اختیار کرلی - یہ اختلاف تشہد میں رفع سبابہ پر تھا - پیر مانکی شریف کا خیال تھا کہ نماز میں قعدے کی حالت میں تشہد کے وقت انگلی اٹھانا حرام ہے ، ہڈے ملاصاحب اپنی تحقیق کی بنا پر اس پر مصر تھے کہ تشہد میں رفع سبابہ سنت ہے - آخر یہ فروعی مسئلہ ان دونوں بزرگوں میں ایک نزاعی مسئلہ بن گیا - دونوں بزرگوں میں اس مسئلے پر مناظرے ہوئے ، یہاں تک کہ یہ اختلاف پیروں سے نکل کر مریدوں تک پہنچا - دونوں کے مریدین اس مسئلے پر اُلجھتے رہے ، یہاں تک کہ اس اختلاف نے ایک سیاسی رنگ اختیار کر لیا - آخر میں پیر مانکی شریف کے صاحبزادے حضرت عبدالحق ثانی نے ''عقائدالمومنین'' کے نام سے پشتو میں ایک کتاب لکھی - اس کتاب میں دوسرے فقہی مسائل کے ساتھ نماز میں رفع سبابہ کے متعلق لکھا کہ جو کوئی تشہد کے وقت اُنگلی سے اشارہ کرے ، اس کے دانت توڑ دو ،

اُس کا منہ خاک سے بھر دو ، اُس کے چہرے پر سیاهی ملو اور اُسے گدھے پر سوار کر کے اس حد تک نادم کرو کہ یا تو وہ اپنے اس فعل بد سے توبہ کر لے اور یا اپنا وطن چھوڑ کر هجرت کر جائے ۔

مغربی تہذیب سے نفرت :

مغربی تہذیب اور انگریزی تعلیم کے اثرات کو دیکھ کر جو مسلمانوں کو اپنے مذهب سے بیگانہ اور انگریزوں کا غلام بنا رهی تهی ، پیر صاحب مانکی شریف ان دونوں چیزوں کے سخت مخالف تھے ۔ انگریزی تعلیم سے بیزاری کی وجہ شاید یہ تهی کہ اس زمانے میں سکول مشزیوں کی نگرانی میں چلتے تھے اور یہی پادری تعلیم کے پردے میں عیسائیت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنائے هوئے تھے ۔ یہ تهی وہ وجہ جس نے پیر صاحب مانکی شریف کو انگریزی تعلیم سے متنفر بنا دیا ۔ وہ انگریزوں اور انگریزوں کی بنائی هوئی چیزوں سے اس درجہ متنفر تھے کہ وہ ریل گاڑی کو انگریزوں کا گدھا کہتے تھے۔ کوئی مرید کہیں دور سے ملنے کے لیے آتا تو اس سے پوچھتے کہ پیدل آئے هو یا انگریز کے گدھے پر سوار هو کر آئے هو ۔ اگر وہ کہتا کہ پیدل آیا هوں تو بہت خوش هوتے ۔

سادگی :

لباس میں سادگی آپ کا شعار تها ۔گھریلو کھدّر کا بنا هؤا لباس زیب تن فرماتے تھے ۔ دستار مختصر باندھتے تھے اور شان و شکوہ اور تکلف سے آپ کو نفرت تهی ۔

وفات :

حضرت پیر صاحب مانکی شریف ۱۹ شعبان ۱۳۲۲ھ (اکتوبر ۱۹۰۴ع) میں واصل الی اللہ هوئے ۔ مانکی شریف میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہِ خاص و عام ہے ۔

اولاد :

وصال کے وقت پیر صاحب مانکی شریف کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تهیں ۔ صاحبزادوں کے نام یہ هیں (۱) حضرت عبدالحق ثانی (۲) حضرت عبدالرزاق عرف حاجی گل (۳) حضرت عبدالرحمٰن (۴) حضرت

عبدالقیوم عرف فقیر سپین حزی (۵) حضرت عبدالواسع ۔ صاحبزادیوں میں ایک صاحبزادی کا عقد موضع کٹی خیل میں اُن کے بھتیجے کے ساتھ ہؤا تھا ۔

سجادگی :

پیر صاحب مانکی شریف کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالحق ثانی سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے ۔

خلفا :

پیر صاحب مانکی شریف کے بعد آپ کے خلفا نے آپ کے سلسلے کے فیض کو عام کیا ۔ آپ کے مشہور خلفا کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت عبدالحق ثانی فرزند حضرت پیر مانکی شریف
(۲) حضرت عبدالقیوم فرزند حضرت پیر مانکی شریف
(۳) صاحبزادہ صاحب خویشگی
(۴) کابل ملا صاحب
(۵) میاں صاحب کا کڑک (افغانستان)
(۶) گنڈیری ملا صاحب رانی زے
(۷) دکن ملا صاحب
(۸) یار حسین ملا صاحب
(۹) عبدالحنان
(۱۰) حاجی صاحب بنوں
(۱۱) قاشقار ملا صاحب
(۱۲) مولانا تاج الدین صاحب
(۱۳) مسلمان ملا صاحب
(۱۴) اچنبی ملا صاحب
(۱۵) تیرا ملا صاحب
(۱۶) جنت شاہ ملا صاحب باجوڑ
(۱۷) مولانا محمد اعظم صاحب

تصانیف:

پیر صاحب مانکی شریف کی دو تصانیف احکام المذاهب اور هدایت الابرار مشهور هیں -(۱)

۱ - حضرت پیر مانکی شریف کے یه تمام حالات اولیائے سرحد سلسلۂ نمبر ۳۴ مولفه نصرالله خاں نصر سے ماخوذ هیں -

(۳۲)

حضرت خواجه عبدالرحیم باغدری

حالات :

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم هے - آپ کی ولادت با سعادت باغدره میں هوئی جو گندگر پہاڑ میں واقع هے - ابتداً جلالیه میں تعلیم حاصل کی اور درس نظامیه کی تکمیل هندوستان کے مختلف مدارس میں کی - زمانۂطالب علمی هی میں آپ کے قلب میں معرفت الٰہی کا ذوق بیدار هؤا اور آپ مختلف مقامات پر هوتے هوئے موهڑه شریف ضلع راولپنڈی پہنچے

بیعت :

اور سلسله نقشبندیه میں اس دور کے مشهور بزرگ خواجه محمد قاسم کے دست حق پرست پر بیعت هوکر ایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں ره کر ریاضتیں اور مجاهدے کرتے رهے - آخر آپ کے شیخ نے آپ کو خرقۂخلافت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا که وه اپنے وطن واپس جاکر رشد و هدایت میں مصروف هوں -

رشد و هدایت :

چناں‌چه آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق باغدره ضلع هزاره میں متوطن هوکر رشد و هدایت میں مصروف هوگئے - لیکن چوں که باغدره ایک ایسے مقام پر واقع تها که وهاں طالبان حق کو راستے کی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تها اس لیے آپ اپنے مریدوں کے اصرار پر حسن ابدال کے قریب سالک آباد میں مقیم هوگئے اور یہیں مسجد و خانقاه تعمیر کراکر آخر عمر تک اعلائے کلمۃالحق اور تبلیغ میں مصروف رهے -

زهد و ریاضت :

آپ کا بڑا وقت زهد و ریاضت اور عبادت الٰہی میں گزرتا تها - نماز

باجماعت آپ کا خاص شعار تھا ۔ آپ کے آئینۂ اخلاق میں اتباع سنت کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ۔ اکثر یہ شعر پڑھتے :

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ‌منزل نخواہد رسید

ارشادات :

ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

''لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو غیر اللہ کو دل سے نکال دو ۔ لوگو ! اللہ سے صلح کر لو ۔ اللہ کو راضی کرو ۔ چند روزہ زندگانی کو غنیمت سمجھو ، اللہ اللہ کرو ، اللہ ھو کا ورد کیا کرو ۔''

وفات :

تقریباً پچاس سال تک آپ سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیمات کو عام کرتے رہے ۔ بر صغیر ہند و پاک کی تقسیم سے پہلے آپ واصل الی‌اللہ ہوئے ۔ آپ کا مزار پرانوار سالک آباد میں ہے جو حسن ابدال ریلوے سٹیشن سے دو میل مشرق اور ہزارہ پنڈی روڈ سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے (۱) ۔

خلفا :

آپ کے خلفا میں جن بزرگ نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی وہ حضرت کابل شاہ تھے ۔ وہ افغانستان کے ضلع ھاری کار کے موضع ''امپان دولانا'' میں پیدا ہوئے ۔ ان کا اصل نام محمد یوسف اور ان کے والد کا نام ادریس تھا ۔ خود انھوں نے ایک محفل میں فرمایا کہ میری عمر امیر عبدالرحمٰن والیٔ کابل کی وفات کے وقت ۲۷ سال کی تھی ۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالرزاق کے واسطے سے حضرت غوث اعظم سے جا ملتا ہے ۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے موضع امپیان دولانہ میں حاصل کی ۔ اس کے بعد ان کی دینی

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ماہنامہ عارف ، لاہور ، بابت مارچ ۱۹۶۱ع صفحہ ۱۳ تا ۱۸ مضمون حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب صابر مٹھیالوی سے ماخوذ ہے ۔

تعلیم کا انتظام ان کے والد بزرگوار نے کیا اور بقیہ تعلیم انہوں نے علاقۂ سمہ مردان کے ایک عالم سے حاصل کی ۔ فراغت تعلیم کے بعد وہ افغانستان کے مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے ۔ جب انقلاب افغانستان کے موقع پر شاہ امان اللہ کے خیر خواہوں کو جلا وطن ہونا پڑا تو یہ بھی افغانستان سے نکل کر قبائلی علاقے میں متوطن ہوگئے ۔

کابل شاہ ابتدا ہی سے زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے ۔ یہ جلا وطنی طبیعت پر اور بھی اثر انداز ہوئی اور دل دنیا سے متنفر ہو کر بالکلیہ زہد و ورع کی طرف مائل ہوگیا ۔ قبائلی علاقے میں تشریف لانے کے بعد انہوں نے شب قدر کے مقام سبحان‌خور میں ایک عرصے تک چلہ کشی اور ریاضتیں و مجاہدے کیے ۔

آخر حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدروی کی بارگاہ عظیم‌المرتبت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ اپنے مرشد کی اجازت سے ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے موضع گاڑ میں مقیم ہوکر ارشاد و تلقین اور پند و موعظت میں مشغول ہوگئے ۔ اعلائے کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت کے لیے آپ نے اس علاقے میں متعدد مرتبہ دورہ کیا ۔ سمہ ضلع مردان کے مشائخ و علما ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے تھے ۔ یہاں تک حکومت برطانیہ نے ان کے رسوخ و ارتکاز کو دیکھ کر انھیں سابق صوبۂ سرحد سے نکل جانے کا حکم دیا ۔ اس حکم کے بعد وہ سابق پنجاب کے علاقے میں تشریف لے آئے ۔ یہاں بھی ان کی زندگی کا مقصد رشد و ہدایت اور سر بلندیٔ دین تھا ۔

آخر عمر میں کراچی تشریف لائے اور پاپوش نگر میں مقیم ہوگئے ۔ اپریل ۱۹۶۴ع کو چند دن علیل رہ کر واصل بحق ہوئے ۔ ان کا مزار پرانوار ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری کے عام قبرستان میں اس عالم میں واقع ہے :

بر مزار ما غریباں نے چراغے ، نے گلے
نے پر پروانہ سوزد ، نے صدائے بلبلے

حضرت کابل شاہ کی تصانیف میں دیوان مستان شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہے - آپ کے تین صاحبزادے سید عبدالغفار ، سید محمد اور سید عمر ہیں (۱) -

---

۱ - حضرت کابل شاہ کے حالات کے لیے میں پیر محمد شارق نائب مدیر رسالہ اباسین کا ممنون ہوں کہ یہ معلومات قلمی صورت میں انہوں ہی نے فراہم کیں -

(۳۳)

ملا صاحب بابڑہ

حالات :

تحریکِ مجاهدین میں جن بزرگوں نے سرگرمی کے ساتھ حصه لیا اُن میں ملا صاحب بابڑہ بھی تھے - آپ کا اصل نام عبدالکریم تھا - یاغستان کے رهنے والے تھے اور وهاں کے اکابر علما اور اهلِ طریقت میں شمار هوتے تھے -

مولوی محمد علی قصوری نے سفریاغستان میں اُن سے ملاقات کی تھی - وہ اُن کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے هوئے لکھتے هیں که :

''ملا صاحب سفید ریش بزرگ تھے- میرے خیال میں اُس وقت ۱۶ - ۱۹۱۵ع میں ان کی عمر ستر سے متجاوز هو گی مگر صحت نہایت عمدہ تھی - بغیر عینک کے قرآن شریف پڑھتے تھے اور ایسے تیز رو تھے کہ جوان بھی مشکل سے ساتھ دے سکیں - دبلے پتلے جسم کے دراز قامت اور چھرے سے نورِ ایمانی اور فہم و فراست عیاں تھا - بات چیت میں نہایت سنجیدہ تھے(۱)-''

---

۱ - یه تمام تفصیل ''سرگزشت مجاهدین'' جلد ۴ ، صفحه ۵۴۳ سے بحواله ''مشاهدات کابل و یاغستان'' صفحه ۷۷ سے ماخوذ هے -

(۳۴)

حضرت خواجه عبدالرحمٰن چھوروی

نام و نسب :

متاخر دور کے بزرگوں میں جس عظیم المرتبت صوفی درویش نے سابق صوبۂ سرحد کی سرزمین کو اپنے تبلیغی کارناموں سے منور و درخشاں بنایا وہ حضرت خواجه عبدالرحمٰن چھوروی هیں - آپ کی ولادت باسعادت قصبه صالح سرائے تحصیل هری پور ضلع هزاره میں ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں هوئی - آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ، لقب سلطان الفقرا ، کنیت ابوالفضلان تھی لیکن عـوام میں آپ کی شہرت باجی صاحب سے تھی- آپ کے والد کا نام نامی خواجه فقیر محمد تھا لیکن وہ خواجه خضری کے لقب سے مشہور تھے - سلسلۂ نسب کے اعتبار سے آپ علوی قریشی هیں - آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت محمد حنفیه سے جاملتا هے (۱) -

کسی وجه سے آپ کے والد حضرت فقیر محمد نے صالح سرائے کی سکونت ترک کر کے قصبۂ چھور میں اقامت اختیار فرمائی اور اسی قصبے میں حضرت عبدالرحمٰن پلے ، بڑھے اور جوان هوئے اور یہی قصبه بعد میں اُن کے رشد و هدایت کا مرکز بنا -

ابھی آپ بچے هی تھے که آٹھ سال کی عمر میں حضرت عبدالرحمٰن کے والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا اور اُن کے بعد آپ کی والده نے آپ کی تربیت فرمائی جو خود بھی بڑی عابده و زاهده خاتون تھیں -

تعلیم :

حضرت عبدالرحمٰن کے تذکره نگار اُن کی رسمی تعلیم کے متعلق خاموش هیں - ایسا معلوم هوتا هے که کسی وجه سے آپ علوم رسمیه کی تعلیم

حاصل نہ کرسکے لیکن بچپن ھی سے آپ زھد و اتقا کی طرف مائل تھے ۔ کسی بزرگ کی شہرت سنتے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔

اخولد سوات سے ملاقات :

اُسی زمانے میں آپ حضرت عبدالغفور اخوند سوات کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت کے مشاھیر اولیاء اللہ میں تھے ۔ وھاں لوگوں کا اس قدر ھجوم ھوتا تھا کہ کئی روز تک ملاقات کی نوبت نہ آسکی ۔ آپ کے ھمراھیوں نے مایوس ھوکر کہا کہ ملاقات کی کوئی توقع نہیں واپس چلیں ۔ فرمایا کہ کل حضرت اونچی جگہ پر کھڑے ھوکر اپنے دیدار سے مستفیض فرمائیں گے ۔ یہ بڑی محرومی ھے کہ ھم آپ کی زیارت کیے بغیر ھی جائیں ۔ تھوڑی دیر ھی کے بعد معلوم ھؤا کہ حضرت اخوند سوات کے خدام آپ کو تلاش کرتے پھر رھے ھیں اور آواز دے رھے ھیں کہ کوئی ھزارے کے صاحب یہاں ھیں ۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا ۔ وہ آپ کو حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں لے گئے ۔ اخوند صاحب نے دیکھتے ھی فرمایا دغہ دی ، دغہ دی ، دغہ دی ، یہی ھے ، یہی ھے ۔ پھر حضرت اخوند نے نہایت تعظیم و توقیر سے بٹھا کر فرمایا کہ تم اپنے وطن ھی میں قیام کرو ، تمھارے مرشد تمھارے وطن ھی میں آکر تم کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمائیں گے(۱)۔

بیعت و خلافت :

حضرت عبدالرحمان اپنے وطن لوٹے اور اس مرشدِ کامل کے انتظار میں رھے جس کی بشارت حضرت اخوند سوات نے ان کو دی تھی ۔

اُسی زمانے میں ایک بزرگ محمد یعقوب(۲) نامی گنجھتر(مظفرآباد ، کشمیر)

---

۱ ۔ ''سیرت رحمانیہ'' قلمی تالیف محمد عباس خاں قادری خطیب پشاور صفحہ ۱۵ - ۱۸

۱ ۔ شاہ محمد یعقوب کا سلسلۂ طریقت یہ ھے : شاہ محمد یعقوب ، شیخ محمد انور شاہ ، شیخ عبداللہ ، شیخ محمد رفیق ، حضرت خواجہ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۹۹ پر)

سے موضع ملکیار میں تشریف لائے جو چھور کے بالکل قریب ہے ۔ حضرت عبدالرحمٰن کو پتا چلا تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو ملکیار سے چھور لے کر آئے۔ پھر انھیں بزرگ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلۂ قادریہ ، چشتیہ و نقشبندیہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے اور زنیت بخش مسند ارشاد قادریہ ہوئے (۱)

بزرگوں سے ملاقاتیں :

اس مرتبۂ عالی پر فائز ہونے پر بھی آپ اس دور کے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایک دوسرے سے بڑی محبت سے ملتے۔

جن بزرگوں سے آپ کی ملاقاتیں رہیں ، ان میں حضرت اخوند سوات ، حضرت سید فضل الدین صاحب گولڑہ شریف ، حضرت معظم شاہ صاحب ، میاں فضل الدین صاحب چشتی اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۲) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

(صفحہ ۵۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

گل محمد صاحب کنگال ، خواجہ عبدالصبور ، خواجہ حافظ احمد بارہ مولا ، شیخ عنایت اللہ شاہ ، حضرت سید عبداللہ ، ابوالبرکات سید حسین پشاوری ۔

۱ - ''سیرت رحمانیہ'' قلمی - مولفہ محمد عباس قادری ۔ صفحہ ۱۹

۲ - حضرت شاہ شمس الدین سیالوی حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے جلیل القدر خلفا میں تھے - وہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ع) کو سیال میں پیدا ہوئے جب کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی - ان کے والد کا نام محمد یار تھا - اُنھوں نے خواجہ سیالوی کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی - سات سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے قرآن مجید ختم کر لیا ، پھر اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھولک علاقۂ پنڈی گھیپ میں جا کر وہاں کے مدرسے میں ''نام حق''

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۰ پر)

حج :

آپ تین مرتبہ حج اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشرف ہوئے اور ہر دفعہ عراق کا سفر فرمایا اور وہاں کے بزرگوں

(صفحہ ۵۹۹ کا بقیہ حاشیہ)

اور ''کریما پڑھی''۔ پھر مکھڈ حاضر ہوئے اور مولوی علی محمد صاحب سے جو اس دور کے مشہور عالم تھے تعلیم شروع کی۔ مولوی علی محمد صاحب ان کے علمی انہماک اور خلوص کو دیکھ کر اُن پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔

اس زمانے میں مولوی علی محمد صاحب خود بھی مرشدِ کامل کی تلاش میں تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اُن سے حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کی تعریف کی۔ وہ آپ کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو ساتھ لے کر شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ سیالوی کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

شاہ سلیمان تونسوی نے اُستاد شاگرد دونوں کو بیعت کر لیا۔ شاہ محمد سلیمان نے خواجہ شمس الدین سیالوی کو چھتیس سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنے وطن میں مقیم ہوکر درس و تدریس و عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔

خواجہ سیالوی حسنِ اخلاق کا پیکر تھے۔ اتباعِ شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، سماع اور مزامیر سے پرہیز کرتے تھے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۳ع) کو وفات پائی۔

(ماخوذ از ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' صفحہ ۵۵۷ تا ۳۶۰ بحوالہ ''تاریخ مشائخ چشت''۔)

کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل کیا ، خصوصاً حضرت غوث پاک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کیے ۔

رشد و ھدایت :

پھر آپ نے چھور میں مقیم ہو کر سلسلۂ عالیہ قادریہ کو نہ صرف اس علاقے میں غیر معمولی فروغ دیا ، بلکہ آپ نے اس سلسلے کے فیوض و برکات کو کشمیر ، افغانستان ، عرب ، ہندوستان ، برما اور بنگال تک پہنچا دیا ۔ آپ کے مریدین کی تعداد ان علاقوں میں بکثرت پائی جاتی ھے ۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آکر اس شمعِ معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے اور کوئی ناکام واپس نہ جاتا تھا ۔

دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ کا قیام :

دعوت الی الحق ، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاق کے ضمن میں آپ نے شدت سے محسوس کیا کہ جب تک کہ عوام میں علوم دینیہ کی تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک لوگوں میں کوئی ذہنی اور فکری انقلاب نہیں آسکتا ۔ چناں‌چہ آپ نے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ع) میں ھری پور ، ھزارہ میں دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ کی بنیاد رکھی ۔ آپ کا مقصد اس درسگاہ کے قیام سے یہ تھا کہ نہ صرف سابق صوبۂ سرحد کے بلکہ کابل ، پنجاب ، یاغستان اور کشمیر کے طلبا اس درسگاہ سے مستفید ہو کر نکلیں اور ان علاقوں میں پھیل کر اسلامی تعلیمات کو عام کریں ، صحیح فکر و عقائد کو رواج دیں اور جہالت نے جو گمراھیاں پھیلا رکھی ھیں اُن کو دور کریں ۔ چناں‌چہ اس درسگاہ کے فارغ‌التحصیل طلبہ نے نہ صرف اس علاقے میں بلکہ دور دور ملکوں میں پھیل کر علم کی شمع روشن کی اور اپنے پند و موعظت سے جہالت اور گمراھیوں کو دور کیا اور اس وقت بھی یہ سابق صوبۂ سرحد کی درسگاہ بڑی کامیابی سے چل رہی ھے ۔

سفرا اور مبلغین کا تقرر :

اس درس‌گاہ کے قیام کے ساتھ ھی ساتھ آپ نے سفرا اور مبلغین کا

تقرر فرمایا ، تاکہ وہ مواضعات اور قصبات کا دورہ کرکے اشاعت اسلام اور احیاء سنت کی جد و جہد کریں اور غیر شرعی رسومات اور بدعات کو دور کرکے اسلامی تعلیمات کو رواج دیں -

مساجد کی تعمیر :

مساجد کی تعمیر کی طرف بھی آپ نے خصوصی توجہ فرمائی - سٹیشن ھری پور اور اس کے گرد و نواح میں بعض مساجد آپ ھی کی تعمیر کرائی ہوئی ھیں(۱) -

اخلاق :

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چھوروی حسن اخلاق کا ایک پیکر اور اتباع رسول کا ایک بہترین نمونہ تھے ، توکل و استغنا آپ کا خصوصی وصف تھا -

ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۲) نے آپ کے ھاں مہانوں

---

۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحمانیہ صفحہ ۲۵ مولفۂ عباس علی صاحب خطیب بریگیڈ ھیڈ کوارٹر پشاور کینٹ سے ماخوذ ھے -

۲ - آپ کا اسم گرامی مہر علی شاہ اور آپ کے والد محترم کا نام نامی سید نظیر الدین شاہ تھا - آپ کا سلسلۂ نسب چوبیسویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ رح سے جا ملتا ھے - پیر سید مہر علی شاہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اُن کے والد نے فرمائی - بہت ھی کم عمری میں آپ نے علوم ظاھری کی تکمیل کی ، اور تعلیم سے فارغ ھونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ھوگئے - پیر سید مہر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ھوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا ، اس کے بعد حجاز تشریف لے گئے - مکۂ معظمہ میں ایک دن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر تھے ، انھوں نے آپ کو ھندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا ، چناں چہ آپ

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۰۳ پر)

کی کثرت دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ہاں مہمان بہت آتے ہیں اور آپ کی آمدنی قلیل ہے۔ میں آپ کو فلاں عمل کی اجازت دیتا ہوں ، اگر آپ نے اُسے پڑھا تو آمدنی زیادہ ہو جائے گی - آپ خاموش ہوگئے ، لیکن جب پیر علی شاہ نے دو تین مرتبہ فرمایا تو آپ نے کہا کہ حضرت مجھے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ پیر خیال کر کے آئیں اور اندر پیسوں کے لیے وظیفہ پڑھا جائے(۱) -

طلبہ کی خدمت اور ان کی تربیت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے - ابتداً جب ہری پور میں دارالعلوام رحمانیہ قائم ہؤا تو وہاں مطبخ کا انتظام نہ تھا ، طلبہ کے لیے کھانا پک کر چھور ہی سے جاتا تھا - ایک دن شدید بارش ہو رہی تھی - یہ بارش رات تک مسلسل جاری رہی ، یہاں تک کہ رات کے کھانے کا وقت ہوگیا - آپ نے خدام سے فرمایا کہ طالب علم بھوکے ہوں گے ، اُنھیں کھانا پہنچا دو ، مگر موسلا دھار بارش میں کسی کی ہمت نہ پڑی - آپ اُس تیز بارش میں کھانا لے کر ہری پور پہنچے -

---

(صفحہ ۶۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت حاجی صاحب کے مشورے پر ہندوستان تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور علمی سرگرمیوں میں مشغول ہوگئے -

تبحر علمی کے اعتبار سے سید پیرمہرعلی شاہ پنجاب کے ممتاز ترین علما میں تھے۔ آپ کے ملفوظات جو ''ملفوظات طیبہ'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں ، آپ کی وسعت نظر اور تبحر علمی ، وسیع معلومات اور حقائق و معارف کے شاہد ہیں - وہ اپنی تعلیمات میں اتباع سنت پر خاص طور پر زور دیتے تھے - کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے ، شاعری میں مہر تخلص کرتے تھے -

(ماخوذ از تذکرہ صوفیائے پنجاب صفحہ ۶۷۰ تا ۶۷۵)

۱ - ماخوذ از تذکرۂ علماء و مشائخ و سرحد مولفہ محمد امیر شاہ قادری صفحہ ۱۹۱

جب طالب علموں نے کھانا کھا لیا تو آپ کو اطمینان ہؤا(۱) ۔
قناعت و توکل اس درجہ طبعیت میں تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں سوت پیش کیا اور اُس کی بنوائی اور رنگوائی کی اُجرت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ! یہ سوت حاضر ہے اور اس کی بنوائی اور رنگوائی کی اُجرت بھی پیش ہے ، آپ اپنے لیے دو چادریں بنوالیں ۔ آپ نے اُسے واپس کرتے ہوئے فرمایا ، میاں ! میں نے تو اب ضروریات زندگی سے بھی بے نیازی اختیار کرلی ہے ۔ جب سے میں نے مخلوق خدا سے اپنی ضروریات زندگی میں استغنا اختیار کیا ہے ، میرا مولیٰ تعالیٰ مجھے بغیر کسی سے طلب کرنے اور مانگنے کے موسم گرما میں موسم گرما کا لباس اور موسم سرما میں موسم سرما کا لباس عنایت فرما دیتا ہے ، جو میرے لیے کافی ہوتا ہے(۲) ۔

وفات :

''سیرت رحمانیہ'' میں ہے کہ یکم رمضان ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ع) سے حضرت شیخ عبدالرحمٰن چھوروی نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا ، مگر پورے روزے آپ نے باجماعت نماز و تراویح کا التزام رکھا ۔ دو ماہ تک اس عالم یا معمولات میں کوئی فرق نہ آیا ۔ نماز باجماعت کی پابندی ، حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ، ارشاد و تلقین اور پند و موعظت کے فرائض انجام دیتے رہے ، لیکن آخر میں ضعف بڑھ گیا تھا ، پہلے بیٹھ کر پھر اشاروں سے نماز ادا فرمانے لگے ۔ اس عرصۂ علالت و ضعف میں آپ کو بعض اوقات پیچش اور اسہال کا عارضہ ہو جاتا تھا ۔ وفات سے کچھ دن پہلے اپنے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن صاحب عرف چن پیر صاحب کو طلب فرمایا اور انھیں دارالعلوم رحمانیہ کی ترقی و انتظام ، لنگر کی برقراری ، مہمانوں کی خدمت اور بعض دوسری ضروری وصیتیں فرمائیں ۔
اپنے مریدوں اور معتقدین کے متعلق جوآخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ

---

۱ - ماخوذ از تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد صفحہ ۱۹۰—۱۹۹
۲ - ایضاً صفحہ ۱۹۱

ما اتا کم الرسول فخذوہ و مانھا کم فانتھوا جو تم کو رسول دے وہ مضبوطی سے پکڑو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

نوے سال کی عمر میں یکم ذالحجہ ۱۳۴۲ھ(۱۹۲۴ع) کو آپ رحمت حق سے پیوست ھوگئے۔

مزار :

آپ کی وصیت کے مطابق مسجد دربار شریف قادریہ کے شمالی جانب آپ کا روضۂ مبارک تعمیر کیا گیا، جس کی تعمیر آپ کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کرائی۔

۱۳۸۳ھ میں صدر مملکت پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کے صاحب زادے اختر ایوب صاحب نے جو صوفیائے کرام سے دلی عقیدت رکھتے ھیں حضرت شیخ عبدالرحمٰن کی قبر شریف کو کابل سے سنگ مرمر منگوا کر بنوایا(۱)۔

اولاد :

حضرت شیخ عبدالرحمٰن کے دو بیویوں سے تین صاحب زادے تھے، جن کے نام یہ ھیں :

۱ - مولانا محمد فضل الرحمٰن عرف چن پیر صاحب
۲ - حاجی محمد فضل سبحان صاحب
۳ - محمد محمود الرحمٰن صاحب

حضرت شیخ عبدالرحمٰن کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا فضل الرحمٰن عرف چن پیر صاحب نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ وہ اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر تھے اور صاحب علم و فضل اور صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے۔ وہ ۱۲۹۳ھ(۱۸۷۷ع) میں پیدا ھوئے، ابتدائی تعلیم سکندر پور کے مدرسے میں پائی اور ھندوستان کی مشہور درس گاہ دارالعلوم دیوبند سے سند تکمیل حاصل کی۔ غالباً کچھ عرصہ ھندوستان

---

۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحمانیہ قلمی صفحہ ۵۰ سے ماخوذ ہے

کی دوسری مشہور درس گاہ مظاهرالعلوم سہارنپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے ، پھر چھور میں مقیم ہو کر دارالعلوم رحمانیہ کے نظم و ضبط اور سلسلۂ قادریہ کے فیوض کو عام کرنے میں مشغول رہے ۔

۱۲ ذی الحجہ مطابق ۱۳۵۸ھ (۲ جنوری ۱۹۴۹ع) کو ۶۳ سال کی عمر میں مختصر سی علالت کے بعد انھوں نے وصال فرمایا(۱) ۔ اُن کی وصیت کے مطابق ، اُن کے چھوٹے بھائی صاحب زادہ محمد محمود الرحمٰن نے مسند سجادگی کو رونق بخشی جو اس وقت بھی اس درگاہ کے موجودہ سجادہ‌نشین هیں اور تقویٰ و تقدس میں اپنے بزرگوں کے طریقے کو اپنا شعار بنائے ہوئے هیں اور اپنے بزرگوں کی طرح دارالعلوم رحمانیہ کے فروغ‌وترقی کے لیے بے حد ساعی هیں (۲) ۔

خلفا :

شیخ عبدالرحمٰن چھوروی کے خلفا کی تعداد کثیر ھے ۔ صاحب ''سیرت رحمانیہ'' محمد عباس خاں قادری نے اپنی کتاب میں آپ کے ۲۸ خلفا کا تذکرہ کیا ھے ۔ هم ان میں سے چند خلفا کا تذکرہ یہاں لکھتے هیں ، جنھوں نے مختلف علاقوں میں سلسلۂ قادریہ کی نشر و اشاعت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے ترویج کے فرائض انجام دیے ۔ ان میں حافظ قاری سید احمد صاحب سری کوٹی هزاروی مشہور هیں ، جنھیں آپ نے رنگون بھیجا تھا تاکہ وہ وهاں جا کر سلسلۂ قادریہ کو فروغ دیں اور دعوت الی الحق اور اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیں ۔ چناں‌چہ انھوں نے اس خطے میں رشد و هدایت کی شمع روشن کی(۳) ۔

اس کے علاوہ آپ کے خلفا میں جنھوں نے سابق صوبۂ سرحد و پنجاب میں سلسلۂ قادریہ کو فروغ بخشا ، سید امان علی شاہ قادری ترمذی هیں ، جو حضرت سید علی ترمذی کی اولاد سے تھے ۔ انھوں نے هزارہ میں

---

۱ ۔ سیرت رحمانیہ قلمی ص ۷۹—۸۰ ۔
۲ ۔ ایضاً ص ۵۱
۳ ۔ ایضاً ۔

آ کر مختلف مقامات پر علوم دینیہ کی تکمیل کی اور علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد حضرت عبدالرحمٰن چھوروی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر بہت سی ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور موضع گنجان تحصیل ھری پور ہزارہ میں مقیم ھوکر رشد و ھدایت میں مشغول ھوگئے ۔ سید امان علی نے ۱۲۶۳ھ(۱۹۴۳ع) میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار گنجان میں زیارت گاہ خلائق ھے(۱) ۔

آپ کے ایک اور خلیفہ شاہ اسد الحق دھلوی ثم پشاوری ھیں ، جو طلب معرفت میں دھلی سے نکل کر موضع کیان شریف ضلع مظفرگڑھ (آزاد کشمیر) پہنچے اور میاں نظام الدین کے دست حق پرست پر بیعت ھوئے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق پھر حضرت عبدالوحمٰن چھوروی کی خدمت میں حاضر ھوکر اُن کے دست حق‌پرست پر بیعت ھوکر خلافت سے سرفراز ھوئے۔ آخر میں پشاور میں مقیم ھوگئے ، وھیں وفات پائی اور پشاور کے قبرستان کلاں میں مدفون ھوئے (۲)

آپ کے ایک اور ممتاز خلیفہ مولانا حافظ نور محمد صاحب تھے ، جو موضع لنگ (علاقہ پکھلی) تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے رھنے والے تھے ۔ حافظ نور محمد صاحب علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اپنے قصبے کی مسجد میں درس و تدریس میں مشغول ھو گئے۔ پھرطلب معرفت الٰہی کے سلسلے میں حضرت میاں محمد اسحاق کی خدمت میں حاضر ھوئے جو جبڑی علاقہ کاغان کے رھنے والے تھے۔ کچھ دنوں اُن کی خدمت میں رھے ، پھر طلب حق اُن کو حضرت عبدالرحمٰن چھوروی کے آستانے پر لے کر آئی ۔ وھیں اُن کو اطیمنان قلب کی دولت حاصل ھوئی اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ھو کر مختلف ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ھوئے ، پھر وہ آخر وقت تک عبادت و ریاضت اور تبلیغی جد و جہد میں مصروف رھے ۔

---

۱ ۔ سیرت رحمانیہ قلمی ، ص ۸۸ ۔ ۱

۲ ۔ ایضاً ص ۹۰

ایک روز پکھلی کے قریب موضع منڈھاران میں جہاں ان کے پیر حضرت عبدالرحمٰن چھوروی بھی تشریف فرما تھے میلادخوانی ہو رہی تھی کہ اچانک حافظ نور محمد پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے - حضرت عبدالرحمٰن چھوری نے ان کی کفیت کو دیکھ کر فرمایا اب ان کا جان بر ہونا مشکل نظر آتا ہے ، انھیں گھر پہنچاؤ - لوگوں نے ارشاد کی تعمیل کی - لوگ اسی حالت میں اُن کو گھر لائے - آخر میں ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا - اور حالت نازک ہوگئی - جاں کنی کے عالم میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن چھوروی اس مرید صادق کے سرھانے تشریف لائے - لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کیا انھیں پہچانتے ہو ؟ مرید صادق نے جواب دیا کیوں نہیں ، یہ وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پہچانتا تو شاید خدا کو نہ پہچان سکتا اور نہ خدائے تعالی کی رحمت مجھے پہچان سکتی یہ کہ کر کلمۂ شہادت پڑھا اور جان ، جان آفریں کے سپرد کی -

حافظ نور محمد کا روضۂ مبارک موضع لنگ میں مرجع خاص و عام ہے(۱)

تصانیف :

اگر حضرت شاہ عبدالرحمٰن چھوروی نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی ، صرف آپ کی تعلیم قرآن مجید تک محدود تھی ، لیکن آپ نے غالباً چند کتابیں اپنے مریدین سے املا کرائی تھیں - اُن میں سے آپ کی مشہرر تصنیف ''مخیرالعقول الفحول فی بیان اوصاف عقل العقول مجموعۂ صلواۃ الرسول'' ہے -

حضرت شاہ عبدالرحمٰن کی اس کتاب کے متعلق آپ کے خلیفہ قاری سید احمد سری کوٹی نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا کہ اس کتاب کو میرے مرشد نے بارہ سال ، آٹھ مہینے اور بیس روز میں مکمل کیا -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحمانیہ قلمی - مولفۂ محمد عباس خاں قادری ص ۹۶ تا ۱۰۰ سے ماخوذ ہے -

۲ - ایضاً ص ۵۳ -

یہ کتاب درود شریف کے طرز پر تیس پاروں پر مشتمل ہے ، ہر پارے کا ایک مستقل عنوان ہے اور وہ عنوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ‌وسلم کی سیرت و شمائل پر ہے ۔ اس کتاب کو پہلی مرتبہ اپنے پیر کے ارشاد کی بنا پر قاری سید احمد سری کوٹی نے چھپوایا ۔ اس کے طباعت کے اخراجات سیٹھہ احمد اللہ صاحب کباؤ اور دوسرے مریدین نے برداشت کیے۔ دوسری دفعہ یہ کتاب ۱۹۵۳ع میں حافظ سید احمد نے پشاور سے شائع کی ۔ اس کے علاوہ آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں :

۲ ۔ شفاعت الکبائر فی مغفرت الکبائر و الصغائر (قلمی)
۳ ۔ اصل اصول شریف (قلمی)
۴ ۔ شجرۂ طیبہ یا سلسلۂ عالیہ قادریہ (مطبوعہ)
۵ ۔ حرز بسم اللہ (مطبوعہ)
۶ ۔ فتوح الاذکار (مطبوعہ)
۵ ۔ صلوۃ العظمیٰ (مطبوعہ)
۸ ۔ ھفت کفیٰ شریف
۹ ۔ حرز قل ھو اللہ
۱۰ ۔ چھل قل
(یہ تینوں وظائف مجموعۂ صلواۃ الرسول میں شامل ہیں)
۱۱ ۔ صلوۃ الکبریٰ (مطبوعہ)
۱۲ ۔ مجموعۂ قادری کبیر (غیر مطبوعہ)
۱۳ ۔ مجموعۂ قادری صغیر (غیر مطبوعہ)

(۳۵)

حاجی صاحب ترنگ زئی

نام و نسب و خاندان :

سر زمین سرحد کے درویش و مجاہد جس کی ساری زندگی تزکیۂ نفس ، تبلیغ اسلام ، اشاعت تعلیم اور فرنگی استبداد کے خلاف جہاد میں گزری وہ حاجی صاحب ترنگ زئی ہیں ۔ وہ وادیٔ پشاور کے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے آخری دور کے مشہور بزرگ ہیں ۔

آپ کا نام نامی فضل واحد ، آپ کے والد کا اسم گرامی فضل احمد تھا۔ آپ نسلاً سید ہیں ۔ آپ کے جد اعلیٰ شیخ المشائخ سید بہاءالدین علیہ الرحمۃ ہیں جو اپنے دور میں زھد و ورع اور تقویٰ و تقدس میں غیرمعمولی شہرت رکھتے تھے اور پیر بودے بابا کے نام سے مشہور تھے ۔ سید بہاءالدین کے والد ماجد بابا ولی قندھاری کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کا مزار پر انوار قندھار (افغانستان) کے متصل ایک پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے اور آج بھی مرجع خاص و عام ہے ۔

راولپنڈی کے مشہور بزرگ شاہ عبداللطیف بری کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں شیخ بہاءالدین (پیر بودے بابا) سے جا ملتا ہے ۔

---

۱ ۔ شاہ عبدالطیف بری ، پنجاب کے مشہور صوفیائے کرام میں ہیں ۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات زندگی ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے ۔ متاخر تذکرہ نگاروں میں مفتی غلام سرور لاھوری نے اپنی کتاب ''حدیقۃالاولیا'' میں ان کا تذکرہ صرف چند سطروں میں کرتے ہوئے لکھا کہ :

''شاہ لطیف بری قادری قدس سرہ بزرگان پنجاب سے

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۱)

حضرت پیر بابا بودے کی ھندوستان میں آمد کے سلسلے میں بیان کیا

(صفحہ ٦١٠ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت بڑے بزرگ مشہور ھیں ۔ حضرت کے خوارق وکرامات ھزاروں مشہور ھیں ۔ حضرت بڑے عابد و زاھد گوشہ نشین ، مست و مجذوب تھے ۔ ھزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے ۔ حضرت نے نعمت باطنی حضرت حیات المیر زندہ پیر سے پائی ، جو حضرت غوث الاعظم کے پوتوں میں سے ھیں اور زندہ جاوید ھیں ۔ حضرت کی وفات ٩٦٣ھ (١٥٥٦ع) میں ھوئی اور روضۂ مقدس مشہور ھے''۔

(''حدیقۃالاولیاء''۔ مطبوعہ نول کشور صفحہ ٩)

پادری عبدالسبحان نے اپنی کتاب ''صوفیزم، اٹس سینٹس اینڈ شرائنز'' میں لکھا ھے کہ :

''شاہ لطیف ملقّب بری سلطان ، حضرت حیات المیر سے بیعت تھے اور حیات المیر حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلے میں بیعت تھے ۔ بہلول شاھی سلسلہ حضرت شاہ عبداللطیف بری کے مرید بہلول شاہ سے چلا ۔

(صوفیزم اٹس سینٹس اینڈ شرائنز ، مصنفۂ جان ۔ اے سبحان)

ثمر جالندھری نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ :

حضرت شاہ لطیف بری کی ولادت باسعادت موضع جولیاں کرسال ، ضلع جہلم میں ھوئی ۔ بچپن ھی سے عبادتوں اور ریاضتوں کی طرف مائل تھے ۔ ان کے والد کا اسم گرامی شاہ محمود تھا ۔ شاہ محمود نے انھیں کئی مرتبہ بھینسیں چرانے کا کام سپرد کرنا چاھا ، لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ ھوئے اور

(باقی حاشیہ صفحہ ٦١٢ پر)

جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری(۱)معروف بہ معزالدین سام جب
ہندوستان پر کامیاب حملے کے بعد واپس ہؤا تو اس کے لشکر میں بارہ ہزار

(صفحہ ۶۱۱ کا بقیہ حاشیہ)

عبادت و ریاضت میں لگے رہے - بعض مخالفتوں کی وجہ سے شاہ محمود ترک وطن کرکے ضلع راولپنڈی کے علاقۂ گولڑہ کے ایک گاؤں ''باغ کلاں''میں آ کر سکونت پذیر ہوگئے - یہاں آنے کے بعد بھی شاہ لطیف پر کوئی دنیوی اثر نہیں ہؤا بلکہ وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہے - ان کے والد نے انھیں تعلیم کے لیے کیمبل پور کے ایک مقام غور غشتی میں بھیج دیا -

ظاہری علوم کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ حج کے لیے مکۂمعظمہ حاضرہوئے اور حج و زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے -

وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ ریاضتوں میں مشغول ہوگئے اور اپنے وطن ہی میں انھوں نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی -

شاہ لطیف بری کی تبلیغی کوششوں سے یہاں کی دو قوموں ڈھونڈ اور رستی میں اسلام پھیلا اور انھیں کی نوارنیت اور ضیا باریوں کے باعث یہ موضع جو پہلے ''چور پور'' کہلاتا تھا ''نورپور'' سے مشہورہؤا اور غالباً یہ انھیں بزرگ کی برکت کا اثر ہے کہ ''نور پور'' پاکستان کے نئے دارالحکومت اسلام آباد میں مرکزی مقام کی حیثیت حاصل کر رہا ہے -

شاہ لطیف بری کے خلفا میں شیخ بہلول دریائی اور شاہ‌حسین خاص طور پر مشہور ہیں - شاہ حسین کی بیٹھک شاہ لطیف‌بری کے مزار مبارک کے بالکل سامنے ہے - اس بیٹھک پر یہ مصرعہ لکھا ہوا ہے :

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۳ پر)

افغان غازی شامل تھے۔ ان کو شہاب الدین غوری نے اشنغر (علاقہ چارسدہ) کوہ سلیمان اور باجوڑ میں آباد کیا ۔ اور ان افغانوں میں وہ غازی جو

(صفحہ ٦١٢ کا بقتہ حاشیہ)

میرے مرشد کی گلی کی خاک بھی اکسیر ہے

شاہ حسین کا مزار بھی حضرت شاہ لطیف ؒبری کے مزار کے باہر ہے ۔

سالہا سال سے شاہ برؒی کا میلہ راولپنڈی شہر سے بارہ میل دور نور پور شاھاں میں منایا جاتا ہے ۔ میلے کے بعد ہی شاہ لطیف برؒی کا عرس ہوتا ہے ۔

(ماخوذ از ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' مولفۂ اعجازالحق قدوسی از صفحہ ٥٣١ تا ٥٣٤)

١ ۔ سلطان غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد ٥٩٩ ھ (١٢٠٢ع) میں اس کا بھائی سلطان شہاب الدین غوری فیروزہ کوہ میں تخت نشین ہؤا ۔ اس کا اصل نام تو محمد تھا لیکن تخت نشین ہونے کے بعد اس نے معزالدین کا لقب اختیار کیا ۔ اُسے ایام شہزادگی میں شہاب الدین بھی کہتے تھے ۔ اس نے ایام شہزادگی میں اکثر فتوحات ہندوستان میں حاصل کی تھیں اور وہ سلطان غیاث الدین غوری کا نائب بھی تھا اس لیے اسے بعض مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری بھی لکھا ہے ۔

''اپنی بادشاہت کے بعد وہ صرف ایک مرتبہ ہندوستان آیا ۔ یہاں سے وہ غور جا رہا تھا کہ ٦٠٢ ھ (١٢٠٥ع) میں مقام ڈمیک میں فدائیوں یا کھوکھروں کے ہاتھ سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید کیا گیا ۔

(ماخوذ از ''تاریخ اسلام'' جلد ٣ صفحہ ٢٧٩ ۔ اکبرشاہ خاں نجیب آبادی)

محمد زئی (ماموں زئی) قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اصل میں قندھار سے آئے تھے ۔ ان کو بھی علاقۂ ، اشنغر (موجودہ چار سدہ) میں آباد کیا ۔ یہاں سکونت پذیر ہونے کے بعد ان کے چند سردار اپنے پہلے وطن قندھار گئے اور بابا ولی قندھاری کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ ان کی دینی رہنمائی کے لیے وہ اپنے صاحبزادے سید بہاء الدین (پیر بابا بودے) کو ان کے ساتھ روانہ کریں تا کہ وہ اشنغر میں مقیم ہوکر ہم لوگوں میں اصلاح و تزکیۂ نفس کے فرائض انجام دیں ۔ چناں چہ بابا ولی نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور اس طرح سید بہاء الدین سابق صوبۂ سرحد میں آ کر آباد ہوئے ۔ ان کی وادیٔ پشاور میں تشریف آوری کا زمانہ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ع) کے لگ بھگ ہے ۔

اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت حاجی ترنگ زئی کے خاندان کے افراد اس علاقے میں تبلیغ دین ، اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین میں مصروف ہیں ۔

حضرت حاجی ترنگ زئی کی والدۂ محترمہ کاکاخیل خاندان سے تھیں ۔ ان کا سلسلۂ نسب سابق صوبۂ سرحد کے مشہور بزرگ شیخ رحمکار معروف بہ کاکا صاحب سے جا ملتا ہے ۔

حضرت رحمکار کے ایک صاحبزادے خلیل گل مشہور بہ مرزے بابا تھے جو ٹوئی علاقۂ آتمان خیل (یا غستان) میں رہتے تھے ۔ حاجی ترنگ زئی کی والدۂ محترمہ بھی اسی گاؤں کی رہنے والی تھیں ۔

ولادت :

جنگ آزادی سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ع میں اس سر زمین میں گلشن ولایت و حریت کا وہ پھول کھلا ، جس کی خوشبو نے اس سر زمین کو دیا ۔ حاجی صاحب ۱۸۵۶ ع میں مقام ترنگ زئی تحصیل چار سدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے ۔

تعلیم :

ابتدائی تعلیم آپ نے اس دور کے مشہور عالم مولانا ابوبکر اخوندزادہ سے حاصل کی ، اور اس کے کچھ عرصے تک تھکال میں تعلیم حاصل کرتے

رہے ۔ علوم ظاھری کی تکمیل کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے اور اپنے لیے کھیتی باڑی کے مشغلے کو پسند فرمایا اور زراعت کرنے لگے

جہاد کا ذوق :

لیکن چند ھی دنوں بعد ملک میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے آپ کی زندگی کے رخ کو بدل کر رکھ دیا - ۱۸۹۷ ع میں انگریزوں نے دوسری دفعہ ملاکنڈ پر حملہ کیا ۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ اس علاقے کے مسلمان بہت سی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے ۔ اخوند عبدالغفور بابا سوات صاحب ۱۸۷۷ع میں وفات پاچکے تھے مشہور مجاھد عمرا خاں کی حکومت ۱۸۹۶ع ، ۱۸۹۵ع میں ختم ہوچکی تھی ۔ سوات اور سمہ دونوں علاقوں میں کوئی شخصیت ایسی باقی نہ تھی جو اس نازک زمانے میں مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیتی ۔ ہر طرف مشکلات اور مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے کہ عین اس مایوسی کے عالم میں افق سے امید کی کرن پھوٹی اور حضرت اخوند سوات کے دو مرید مسلمانوں کے حق میں فرشتۂ رحمت بن کر نمودار ہوئے جنھوں نے مجاھدین کی قیادت کو ھاتھ میں لیا ۔

ان میں سے ایک سر تور فقیر تھے جن کا نام سعداللہ خاں تھا ۔ انھوں نے سوات اور اس کے ملحقات کے غازیوں کی قیادت کو سنبھالا ۔

دوسرے حضرت نجم الدین اخوند زادہ معروف بہ ھڈے ملا صاحب تھے ، جنھوں نے کونٹر ، مہمند اور باجوڑ کے غازیوں کی قیادت سنبھالی ۔ انھیں کے ساتھ حاجی ترنگ زئی ، ھشتنغر اور ٹوٹئی کے مامون زئی اور آتمان خیل کے غازی شامل ہوئے۔

اس مرد مجاھد کی قیادت میں ملاکنڈ ، ھیرکلی ، بٹ خیلہ اور چکدرہ کے محاذ پر جو لڑائیاں لڑی گئیں ، ان میں حضرت حاجی ترنگ زئی نے شریک ھو کر خوب داد شجاعت دی ۔ یہ ۱۸۹۷ع کی بات ھے ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یہ بطل حریت جہاد میں شریک ھؤا ۔

ھڈے ملا صاحب سے ملاقات :

اسی جہاد میں اُن کی ملاقات ھڈے ملا صاحب سے ہوئی ۔

بیعت :

اس ملاقات نے حاجی ترنگ زئی کے قلب پر هڈے ملا صاحب کی عقیدت و محبت کے نقش کو اس طرح مرتسم کیا کہ جب حاجی ترنگ زئی علاقۂ مہمند میں گئے ، اس زمانے میں هڈے ملا صاحب بھی وهیں مقیم تھے - اُنھوں نے وهاں سلسلۂ قادریہ میں حضرت هڈے ملا صاحب کے دست‌حق پرست پر بیعت کی ، اور اپنے شیخ کی خدمت میں رہ‌کر فیوض باطنی اور اُن کی برکات سے مستفید ہوتے رہے -

تجدید بیعت :

۱۹۰۲ع میں جب هڈےملا صاحب نے وصال فرمایا تو حضرت حاجی ترنگ زئی نے اُن کے مشہور خلیفہ و ماذون حضرت صوفی عالم گل کے دست حق پرست پر تجدید بیعت کی اور اُن سے روحانی استفادہ کیا - حضرت صوفی عالم گل نے آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنی دستار اور تلوار عنایت کی -

حج :

اس سے قبل حاجی ترنگ زئی صاحب ایک حج کر چکے تھے ، ۱۹۰۸ع میں حاجی صاحب دوبارہ حج کے لیے تشریف لے گئے -

امر بالمعروف و نہی عن المنکر :

حج سے واپسی کے بعد حاجی صاحب نے علاقۂ مردان اور پشاور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری کیا - عوام پر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا بڑا گہرا اثر پڑا - عوام کے قلوب حاجی صاحب کی طرف کھنچے جاتے تھے - اُن میں اسلامی شعور بیدار ہو جاتا تھا ، اور لوگ نیکی صلاح اور تقویٰ کی طرف مائل ہو جاتے تھے - حاجی صاحب نے عوام کی گمراهیوں اور اس کی جڑ کو معلوم کر لیا تھا - انھیں اس کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا کہ جب تک عوام سے جہالت کو دور نہ کیا جائے گا اور اُن میں اسلامی تعلیم کی روشنی عام نہ کی جائے گی ، اس وقت تک صحیح معنی میں برائیوں کا انسداد اور اُن کی روک‌تھام نہ ہو سکے گی ، اور نہ انگریزوں کے عذاب سے نجات حاصل ہو سکے گی -

دینی مدارس کا قیام :

چناں چہ آپ نے علاقۂ پشاور اور مردان میں دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا ۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے اسلامی مدارس قائم ہوئے ۔ اُن میں سب سے زیادہ اھمیت گدر حمزہ خاں اور آسمان زئی کے مدارس کو حاصل ھے ۔

آپ ھی کی تحریک پر مولانا علی احمد معروف بہ ملا سنڈا نے ایک مدرسہ قائم کیا ، جس نے بعد میں چل کر بڑی اھمیت حاصل کی ۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامیہ کالج پشاور (١) کی داغ بیل حاجی ترنگ زئی کے مدارس کے سلسلے ھی کی وجہ سے پڑی تو شاید بے جا نہ ھو گا ۔

مسلمانانِ سابق صوبۂ سرحد میں حاجی صاحب کی تحریکات کا اثر دیکھ کر انگریز گھبرا اٹھا اور انھیں جیل میں ڈال دیا ۔ تین سال تک حاجی صاحب جیل میں رھے ، لیکن انگریز نے مجبور ھو کر آخر میں آپ کو رھا کردیا ۔ فرنگی استبداد نے حاجی صاحب کے اس تبلیغی جذبےکو اور بھی

---

١ ۔ حضرت حاجی ترنگ زئی کی تعلیمی سر گرمیوں کو دیکھ کر حکومت سرحد کو اس کے توڑ کا خیال پیدا ھؤا اور اس دور کی انگریزی حکومت نے پشاور میں اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھنے کی ٹھانی ۔ موضع سپنہ وڑی اور تھکال بالا کی زمینات میں رقبہ تعدادی ٩١٦ کنال اور ١٧ مرلے زمین اسلامیہ کالج کی تعمیر کے لیے خریدی گئی اور ٢١ مارچ ١٩١٢ع کو اس کالج کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی ۔ سنگ بنیاد کی رسم کے موقع پر مولانا عبداللہ عباسی معروف بہ قطب شاہ نے تلاوت قرآن مجید کی ۔ نواب عبدالقیوم خاں لودھی اور کرنل اسلم خان سدو زئی ایک بالٹی میں چونا اور چاندی کی کرنی لے کر حاجی صاحب کی طرف بڑھے اور آپ سے سنگ بنیاد رکھنےکی درخواست کی ، حضرت حاجی صاحب نے اپنے دست مبارک سے اس کالج کی خشت اول رکھی ۔

تیز ترکر دیا اور آپ پہلے سے زیادہ اشاعت دین ، اصلاح رسوم اور اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف ہو گئے ۔

پہلی جنگ عظیم اور ترک وطن :

۱۹۱۴ع میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ترکی کے شیخ الاسلام نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد دیا ۔ برصغیر ہندو پاک کے علما نے بھی اس فتویٰ کی تائید کی اور علما کے فتویٰ کی بنا پر جہاد کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں ۔ اُس وقت انگریزوں نے محسوس کیا کہ اگر حاجی صاحب کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو حکومت کو خاصا پریشان ہونا پڑے گا ، اس لیے آپ کی نظر بندی کی حکومت نے سکیم مرتب کی ۔ یہ سکیم ایک خفیہ اجلاس میں مرتب کی گئی ۔ اتفاق سے اعظم خاں نامی مہمند کو اس سکیم کی اطلاع کسی طرح فوراً ہی مل گئی ، اور اس نے یہ خبر اسی وقت حاجی ترنگ زئی کو پہنچائی ۔ حاجی صاحب نے اس خبر کے سنتے ہی راتوں رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ موضع زئی سے نکل کر براہ لوند خوڑ بنیر کے علاقے طوطائی پہنچے ۔ رمضان المبارک کا مہینہ قریب تھا ، وہیں آپ نے رمضان گزارا ، وہیں آپ کے مریدین اور عقیدت مندوں کی جماعت آپ کے گرد جمع ہو گئی اور اسی جمیعت کے ساتھ کچھ دن کے بعد آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا ۔ یہ جھڑپیں ۲۷ دن کے بعد بند ہو گئیں ۔

سورکمر میں سکونت :

ان جھڑپوں کے بند ہونے کے بعد حاجی صاحب سوات تشریف لائے ، پھر وہاں سے باجوڑ گئے ، پھر آپ مہمندی قبائلی علاقے میں قندھاری اور صافی قبائل کے ایک مقام سورکمر میں مستقل طور پر متوطن ہو گئے ۔ پہلے اس جگہ کا نام کند غار تھا ۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ مقام غازی آباد کے نام سے موسوم ہوا ، اور بعد میں یہی مقام مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ۔ اس علاقے میں آپ کی تشریف آوری کا زمانہ اواخر ۱۹۱۵ع ہے ۔ اس سے قبل چھ ماہ کا عرصہ آپ نے علاقہ باجوڑ میں گزارا تھا ۔

شب قدر پر حملہ :

۱۹۱۹ء میں انھوں نے انگریزوں کے خلاف پہلے شب قدر پر اور پھر ڈکہ پر حملہ کیا ، اور بڑی شجاعت و بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا ۔

۱۹۲۸ء میں اگرچہ ایک عارضے کی وجہ سے آپ کے پاؤں متاثر ہوگئے تھے اور ایک حد تک معذور ہو چکے تھے مگر اس عالم میں بھی آپ فرنگی استبداد کے خلاف نبرد آزما رہے اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں کسی قسم کی کمی نہ آئی ۔

میخی اوغلی میں جہاد :

۱۹۳۰ء میں حضرت حاجی ترنگ زئی نے انگریزوں کے خلاف میخی اوغلی کو میدان جہاد بنایا ۔ انگریزی فوجیں جدید سامان حرب سے لیس تھیں ۔ انھوں نے مجاہدین کے مورچوں پر بمباری کی ، لیکن تائید ایزدی مسلمانوں کے شامل حال رہی ۔ یہ معرکہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے شروع ہو کر ۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو ختم ہوا ۔ اس معرکے میں مسلمان خاصی تعداد میں شہید ہوئے ، لیکن انگریزی فوجوں کو بھی شدید نقصان پہنچا ۔

دو سازشیں :

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۳ء میں انگریزوں نے حاجی صاحب کے خلاف دو سازشیں کیں لیکن خدائے تعالیٰ نے آپ کو اُن کے شر سے محفوظ رکھا ۔

فیصلہ کن جنگ :

آخر کار ۱۹۳۳ء میں حاجی صاحب اور انگریزوں میں وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی ، جس میں انگریزوں نے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔

۱۹۳۵ء میں پھر ایک بار انگریزوں نے غازیوں کے کیمپ پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے لیکن فتح و نصرت غازیوں کے قدم چوم رہی تھی ۔ اسی لڑائی میں انگریزوں کی وہ مشہور پلٹن جسے گائڈ پلٹن کہا جاتا تھا غازیوں نے بالکل تباہ کر دی ۔

۱۹۳۶ء میں انگریز متعدد شکستوں کے بعد صلح نامے پر راضی ہوئے اور اس طرح حق تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔

وصال :

وہ مجاہد اعظم جس نے مختلف ماذوں پر انگریزوں کے چھکے چھڑا دیے ۱۹۳۶ء کے اواخر میں بیمار پڑا - بیماری نے طول کھینچا ، اور ایک طویل بیماری کے بعد ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء ۱۳۵۶ھ ، کو یہ مرد مجاہد واصل الی اللہ ہؤا - وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۱ سال کی تھی -

مدفن :

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو غازی کی مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا -

اولاد :

حاجی صاحب نے اپنی وفات کے بعد تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں -